

مقالاتِ سیرت

ساتویں قومی سیرت کانفرنس

۱۲، ۱۳، ربیع الاول ۱۴۰۳ھ — ۲۹-۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء

وزارت امور مذہبی۔ حکومت پاکستان
اسلام آباد

ترتیب

پروفیسر امتیاز احمد سعید
ڈائریکٹر (ریسرچ و ریفرنس)

ڈاکٹر سید مطلوب حسین
اسسٹنٹ ڈائریکٹر (ریسرچ و ریفرنس)

وزارتِ امورِ مذہبی

ناشر : وزارتِ امورِ مذہبی، اسلام آباد ؛

مطبع پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس، اسلام آباد،

فہرست مضامین

۱.	پیش لفظ	جناب عرفان احمد امتیازی، سیکرٹری وزارت امور مذہبی	(و)

خطبات

۲.	خطبہ استقبالیہ	الحاج محمد عباس خان عباسی، وفاقی وزیر امور مذہبی	۱
۳.	خصوصی خطاب	جناب حبیب شطی، سیکرٹری جنرل اسلامی کانفرنس	۵
۴.	خطبہ افتتاحیہ	عالی مرتبت جناب جنرل محمد ضیاء الحق، صدر پاکستان	۹
۵.	خطبہ صدارت اجلاس اول	الحاج محمد علی خان آف ہوتی، وفاقی وزیر تعلیم	۲۳
۶.	خطبہ صدارت اجلاس دوم	جناب جسٹس شیخ آفتاب حسین چیئرمین وفاقی شرعی عدالت	۲۷
۷.	خطبہ صدارت اختتامی اجلاس	الحاج محمد عباس خان عباسی، وفاقی وزیر امور مذہبی	۶۵

مقالات

۸.	آنحضرتؐ بحیثیت مظہر ختم نبوت	مولانا عبد اللہ خلجی	۷۱
۹.	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	جسٹس (ریٹائرڈ) قدیر الدین احمد	۷۷
۱۰.	سیرت طیبہ حضورؐ کے اسماء و القاب کے آئینے میں	ڈاکٹر سید عبد اللہ	۱۰۹
۱۱.	رسولؐ اول و آخرؐ	علامہ سید محمود احمد رضوی	۱۲۵
۱۲.	خطبات نبویؐ	علامہ سید محمد رضی	۱۳۹
۱۳.	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	صاحبزادہ سید فیض الحسن	۱۴۷
۱۴.	شفقت و رحمت	صاحبزادہ محمد فیض علی فیضی	۱۵۳
۱۵.	مظہر اکمل اور خاتم الانبیاءؐ	مولانا شبیہ الحسنین محمدی	۱۵۷
۱۶.	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	مفتی شجاعت علی قادری	۱۷۳
۱۷.	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	مولانا محمد اطہر نعیمی	۱۸۹

۱۸	آنحضرتؐ بحیثیت مظہر تکمیل نبوتؐ و رسالت	مولانا سعید الدین شیر کوٹیؒ	۲۰۱
۱۹	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	علامہ مرزا یوسف حسین	۲۱۱
۲۰	اقوام عالم کے محسنؐ	مولانا سید حبیب الرحمان بخاری	۲۱۹
۲۱	مظہرِ تکمیل نبوت و رسالتؐ	قاضی نور الحق ندوی	۲۲۷
۲۲	حضور اکرمؐ اور اسلامی ریاست کی تشکیل	سید اسعد گیلانی	۲۴۱
۲۳	سیرت طیبہ کی تاریخی و ادبی کاملیت	مولانا محمد ولی رازی	۲۵۷
۲۴	تکمیل رسالت اور اتحاد عالم انسانی	بریگیڈیر (ریٹائرڈ) گلزار احمد	۲۶۹
۲۵	رسولِ اکرمؐ بحیثیت معلم کامل	پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد	۲۸۷
۲۶	عقیدہ ختم نبوت اور اس کے تقاضے	پروفیسر عبد اللطیف انصاری	۲۹۷
۲۷	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	پروفیسر محمد عبد الجبار شیخ	۳۰۷
۲۸	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	پروفیسر سمیع اللہ قریشی	۳۲۳
۲۹	نبی رحمتؐ	سید فیضی	۳۳۷
۳۰	مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	ڈاکٹر عبد الرشید	۳۴۵
۳۱	مقام مصطفیٰؐ، بلوچی و براہوئی ادب کے آئینے میں	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	۳۵۷
۳۲	پیغمبرِ انقلاب رحمتؐ	پروفیسر فضل الحق میر	۳۶۹
۳۳	نبیٔ رحمتؐ	حکیم محمد یحییٰ خان شفا	۳۷۹
۳۴	اسوہ حسنہؐ اور ہم	سید ودود احمد جیلانی	۳۸۷
۳۵	سرورؐ عالم، نبیٔ کاملؐ	کرنل (ریٹائرڈ) محبوب حسین خان لودھی	۳۹۳
۳۶	مظہرِ تکمیل نبوت و رسالتؐ	سید شاکر حسن	۴۰۱
۳۷	آنحضرتؐ بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالتؐ	عنایت اللہ	۴۰۷

کانفرنس کے مقاصد

۱۔ حضور ختم المرسلین وافضل النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ عقیدت پیش کرنا، جن کی بدولت بنی نوع انسان کو کفر کی ظلمت سے نجات اور ہدایات کی روشنی میں صراط مستقیم نصیب ہُوا۔

۲۔ عہدِ جدید کے انسان کی مدد کرنا تاکہ وُہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں اپنے کردار و سیرت کی تشکیل کر سکے اور عہدِ حاضر کے مسائل کا حل تلاش کر سکے۔

۳۔ نوجوان دانش وروں اور محققوں میں اسلام کی صحیح روح بیدار کرنا تاکہ وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدی پیغام کو نہایت مؤثر اور مناسب طور سے دنیا میں پھیلائیں

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ عالمگیر آفاقی قدروں مثلاً اخوت، عدل اور احسان کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی سوانح اور سیرت طیبہ کی تعلیم و تحقیق کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۵۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لاعلمی پر مبنی غلط فہمیوں اور تعصبات کو دور کرنے کے لئے مناسب و موثر طریق کار وضع کرنا۔

کانفرنس کا مرکزی خیال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مظہرِ تکمیلِ نبوّت و رسالت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماکان محمدٌ ابا احد
من رجالکم ولٰکن
رسول اللہ
وخاتم النبیّن ط

(القرآن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

پیش لفظ

یہ کہنا تحصیل حاصل ہو گا کہ کسی بھی ملک میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اسلامی نظام کا قیام اس صورت میں ممکن ہے کہ عوام میں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سیرت طیبہ کو عام کیا جائے۔ کیونکہ یہی ایک ایسا نام ہے جس پر مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر متحد و متفق ہیں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے وزارت امور مذہبی نے چند سال پہلے ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد کی تھی جس میں مختلف ممالک سے آئے ہوئے اہل دانش و بینش نے شمولیت کر کے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیۂ عقیدت پیش کیا تھا۔ کانگریس کے اختتامی اجلاس میں متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی تھی کہ تمام ممبر ممالک ہر سال قومی سطح پر سیرت کانفرنس منعقد کیا کریں تاکہ اسلام اور داعیٔ اسلام کی تعلیمات و افکار کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت ہو سکے اس قرارداد کی روشنی میں پاکستان میں ہر سال ۱۲ ربیع الاوّل کو قومی سطح پر سیرت کانفرنس

کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں ملک کے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے علماء اور دانشور شرکت کرتے ہیں اور سیرت طیبہ پر تحقیقی اور جامع مقالات پیش کرتے ہیں جس کی تمام کارروائی ریڈیو ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچائی جاتی ہے۔ نیز کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات کو کتابی صورت میں شائع کرا کے نہ صرف پاکستان کی دانش گاہوں، مشہور لائبریریوں، علماء مشائخ اور دانشوروں میں تقسیم کیا جاتا ہے بلکہ بیرون ملک پاکستانی سفارت خانوں کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ وزارت امور مذہبی نے اس وقت تک مقالات سیرت پر مشتمل چار کتابیں شائع کی ہیں۔ جن میں سے پہلی کتاب MESSAGE OF THE PROPHET تھی۔ جو بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے چیدہ چیدہ مضامین پر مشتمل تھی۔ باقی تین کتابیں قومی سیرت کانفرنسوں میں پڑھے گئے مقالات پر مشتمل ہیں۔

ساتویں قومی سیرت کانفرنس جس کا افتتاح ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ (مطابق ۲۹ دسمبر ۸۳ء) صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ ہال میں کیا تھا، اس کا مرکزی موضوع تھا :-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت"

افتتاحی اجلاس کے بعد ساتویں قومی سیرت کانفرنس کے تین اجلاس ہوئے جن کی صدارت علی الترتیب جناب جسٹس شیخ آفتاب حسین صاحب چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ، جناب محمد علی خان صاحب ہوتی، وفاقی وزیر تعلیم اور جناب الحاج محمد عباس خان صاحب عباسی، وفاقی وزیر امور مذہبی نے فرمائی۔ کانفرنس میں ملک کے طول و عرض سے علماء و دانشور شریک ہوتے اور تیس سے زائد مقالات پڑھے گئے جو اس کتاب کی زینت ہیں۔

بعض مندوبین گرامی جنہوں نے اپنے مقالات ارسال تو کر دیئے تھے لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر کانفرنس میں شرکت نہ کر سکے تھے، ان کے مضامین بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ سیرت طیبہ پر ان مضامین کے مطالعہ سے قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہوگا اور دل شمع ہدایت کے اُجالے سے منوّر ہوں گے۔

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ
۲۸ مارچ ۱۹۸۳ء

عرفان احمد امتیازی
سکریٹری
وزارت امور مذہبی حکومت پاکستان
اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ استقبالیہ

⭑ الحاج محمد عباس خان عباسی

جناب صدر، وزراء کرام، سفیران گرامی
مشائخ عظام، علمائے ذی احترام اور
معزز حاضرین
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آج کی اس تقریب سعید میں آپ سب کا خیر مقدم کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ دور دراز کے علاقوں سے اس مقدس محفل میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ جناب صدر! میں آپ کا شکریہ ادا کیوں نہ کروں کہ آج کا یہ اجلاس آپ ہی کے ایما پر منعقد ہو رہا ہے اس لئے میں اپنی اور تمام حاضرین کی طرف سے خاص طور پر شکرگزار ہوں کہ آپ نے ہم سب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پاکیزہ محفل میں شریک ہو کر سعادت دارین حاصل کرنے کا موقع دیا۔

⭑ وفاقی وزیر مذہبی امور

حاضرین کرام!

نہ میں اس کا اہل ہوں اور نہ ہی میرے پاس وہ زبان ہے جس کے ساتھ میں آپ کی خدمت میں سیرتِ طیبہ کے حوالے سے کچھ کہنے کی جسارت کروں تاہم اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے الفاظ کا سہارا لے کر کچھ عرض کرتا ہوں۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے بہترین سرمایہ اور دُنیا و آخرت میں کامیابی کی کلید ہے' اس کے فروغ کے لئے سعی اور کوشش ہمارے دینی ملّی اور اخلاقی فرائض میں شامل ہے۔ اس کی توفیق صرف اُن حضرات کو ہوتی ہے جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور دینِ اسلام سے والہانہ محبت اور عقیدت ہوتی ہے۔ الحمدُللہ! برّصغیر کے مسلمان اس تقریب کو صدیوں سے نہایت جوش وخروش اور عقیدت و احترام سے مناتے رہے ہیں اس کی جھلک پاکستان کے ہر گاؤں، ہر شہر، ہر قصبے اور ہر قریے میں نہ صرف آج کے دن بلکہ ربیع الاول کے پورے مہینے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور نے نوعِ انسانی کو مادی سہولتوں کو پورا کرنے کے لئے بہت کچھ دیا ہے لیکن اس کا اصل سکھ چین اور اطمینان قلب چھین لیا ہے جسے دیکھو انتشار و اضطراب کی دنیا میں مبتلا نظر آتا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے رُوحانی قدروں اور اخلاقی روایات سے مُنہ موڑ لیا ہے اور ہر چمکدار چیز کو سونا سمجھ کر سینے سے لگا لیا ہے۔

قوموں میں یہ رُجحان ہمیشہ پیدا ہوتا رہا ہے اور ہر دور میں انہوں نے مخصوص اور محدود پیمانے پر اس دَور کے تقاضوں کے مطابق ترقی کی منازل بھی طے کیں لیکن وُہ ایک خاص حد تک پہنچ کر سکون و آشتی کے طلب گار رہے اور یہ مقام انہیں کسی ایسی شخصیت کی تعلیمات اور صحبت سے میسّر ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کے درمیان بھیجا' ایسی شخصیتیں ہر دور میں جنم لیتی رہیں اور انسانیت کو اس کا فطری حصّہ دیتی رہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی شخصیات تھیں جن کی تعلیمات ایک مخصوص دور یا خاص خطہ اور علاقے تک اثر انداز ہوتی رہیں۔

لیکن انسانی ذہن و دماغ جب ترقی کی انتہا کو پہنچ گیا تو ایک ایسی شخصیت کی ضرورت محسوس ہوئی جو نہ صرف بین الاقوامی ہو بلکہ اس کا پیغام ابدی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے حضرت محمد

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات کی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا اور آپ نے اعلانِ نبوت کے بعد اپنے عمل و کردار اور اخلاق و گفتار کے ذریعے اپنے گرد ایسے خدا ترس اور متقی انسانوں پر مشتمل ایک گروہ پیدا کیا جو آپ کی تعلیمات کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس پُر خلوص کاوش کا پھل لوگوں نے اسلام کی پہلی صدی ہی میں حاصل کر لیا اور دُنیائے قدیم کے تینوں برّاعظموں تک آپ کا پیغام پہنچا دیا، چنانچہ جب تک لوگ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں عمل پیرا رہے، انہوں نے مادی، روحانی اور اخلاقی طور پر ترقی کی اور جیسے جیسے ان میں تغافل پیدا ہوتا گیا اور انہوں نے سیرت طیبہ کو اپنے سامنے نہ رکھا ویسے ویسے وہ اتھاہ گہرائی میں گرتے گئے۔

میں نے شروع میں آج کے انسان کے جس کرب اور اضطراب کا ذکر کیا ہے اس کا مداوا حضور نبی کریم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے حاصل ہو سکتا ہے اس لئے ہمارا یہ ملی و دینی فریضہ ہے کہ ہم سیرت سرکار دو عالم کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کریں اور نہ صرف عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت میں اسے فروغ دیں، یہ مقصد دو طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ہم حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر زیادہ سے زیادہ کتابیں لکھیں اور انہیں دُنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے اس کی ترویج و اشاعت کریں دوسرا یہ کہ ہم زیادہ سے زیادہ محافل منعقد کر کے حضور اکرمؐ کا ذکرِ خیر کریں، وزارتِ مذہبی امور ان دونوں مقاصد کیلئے مقدور بھر کوشش کر رہی ہے اور انشاء اللہ کرتی رہے گی اس کام کو بہتر طور پر ادا کرنے کے لئے وزارت مذہبی امور نے صدرِ گرامی قدر کے ایماء پر گزشتہ سال پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے نمائندہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل ایک قومی سیرت کمیٹی کی تشکیل کی تھی جس کا ایک اجلاس اسی ماہ کی آٹھ تاریخ کو اسلام آباد میں ہوا، جس کے نتیجہ میں نہایت مفید تجاویز سامنے آئی ہیں۔ ان تجاویز و آراء کی روشنی میں سیرتِ طیبہ کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تحقیق کو آگے بڑھانے میں مدد ملے گی۔

اس ضمن میں دوسرا کام جو وزارتِ مذہبی امور پچھلے کئی برسوں سے کرتی چلی آ رہی ہے وہ قومی مقابلۂ کتب سیرت ہے اس کی وجہ سے لوگوں میں سیرت نویسی کا شوق بڑھا ہے۔ پچھلے سال صدرِ محترم نے انعام کی رقم میں اضافے کا اعلان فرمایا تھا۔ جس کی وجہ سے امسال وزارت کو خاصی تعداد میں اُردو، انگریزی اور

علاقائی زبانوں میں لکھی ہوئی سیرت کی کتابیں موصول ہوئیں جو خاص محنت سے لکھی گئی ہیں اور جو خوش نصیب حضرات ان انعامات کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں آپ انکے ناموں کا اعلان آج ہی کی تقریب میں سنیں گے۔
اس مقابلہ کے سلسلے میں ایک خوش آئندبات جو میرے مشاہدہ میں آئی ہے وُہ یہ ہے کہ مقامی زبانوں میں سیرت نویسی کا رحجان بڑھ رہا ہے۔

سیرت نویسی کی مزید حوصلہ افزائی کے لئے پچھلے سال صدر محترم نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ وزارت مذہبی امور آئندہ ایک بین الاقوامی مقابلہ کتب سیرت کا اہتمام کرے جس میں دنیا بھر سے اہم زبانوں میں سیرت طیبہ پر لکھی ہوئی کتابیں شامل کی جائیں۔ اس منصوبے پر کام ہو رہا ہے۔ ایک بنیادی کمیٹی تشکیل دی جا چکی ہے جس نے مقابلہ کے لئے قواعد وضوابط مرتب کر لیئے ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہو چکی ہیں اور وزارت کو مختلف ممالک سے کتابیں موصول ہو رہی ہیں۔
وزارت کی اِن مساعی کے نتیجہ میں عوامی سطح پر بھی سیرت نویسی اور اشاعت کا کام احسن طریقے سے سر انجام پا رہا ہے۔ اس ضمن میں سیارہ ڈائجسٹ اور نقوش کے رسول نمبر قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں مجلوں میں سیرت طیبہ کے بے شمار پہلوؤں پر عالمانہ اور محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ اپنی افادیت کے لحاظ سے ایک عام قاری سے لے کر سیرتِ طیبہ پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے اثاثہ ہیں۔

حضراتِ گرامی

آج کی یہ کانفرنس حضور علیہ السلام کے ذکر کے لئے منعقد کی گئی ہے' اس کی افادیت بھی اپنی جگہ بہت زیادہ ہے کیونکہ اس میں پڑھے جانے والے مقالات کو بعد میں کتابی شکل میں ترتیب دیکر ملک کی مختلف جامعات اور لائبریریوں' کتب خانوں، علماء و مشائخ اور دانشور حضرات کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔
اس مختصر عرضداشت کے بعد میں آپ سب کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور صدر محترم سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اپنا خطبہ افتتاحیہ عطا فرمائیں!۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء
وخاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خصوصی خطاب

★ جناب حبیب شطی

عالی مرتبت جناب صدر محمد ضیاء الحق
جناب وزراء کرام اور
حاضرینِ گرامی!

یہ میری خوش بختی ہے کہ میں پاکستان میں جو اسلام کے قلعوں میں سے ایک قلعہ ہے، اس عظیم اور بابرکت موقع پر موجود ہوں جب ہم میلاد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید منا رہے ہیں۔

میں عزت مآب صدر گرامی جناب محمد ضیاء الحق صاحب کی اس دعوت کے لئے تہ دل سے ممنون ہوں۔ جو انہوں نے مجھے اس مبارک سالانہ اجتماع کے لئے مرحمت فرمائی اور مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں پاکستان کے اہلِ علم و دانش اور خادمانِ دینِ متین کی اس نمائندہ نشست میں شریک ہو سکوں۔

پاکستان کی سرزمین وہ ہے جہاں دینِ حق کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ یہ مملکت اسلام کی خاطر وجود میں آئی اور ان ہستیوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئی جو اخلاص اور صدق کا نمونہ تھے۔ جن کی قیادت حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح کر رہے تھے جن کا ابھی چند یوم پیشتر اس مملکت نے ایک سو چھٹا یوم پیدائش منایا ہے۔ میں اس مناسبت سے اور اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس عظیم لیڈر

★ سیکرٹری جنرل آرگنائزیشن آف اسلامی کانفرنس

کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دستِ بدعا ہوں کہ وہ انہیں مجاہدوں اور اپنے نیک بندوں کے درمیان جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

صدرِ گرامی اور محترم حاضرینِ مجلس!

میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں علماء و فضلا کے اِس اجتماعِ عظیم سے خطاب کروں گا اس لئے کہ میری یہاں اسلام آباد میں موجودگی حسنِ اتفاق سے ہے۔ میرے لئے بہرحال یہ باعثِ عزوشرف ہے کہ میں آپ کی اس محفل میں بصد عجز و نیاز شریک ہو رہا ہوں، اس موقع پر میں چاہوں گا کہ ملتِ اسلامیہ کے ماضی حال اور مستقبل پر ایک طائرانہ نظر ڈالوں۔

ایسا ہی مبارک دن تھا جب سرورِ انبیاء اور خاتم الرسل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاں میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے پیغام کو لیکر اُٹھے جس میں پوری انسانیت کی نجات تھی۔ ہر قسم کے جور و استبداد سے، جس نے انسان کو جہالت اور بُت پرستی کے طوق سے آزادی دلائی تاکہ وہ اللہ کی سرزمین پر خوشگوار زندگی بسر کرے اور احساس شکر و طمانیت کے ساتھ اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کرے۔

اسلام کا ظہور اس وقت ہوا جب عرب نہ سیاسی طور پر منظم تھے، نہ اجتماعی طور پر، نہ ان کی کوئی مملکت تھی اور نہ ہی کوئی اِس پائے کی تہذیب و تمدن جیسی اُن کے پڑوس میں اہل فارس و روم کی تھی۔

لیکن اسلام جلد ہی مشرق و مغرب کی وسعتوں میں پھیل گیا اور اُس نے ان اقوام و ملل کو جو نسلی، لسانی اور تمدنی لحاظ سے قطعاً مختلف تھے، ایک ملت بنا دیا۔ اسلام نے اخلاق، عدلِ اجتماعی فکر، علم، اقتصاد اور عمرانیات کے میدانوں میں عالمِ انسانیت کی عظیم خدمات سرانجام دیں۔ تاریخ دانوں نے یہ راز پالینے کی بڑی کوشش کی کہ یہ نیا دین اور قوت اس سرعت سے کیونکر پھیلا اور اس کی جڑیں ان قوموں میں اتنی گہری کس طرح ہوگئیں جو مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل بھانت بھانت کے عقائد میں بٹے ہوئے تھے، آخرش یہ بات ان پر واضح ہوگئی کہ دینِ مُبین کی اس عالمگیر توسیع کا راز مسلمانوں کے اپنی دینی تعلیمات پر عمل پیرا رہنے اور اخلاق فاضلہ پر متمکن ہونے میں مضمر تھا اور اس بات میں کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد اور قول و فعل میں ہم آہنگی کے لئے باہمی تعاون سے کام لیتے تھے اور آوازہ

حق کو بلند کرنے اور اس کی فتحمندی کے لئے اخوت و بھائی چارے کی فضا میں عمل پیہم سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

پھر وہ دشمنانِ دین آئے جنہیں یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ وہ اسلام کو ایک ایسی قوت کی شکل میں دیکھیں، بنتیجتاً ملی وحدت پارہ پارہ ہوئی، ادبار و انحطاط کی فضا چھائی اور راہیں ہموار ہو گئیں کہ اجنبی استعماری طاقتیں ہماری سرزمین میں داخل ہو جائیں اور ہماری دولت کو منفعت کے لئے استعمال کریں اور ہمارے عوام کو اپنا مطیع فرمان بنالیں۔

مورخین نے اس زوال کے اسباب کی کوشش کی تو ان پر ظاہر ہو گیا کہ یہ براہ راست اور سب سے بڑھ کر نتیجہ ہے مسلمانوں کے اپنے اصولِ دین اور اسلامی تعلیمات سے دور ہونے کا جو ماضی میں ان کی فتح مندی اور ترقی کا سبب بنی تھیں اور جنہوں نے انسانیت کو وہ تمدن عطا کیا جس کی پہلے کبھی کوئی نظیر نہیں ملتی اور آج ہماری اسلامی دنیا میں بیداری کی ایک ہمہ گیر لہر ہے جس نے ہم پر لازم کر دیا ہے کہ اسے جاری و ساری رکھنے کے لئے ہم مستقل کوشاں رہیں اور اس سبق کو سامنے رکھیں جو تاریخ نے ہمیں دیا ہے تاکہ ہم اس بیداری کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھ سکیں، اس راستے پر جو ہمارے دینِ حنیف کا راستہ ہے اور اس طرح ہماری مسلم قوم جسے عزت اور طاقت کے تمام وسائل میسر ہیں۔ ایک ایسی ملت بن جائے جس کا اقوامِ عالم میں اپنا وزن ہو، وقار ہو اور وہ امنِ عالم کے قیام اور مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان مفید تعاون کی فضا پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک بھرپور کردار ادا کر سکے۔

ہمیں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اس حدیث پاک سے رہنمائی ملتی ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں کہ جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے، میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت" اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم باہمی اختلافات پر قابو پالیں اور اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے خود کو فارغ کر دیں اور اس طرح ایک ناقابلِ شکست طاقت بن جائیں۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے وہ رسول جن کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے کہ "وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا" آپ نے فرمایا، کہ "اگر روئے زمین کا ہر فرد امتِ مسلمہ کے خلاف متحد ہو کر مسلمانوں کو زیرنگیں کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس وقت تک ایسا نہیں کر سکتا، جب تک خود مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی ہلاکت کے درپے

نہ ہوں، ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ نہ ہوں، ایک دوسرے کو قیدی بنانے پر نہ تلے ہوئے ہوں۔

اس موقع پر جب کہ میں اس سرزمین پر ہوں جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی اور جو اسلام کے راستے پر گامزن ہے جس کا کہ میں آج یہاں مشاہدہ کر رہا ہوں، میں مسلمانوں تک وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ وہ ہماری اسلامی تاریخ کو بنظرِ غائر دیکھیں اور مذکورہ بالا دونوں احادیث شریف اپنے سامنے رکھیں تاکہ ہم اسلام کی اس مبارک نشاۃِ ثانیہ کو صحیح نہج پر لے کر آگے بڑھ سکیں، اسلام کے روشن راستے پر اور اس کی لازوال سرمدی تعلیمات کی روشنی میں اور ان کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بہترین نمونہ ہے اور ایک عمدہ مثال ہے۔

اس تقریر کے اختتام پر میں یہ کہنا نہیں بھولوں گا کہ میں اس حکمتِ عملی کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہوں۔ جس پر پاکستان آج اپنے عظیم صدر عزت مآب جناب محمد ضیاء الحق کی قیادت میں کاربند ہے۔ اور جس کے تحت پاکستان کے عوام شریعت اسلامی کی راہ پر گامزن ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں اس موقع پر، پاکستان نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم کو جس بھرپور اور مسلسل طریقے سے اپنا قیمتی تعاون اور اعانت بہم پہنچائی ہے اس کے لئے صدرِ پاکستان، حکومت اور عوام کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ وہ تعاون اور اعانت ہے جس نے اس تنظیم کو فعال بنانے میں مدد دی ہے اور جس کی بدولت وہ آج حقیقی اسلامی یکجہتی، سچی اخوت اور امتِ مسلمہ کی عزت و وقار اور طاقت کے لئے نتیجہ خیز تعاون کے اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مصروفِ عمل ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے مقاصد اور عزائم کی تکمیل بیت المقدس کی مکمل آزادی کے بعد ہی ممکن ہے وہ سرزمین جو تمام مسلمانانِ عالم کی میراث ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور اسی طرح فلسطین کی مقدس سرزمین اور تمام مقبوضہ عرب علاقے کی آزادی کا معاملہ ہے۔ جب تک ہم اپنے اس بنیادی مقصد کو حاصل نہیں کر لیتے اس وقت تک ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے امتِ مسلمہ کے حقوق، ناموس اور اقوام عالم میں اس کے وقار کی پاسداری کا حق ادا نہیں کیا۔

اللہ عزوجل ہماری آرزوؤں کو تکمیل تک پہنچائے اور ہمیں اس جادۂ مستقیم پر سدا گامزن رکھے جو بھائی چارے تعاون اور اسلام کی عزت و وقار کی خاطر جہاد کا راستہ ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین

خطبہ افتتاحیہ

★ عالی مرتبت جنرل محمد ضیاء الحق

وزیر مذہبی امور الحاج محمد عباس خان عباسی صاحب
سیکرٹری جنرل اسلامک کانفرنس عالی مرتبت جناب حبیب شطی صاحب
عُلمائے کرام، مشائخ عظام، دانشورانِ اسلام

اور

معززین خواتین و حضرات!

السلام علیکم

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے آج اس بابرکت تقریب میں شرکت کی توفیق عطا کی اور ایک اہم موقع فراہم کیا کہ ہم سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف ذکر کرکے ثوابِ دارین حاصل کریں بلکہ اپنے کردار اور اعمال کے لئے بھی کچھ سمیٹ لیں، کسی خادمِ اسلام اور عاشقِ رسولؐ کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوگا کہ وہ ایسی مجالس میں شریک ہو جس کا واحد مقصد ذکرِ رسول اور ان کی حیاتِ طیبہ سے استفادہ کرنا ہو۔

★ صدرِ پاکستان

میں سمجھتا ہوں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ابدی معلومات کا ایک بصیرت افروز خزینہ ہے جس کا متواتر مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس کے مندرجات کو عام کرنا چاہیئے اور اسے اپنی عملی زندگی کی بنیاد بنانا چاہیئے۔ اس سلسلے میں اپنی اپنی جگہ ہم سب پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔
لیکن میرے خیال میں سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے دینی دانشوروں اور تاریخی محققوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ہمیں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے میں مدد دیں۔ چنانچہ حکومت نے سیرت پر لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے آج سے چار سال قبل کتب سیرت کے ایک قومی مقابلے کا اعلان کیا تھا جسے علمی اور دینی حلقوں میں پسند کیا گیا۔ اب ماشاءاللہ سیرت طیبہ پر اچھی اچھی کتابیں منظر عام پر آنے لگی ہیں، جیسا کہ آپ نے ابھی ابھی سنا اس سال کتب سیرت کے چوتھے مقابلے میں ۳۲ کتابیں موصول ہوئیں جن میں چار بہترین کتابوں پر ابھی انعام دیئے گئے ہیں۔ میں ان کتابوں کے مصنفین کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور دوسرے دانش وروں اور قلمکاروں کو بھی آگے بڑھنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جہاں سیرت نبی ؐ کے کئی اہم پہلوؤں پر کئی مستند کتابوں کی ضرورت ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا اس پر کام بھی ہو رہا ہے، وہاں میرے خیال میں جس چیز پر خاص توجہ کی ضرورت ہے وہ ہے بچوں کے لئے سلیس، دلچسپ، جاذب نظر اور سہل کتابوں کی۔ جن کی مدد سے سلسلہ وار کتب مختلف تعلیم کے درجات کے لئے اسکولوں میں پڑھائی جا سکیں اور یہ لائبریریوں میں موجود ہوں۔ دکانوں پر میسر ہوں۔ مجھے امید ہے کہ رسول اکرم کے شیدائی قلمکار اور اساتذہ اس طرف بھی توجہ دیں گے۔ وزارت مذہبی امور اور وزارت تعلیم ہر سال اس سلسلے میں بھی ایسی کتابوں کے مقابلے کا اہتمام کر کے بہترین کتاب کے مصنف کو معقول انعام دے گی۔ اس مقابلے کا اعلان بھی اگلے سال سے ۱۲ ربیع الاول کو ہوگا۔ اس سال جو کتابیں چنی گئی ہیں، ان کے علاوہ، نقوش کے رسولؐ نمبر پر بھی انعام دیا گیا ہے۔ یہ نقوش کے لئے ایک خصوصی انعام تھا جو مدیر نقوش جناب محمد طفیل کی کوششوں کے اعتراف میں دیا گیا ہے۔ ماہرین کی نظر میں جیسا کہ آپ نے ابھی سنا ان کے شائع کردہ رسولؐ نمبر کی چار جلدیں ادب سیرت میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ میں اس کارنامے پر جناب طفیل صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے منصوبے کے مطابق رسولؐ نمبر کی دس ضخیم جلدیں چھاپنے میں کامیاب ہو جائیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ پچھلے سال اس موقع پر اسی ہال سے میں نے کتب سیرت کے ایک عالمی مقابلے کا بھی اعلان کیا تھا جس کا ذکر ابھی آپ نے جناب وزیر موصوف سے سُنا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ اس سلسلے میں بہت حوصلہ افزا پیش رفت ہوئی ہے اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے دانشور اور محقق اس میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس طرح ہماری ان کوششوں سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں مطالعہ سیرت کو فروغ حاصل ہو گا اور فہم سیرت میں مدد ملے گی جو سب مسلمانوں کا مقصدِ حیات ہے۔

آج کی یہ محفل ذکرِ رسول ؐ کے لئے ترتیب دی گئی ہے جیسا کہ آپ کو علم ہے، ذکرِ رسول آسان بھی ہے اور مشکل بھی، آسان اس لئے کہ اگر ایک بندہ اپنے آقا اور اس کے رسول ؐ کی یاد میں ایک لفظ بھی کہے تو یہ عبادت شمار ہو گی لیکن اگر ایک شخص خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور ان کی تعلیمات بیان کرنا چاہے تو اس کے تمام تر علم دانش اور زبان دانی کے باوجود اسے اپنا بیان تشنہ اور نامکمل لگے گا اور جب بولنے والا مجھ جیسا گنہگار ہو تو معاملہ اور دشوار ہو جاتا ہے لہٰذا میرے خیالات ادھورے اور الفاظ تشنہ لیکن یہاں مقصد شعلہ بیانی نہیں، اظہارِ عقیدت ہے اور زندگی کی راہ کو روشن کرنا ہے۔

خواتین و حضرات!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس سال کی سیرت کانفرنس کا موضوع ہے "رسول پاک بطور مظہرِ تکمیل نبوت" میرے خیال میں یہ موضوع نہ صرف ہمارے عقیدے کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ عصرِ حاضر کی اہم ضرورت کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ موضوع اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ روزِ آفرینش سے مختلف انبیا کے ذریعے وقتاً فوقتاً جو الہامی ہدایت بنی نوع انسان تک پہنچتی رہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نکتہ تکمیل ہیں، یعنی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ تو کوئی پیغمبر آئے گا اور نہ ہی رشد و ہدایت کا کوئی نیا سلسلہ جاری ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سامنے دنیا کا مکمل ترین اور کامل ترین ضابطہ حیات موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے ہم کسی اور ضابطۂ حیات یا نظریہ کے محتاج نہیں ہیں۔

علامہ اقبال نے اس کی توضیح یوں کی ہے : اور مجھے اس توضیح سے کلی اتفاق ہے ، کہ سلسلۂ وحی منقطع ہونے کا مطلب یہ واضح اعتراف یا اعلان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انسانیت بلوغت کو پہنچ گئی۔ نبی آخر الزمان پر رشد و ہدایت کی تمام منزلیں ختم ہو گئیں۔ اب روزِ قیامت تک راہنمائی کا کوئی ذریعہ ہے تو صرف قرآن و سنت اور ان کی روشنی میں اجماع و اجتہاد کا راستہ ہے

ختم نبوت کے سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ایسا موضوع اور عقیدہ ہے جس پر تمام عالم اسلام میں جوش و خروش پایا جاتا ہے لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں بعض اوقات کوئی نہ کوئی شوشہ اس عقیدے کے خلاف اٹھتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان میں تحریک ختم نبوت کے بڑے جیالے اور جید کارکن اور عالم موجود ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں جنوبی افریقہ میں ایک فتنہ اٹھنے والا تھا مگر اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان کے ایک غیر سرکاری وفد نے بروقت اور نہایت خوش اسلوبی سے اس مہم کے آغاز میں وہاں جا کر بڑی نمایاں کامیابی حاصل کی، میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی کامیابیوں سے ہمکنار کرے، میں یہاں اب یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ ذکرِ رسولؐ اور سیرت نبیؐ کے مطالعہ کا مدعا ہم میں کچھ بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ثواب تو ہے، اہم ثواب، مگر اصل مدعا نقشۂ زندگی بدلنا ہے، اصل مقصد مذہب کا پیغام نہیں نظامِ حیات کا پیغام ہے جناب نعیم صدیقی اپنی کتاب محسنِ انسانیت، میں لکھتے ہیں۔

محسن انسانیتؐ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ صعوبتیں سہیں اور پھر انسان کو پورے کے پورے انسان کو اندر سے بدل دیا۔ حضورؐ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس دعوتِ حق نے پورے کے پورے اجتماعی انسان کو اندر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے بازار تک مدرسے سے عدالت تک گھر سے میدان جنگ تک چھا گیا۔

ذہن بدل گئے، خیالات بدل گئے نگاہ کا زاویہ بدل گیا، عادات و اطوار بدل گئے، حقوق و فرائض کی تقسیمیں بدل گئیں، خیر و شر کے معیارات اور حلال و حرام کے پیمانے بدل گئے، اخلاقی قدریں بدل گئیں، دستور اور قانون بدل گیا۔ معیشت اور ازدواج کے اطوار بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ گئی۔

اس پوری کی پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ درحقیقت محسنِ انسانیت کے ہاتھوں انسانی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے نشاۃ ثانیہ عطا کی اور حضورؐ نے ایک نظامِ حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دورِ تاریخ کا افتتاح فرمایا۔

محسن انسانیتؐ کی مقدس تحریک نے انقلاب لاکر جو نظامِ زندگی قائم کیا۔ اس کی امتیازی شان یہ تھی کہ اساسی کلمہ کی روح زندگی کے تمام شعبوں میں یکساں سرایت کئے ہوئے تھی، جس خدا کی عبادت مسجد کی چار دیواری میں ہوتی اسی کی اطاعت کھیت اور بازار میں بھی ہوتی، جو قرآن نماز میں پڑھا جاتا اسی قرآن کے قانون کے ذریعے عدالت میں معاملات کے فیصلے ہوتے تھے جن صداقتوں کی تعلیم منبر سے دی جاتی تھی انہی صداقتوں پر حکومت کا نظم و نسق چلتا تھا۔

یہ ایک ایسا نظام تھا جس میں پوری انسانی زندگی ایک ہی خدائی ضابطہ ہدایت کے تحت تھی، اس نظام میں تضاد نہ تھا، اس کے مختلف عناصر میں الجھاؤ نہ تھا۔ اس میں کوئی پیوندکاری نہیں کی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تحت انسان نے جس قدر اور جس رفتار سے ترقی کی اس کی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

محسنِ انسانیتؐ نے جو انقلاب برپا کیا اس کی رُوح تشدد کی روح نہ تھی۔ محبت اور خیرخواہی کی رُوح تھی۔

نرمیٔ طبیعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی طبیعت کے متعلق بہت سی روایات ہیں اور بہت سی احادیث ہیں، ایک مرتبہ سرور عالم سے ایک بدوی قرض خواہ مطالبہ کرنے آیا۔ اپنے مزاج کے مطابق کچھ تیزی سے بات کی، رفقاءِ نبوت کو کچھ یہ چیز موزوں نظر نہ آئی، انہوں نے بدو کو کچھ کہنے کی کوشش کی تو رسول اکرمؐ نے منع فرمایا، کیونکہ یہ بدو کہہ رہا تھا کہ میں تو اپنا حق طلب کرنے کے لئے آیا ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا اس کا حق اسے واپس کر دیجئے اور اس کے علاوہ بھی کچھ عنایت فرمایئے۔

یہ تھا رسولِ اکرمؐ کی نرمیٔ طبیعت کا ایک جائزہ۔

آپؐ نے زید بن سعنہ کا واقعہ سنا ہوگا، یہ یہودی عالم تھے اور نہایت دیانت داری سے محسنِ انسانیتؐ کے دعویٰ نبوت کا جائزہ لے رہے تھے، ان کا اپنا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بہت دور دراز سے ایک بدو حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے گزارش کی کہ حضور میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو یہ کہا تھا کہ اگر مسلمان بن جاؤ تو اللہ کی بہت سی عنایات ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا لیکن اللہ کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ قحط پڑ گیا، لوگ فاقوں مر رہے ہیں اور میری نظر کے مطابق اسلام پر حرف آنے کا خدشہ ہے، مدد فرمایئے کچھ مجھے نان و نفقہ کے لئے دیجئے تاکہ میں ان لوگوں تک پہنچا دوں۔ حضور اکرم نے اس چیز کی طرف سوچا، حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی طرف مخاطب ہوئے، لیکن ان کے پاس کچھ چیز نہ تھی۔ پھر زید بن سعنہ خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس کچھ سونا تھا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ یہ سونا آپؐ مجھ سے لے لیجئے، اس سونے کے عوض کھجوریں خرید لیں اور یہ کھجوریں اس بدو کو دیجئے تاکہ یہ اپنے لوگوں کو جا کر دے تاکہ اسلام کے نام پر کوئی حرف نہ آئے اور آپؐ بعد میں مجھے یہ قرض واپس کر دیجئے۔ رسول اکرمؐ نے اس چیز کو سراہا، سونا لیا، کھجوریں خریدیں بدو کو روانہ کیا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی یہ مشکل دور ہوئی۔ لیکن زید نے جب قرض کی مدت سے کچھ قبل حضور اکرمؐ سے احتجاج کیا کہ میری رقم واپس کیجئے اور انہوں نے اس سختی سے کہا کہ حضرت عمرؓ کو غصہ آیا، اور وہ کہنے ہی والے تھے کہ زید! تم نے جس گستاخی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ہے، میرا دل چاہ رہا ہے کہ تیرا سر قلم کر دوں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور زید کا سونا اور رقم اس کو لوٹا دی اور اس سے زیادہ رقم واپس کی، زید بن سعنہ جو کہ رسول اکرمؐ کے دعویٰ نبوت کا جائزہ لے رہے تھے مسلمان ہوئے اور اسلام کی صفوں میں ایک ایسے شخص کا اضافہ ہوا۔ جس کی تاریخ آئندہ گواہ رہے گی۔ محققین، مورخین لکھتے ہیں کہ انسان کی زندگی کا یہ انقلاب ہمیشہ قائم رہے گا، اسلام کا نظریۂ حیات ابدی ہے۔ یہ حال اور مستقبل میں انشاء اللہ پھر چمکے گا۔ کیونکہ یہ ابدی نظام ہے۔ اس نظام کی خاطر جو صعوبتیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہی ہیں وہ ہم سب کے سامنے ہیں اور یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دینِ حق ہم تک پہنچا چودہ سو سال کی کوششوں کے بعد برصغیر ہند و پاکستان، پاکستان تو اس وقت نہیں تھا برصغیر کے ہندوستانی مسلمانوں نے یہ تہیّہ کیا کہ ہمیں ایک ایسی جگہ چاہیئے، جہاں پر ہم اپنی زندگی اسلام کے

مطابق گزار سکیں ۔ ایک تحریک چلی، لوگ اسے سیاسی تحریک کہنے لگے ۔ لوگوں نے اسے مذہبی تحریک کہا، لیکن ایک تحریک ضرور چلی اور اسی تحریک کے ذریعے سے مسلمانانِ ہند ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے پھر نعرہ بلند ہوا، پاکستان کا مطلب کیا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللّٰہ مُحمّد رسول اللّٰہ، پھر لوگوں نے قربانیاں دیں چودہ سو سال پہلے رسول اکرم ؐ کے زمانے میں رسول اکرمؐ اور صحابہؓ نے ہجرت کی تو وہ مدینہ منورہ میں پہنچے اور وہاں دینِ اسلام کی پہلی مملکت قائم ہوئی ۔ ہم نے بھی ہجرت کی، یہاں کے رہنے والے لوگوں نے انصار کا کردار بھی ادا کیا ۔ لیکن پینتیس سال گزر جانے کے بعد اسلامی مملکت ابھی تک نہیں بنی، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں جھنجھوڑا ہے، کہا کہ مسلمانو! اگر تم نے یہ مملکت اسلام کے نام پر لی تھی تو جاگو ابھی بھی وقت ہے ورنہ جو قومیں اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہوتیں جو قومیں اپنی آزادی کی طرف توجہ نہیں دیتیں جو قومیں اپنی زندگی کے معاشرے اور نظریہ زندگی سے منحرف ہو جاتی ہیں وہ ختم ہو جاتی ہیں ۔ لیکن چودہ سو سال کے بعد دینِ اسلام کی طرف نہ صرف پاکستان میں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں جدوجہد جاری ہے ۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہے ۔ یہ اسلام کی دوبارہ ہمہ گیر مہم ہے ۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ ہم اپنی اپنی جگہ، اپنے اپنے مقام پر اس مہم کو چلانے میں کامیاب ہوں گے ۔ جیسا کہ حبیب شطی صاحب نے فرمایا کہ ہمارے پاس اس وقت دو چیزیں ہیں رسول اکرم ؐ کی ۔ انہوں نے دو احادیث آپ کے سامنے پیش کیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے ہمارے پاس ایسی دو چیزیں چھوڑی ہیں جن کے علاوہ ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں، قرآن پاک اور رسول اللہ ؐ کی سُنّت ۔

اگر ہم دونوں چیزوں کی طرف توجہ دیں اور اپنی زندگی اس کے معنی میں سنواریں تو پھر ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ۔ محمد حسنین ہیکل اپنی کتاب میں جو عربی کی کتاب ہے اور جس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے، فرماتے ہیں کہ اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اندر مذہبیت نہیں ہے، اس کے اندر دینیت ہے اور سب سے اہم فرق جو مغربی تہذیب اور اسلام کی تہذیب میں ہے وہ صرف یہ ہے کہ اسلام پورا نظام حیات آپ کے سامنے رکھتا ہے ۔ اس کے اندر سیاست بھی ہے، تعلیم بھی ہے اس کے اندر تجارت بھی ہے ۔ اس کے اندر معیشت بھی ہے کیونکہ ہماری زندگی کا اصول جو ہے وہ ایک ذریعہ حیات ہے ۔

اس ذریعۂ حیات کو اپنایئے۔ اس میں قرآن کے تمام واضح ارشادات ہیں۔ رسول اکرمؐ نے اسے کر کے دکھایا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم اپنے نظریے سے کچھ بچھڑ گئے۔ لہٰذا ہماری یہ کوشش ہے اور میں آپ کے توسط سے جناب حبیب شبلی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمیں ایک ایسے راستے کی طرف متوجہ کیا ہے جس کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ عالم اسلام اس وقت تفریق میں ہے۔ عالم اسلام میں اس وقت جذبۂ اسلام تو ہے لیکن اتحاد کی کمی ہے۔ لیکن ہم ایک ایک اینٹ رکھ کر انشاء اللہ عمارت کو بنائیں گے۔ ایک اینٹ پاکستان کی۔ یہ اینٹ ایسی بھٹی میں سے نکلی ہوئی ہے اور ایسی پیسی ہوئی اینٹ ہے کہ بہت بڑا وزن سہارنے کے قابل ہے۔ دعا کیجئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اس اینٹ کو ایک ایسی جگہ لگانے کی توفیق عطا فرمائے کہ اس کے اوپر پھر اسلام کی صحیح عمارت قائم رہے اور اسی سلسلے میں ہم پچھلے چند سالوں سے پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لئے جو کوشش کر رہے ہیں اس کے لئے قرآن وسنّت سے رہنمائی حاصل کی جا رہی ہے لیکن دورِ حاضر کے بعض مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں جیسا کہ میں نے ابھی آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ اجماع اور اجتہاد کی اشد ضرورت ہے۔ یہ میں نے آپ کے سامنے صرف ایک مسئلہ اُٹھایا ہے ایسے کئی اور بہت سے مسائل ہیں جن کے متعلق ہمیں علماء کرام محققین اور مؤرخین کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

مجھے یہاں ان تمام اقدامات کو دہرانے کی ضرورت نہیں جو ہم نفاذِ اسلام کے سلسلے میں اب تک کر چکے ہیں۔ لیکن چند ایک کی نشاندہی شاید بے محل نہ ہوگی، آپ کو یاد ہوگا کہ آج سے چار سال پہلے اسی ہال میں میں نے اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا تھا اور ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو اسلامی حدود کے قوانین نافذ کئے گئے تھے اس کے بعد ۱۲ فروری ۱۹۷۹ کو قانون زکوٰۃ وعشر کا مسودہ رائے عامہ کے لئے مشتہر کیا گیا تھا اور اسی سال ۲۰ جون کو قانونِ زکوٰۃ نافذ کیا گیا جس کے تحت نظامِ زکوٰۃ کا ایک وسیع ڈھانچہ معرضِ وجود میں آیا۔ موجودہ فصلِ ربیع سے عشر کا نفاذ بھی ہونے والا ہے، اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہم اب تک ۲۳۵ کروڑ روپے کی خطیر رقم بیواؤں، یتیموں اور ناداروں میں تقسیم کر چکے ہیں، عشر کے نفاذ کے بعد اس رقم میں انشاء اللہ مزید اضافہ ہوگا جس سے مزید مستحقین کی مالی امداد کی جا سکے گی۔ لیکن سوچنے کا امر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون نافذ کیا ہے اس پر ہم عمل کر رہے ہیں لیکن سوچنے کا امر یہ بھی ہے کہ ایک اسلامی مملکت کے اندر کیا ایک غریب اتنا ہی غریب رہے گا

کہ صرف حکومت کی جبری کاٹی ہوئی زکوٰۃ پر اس کا گزر ہو؟ کیا اس اسلامی مملکت کے اندر امیر اور غریب میں فرق اتنا ہوگا کہ ایک غریب کو تو دو وقت کی روٹی کے لئے لالے پڑے ہوئے ہیں اور کہیں لوگوں کے پاس اتنی خطیر رقم ہو کہ انہیں اتنا بھی علم نہ ہو کہ ان کے پاس کتنی رقم ہے۔ کیا بیواؤں کے لئے صرف انسان کی یہ حقیر سی خدمت رہ گئی ہے۔ ایک اسلامی معاشرے کے اندر جہاں ۸۴ ملین، ساڑھے ۸ کروڑ عوام ہوں، اس سلسلے میں ہم نے کچھ اقدامات کئے ہیں، لیکن میں علمائے کرام سے گزارش کروں گا کہ ہماری رہنمائی فرمائیں، کیونکہ اسلام ایک ایسا دین ہے، جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، یہ ابدی ہے اور اگر اس کو ہمیشہ کے لئے رہنا ہے تو اس کے اندر جاذبیت، اتنی لچک اور اسے اتنا مضبوط ہونا چاہیئے کہ تمام گردونواح کے لوگ اس کے اندر آ کر سما جائیں۔ آپ سوچئے کہ کیا ہمیشہ زکوٰۃ کی رقم سے غربا کی پرورش ہوتی رہے گی یا ایک اسلامی فلاحی مملکت کو ایسا ہونا چاہیئے کہ جس کے اندر غربا کو تلاش کرنے کی ضرورت ہو، میں اسی سلسلے میں آپ حضرات کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ ہم نے قومی معیشت کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کی جانب بھی قابلِ ذکر پیش رفت کی ہے کئی بڑے بڑے مالی ادارے جن کا علم آپ کو بھی ہے اس میں سے ہم نے قومی سرمایہ کاری کے ٹرسٹ کو سودی کاروبار سے پاک کر دیا ہے۔ اور اب ان میں شراکت کی بنیاد پر کاروبار ہو رہا ہے۔ اس طرح قومی تحویل میں چلنے والے تمام بنکوں میں سود سے پاک نفع ونقصان کی بنیاد پر کھاتے کھولے گئے ہیں اور آپ کو یہ سن کر یقین نہیں ہوگا کہ ایک ہی گھاٹ پر بھیڑ اور بھیڑیا دونوں پانی پی رہے ہیں۔ ایک کھڑکی کے اندر آپ بلاسود بنکاری کیجئے اور ساتھ والی کھڑکی کے اندر آپ اپنی رقم جمع کرا رہے ہیں کہ اس پر آپ کو منافع ملے لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے اس وقت تقریباً چھ ہزار کروڑ روپیہ پاکستان کے بنکوں میں لوگوں کا جمع ہے، اس کا ⅕ حصہ بارہ سو کروڑ روپے اس وقت لوگوں نے بلاسود بنکاری میں جمع کرائے۔ آپ یقین جانیئے پانچوں میں سے ایک تو مسلمان ہوگا، چار اس سے باہر ہیں کیونکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں، نہ ہمیں آپ کا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظر دی ہے، دماغ دیا ہے، کان دیئے ہیں، آنکھیں دی ہیں اور رسولِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کے اندر ذکر کیا ہے۔ پھر اگر آپ کے سامنے ایک کالا اور ایک سفید ہو اور اگر آپ کالے پر ہاتھ رکھیں تو نہ اللہ تعالیٰ کا قصور ہے (نعوذ باللہ) نہ حکومت کا قصور ہے۔ پھر آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کا قیام حکومت کی ذمہ داری ہے۔ میں نے آپ کو ایک چھوٹی

سی مثال دی ہے۔ بارہ سو کروڑ روپیہ کی رقم اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی افادیت سے استعمال ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں اور کامیابی عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ مضاربہ اور مشارکہ طرز پر بھی ادارے قائم ہو رہے ہیں اور اس ضمن میں کچھ مزید تجاویز اور تدابیر زیر غور ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم رفتہ رفتہ سود کی لعنت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ کئی اسلامی قوانین بھی حکومت کے زیر غور ہیں۔ جس میں قانون شفعہ اور قانون قصاص اور دیت قانون شہادت اور قاضی کورٹس کے قیام کا قانون خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مروجہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کا کام بھی جاری ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ نفاذ اسلام کا جو اہم پہلو ہے، نہ صرف رفاہی پہلو ہے بلکہ وہ نظام عدل بھی ہے اس کے اندر بھی سراسر اسلامی جھلک آنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں جو ادارے حکومت کی مدد کر رہے ہیں۔ میں انہیں دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ وہ داد تحسین یا تشہیر سے بے نیاز ہو کر حسب سابق حکومت کی رہنمائی اور مدد کرتے رہیں گے۔ ان اداروں میں وزارت خزانہ، وزارت مذہبی امور، اسلامی نظریاتی کونسل، مجلس شوریٰ کی خصوصی کمیٹی، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور وفاقی شرعی عدالت خاص طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس قابل بنائے گا کہ وہ اس کام میں اور عشق پیدا کریں۔

قوانین کے سلسلے میں بنیادی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اسلام نے معاشرے کی ترقی اور تحفظ کے لیئے دو طرح کے قوانین دیئے ہیں۔ ایک رفاہی اور دوسرے تعزیراتی، دونوں کے اطلاق میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ہماری توجہ دونوں قسم کے قوانین کی طرف ہے لیکن پچھلے دو تین سالوں میں ہم نے اسلام کے رفاہی پہلوؤں پر زیادہ عمل کیا ہے اور اس کے تادیبی یا تعزیراتی پہلوؤں پر عمل کی رفتار نسبتاً سست رہی ہے جو لوگ "قطع ید" میں تاخیر کو ہدف بناتے ہیں ان کی خدمت میں بھی عرض کروں گا کہ آپ زکوٰۃ کی طرف بھی تو دیکھیں۔ ۲۳۵ کروڑ روپے کی طرف بھی دیکھیئے جو بارہ سو کروڑ روپے، آپ نے بلاسود بنیکاری میں جمع کیئے ہیں، اس کی طرف بھی دیکھیئے اور ان کے فوائد کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ مجھے ان ترجیحات پر کوئی شک و شبہ نہیں جو غور طلب بات ہے وہ یہ کہ یہ ٹھیک ہے کہ آج کل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسجدیں آباد ہو گئیں، احترام رمضان بھی بڑھ گیا نظام زکوٰۃ قائم ہو گیا ہے۔

اسلامی حدود نافذ ہو گئی ہیں لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ معاشرے میں اب بھی چوری چکاری، رشوت خوری اقربا پروری، ظلم و ناانصافی ۔ بددیانتی اور بدعنوانی جیسی لعنتیں موجود ہیں، مجھے اعتراف کہ اسلامی معاشرے میں ایسی غلطیاں نہیں ہونی چاہئیں، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے نام پر ایک آزاد و خود مختار مملکت قائم کرنے کے باوجود اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ یہ پچھلے پانچ سالوں میں پہلی مرتبہ اس طرف دھیان دیا گیا ہے اور چند بنیادی اور ٹھوس اقدامات کئے گئے ہیں۔ جو اپنی جگہ مفید ہونے کے باوجود بہت ناکافی ہیں۔ ہم نے خال ہی میں جس سفر کی ابتدا کی ہے اس کی منزل ابھی خاصی دور ہے جس کے لئے مسلسل محنت اور لگن کی ضرورت ہے۔ مثلاً آپ پوچھیں گے کہ وہ کونسا قانون ہے جو یہ کہے گا کہ پڑوسی کی طرف دیکھئے کہ آیا اس کو دو وقت کی روٹی ملی ہے یا کہ نہیں؟ وہ کون سا قانون آپ بنائیں گے جو کہے گا کہ باپ کی اور ماں کی عزت کیجئے۔ قرآن میں درج ہے۔ وہ کون سا قانون ہے جو یہ کہے گا کہ استاد کی عزت کیجئے، استاد سے کہے گا کہ شاگرد پر شفقت کیجئے۔ وہ کون سا قانون ہے جو کہے گا کہ سچ بولیے، جھوٹی گواہی مت دیجئے، وہ کون سا قانون ہے جو کہے گا کہ آپ اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کیجئے۔ وہ کون سا قانون ہے جو آپ سے کہے گا کہ آپ نے جو قرض لیا ہے اس کو لوٹائیے۔ آپ محبت سے پیش آئیے۔ یہ اسلامی معاشرہ ہے، اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اخلاق کو بہت اہمیت دی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں میں انشاء اللہ ایک دو روز کے بعد قوم سے خطاب کروں گا۔ اس کے اندر بہت سی چیزوں کا ذکر کروں گا۔ جو کہ اس دفعہ میرے بیرونی دورے کے دوران مشاہدے میں آئی ہیں لیکن میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے ایسی ایسی جگہ تقاریر کی ہیں، جہاں پر لوگوں کو اسلام کا نام لینا تو کیا، اسلام کا ذکر تک پسند نہیں، لیکن کچھ قرآن کی آیات کی برکت، کچھ رسول مقبولؐ کی محبت لوگوں کے اندر اتنی جاذب ہوئی کہ لوگوں نے نہایت محبت اور شفقت سے سنا۔ اور اسلام کی خاطر وہ لوگ اتنی کوشش کر رہے ہیں کہ اگر یہی کوشش تمام ممالک کے اندر جاری رہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام دنیا کا اہم ترین نظام حیات قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن ان قوانین کا جن کا کہ ابھی میں نے ذکر کیا ہے وہ قوانین بن نہیں سکتے، یہ اخلاق کی اقدار ہیں اور اخلاق کی اقدار جو میں مختلف جگہوں پر کہتا آ رہا ہوں اور آج آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ گھر سے شروع ہوتی ہیں، مدرسے سے شروع ہوتی

ہیں اور گھر کی اقدار کی ذمہ دار خواتین ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باپ کی ذمہ داری بھی ہے بھائی کی بھی ذمہ داری ہے، باقی گھر والوں کی بھی ذمہ داری ہے۔ لیکن جو طریقہ کار یا جاذبیت یا اہتمام خاتونِ خانہ کر سکتی ہے اور جس طریقے سے اخلاقی اقدار کو وہ ابھار سکتی ہے وہ کوئی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں آپ سے ماؤں، بہنوں، بیٹیوں سے التجا کروں گا کہ للہ سب سے پہلے اپنے گھر کے اندر اسلام نافذ کریں، پھر باہر محلے کی طرف نظر ڈالیئے، اگر گھر کے اندر اسلام قائم ہو گا تو آپ یقیناً جانیں گے کہ معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی۔ مجھے امید ہے کہ ہم اس کی طرف ضرور توجہ دیں گے۔ للہٰذا میرے خیال میں اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ اخلاقیات اور قوانین دونوں محاذوں پر بیک وقت کام ہونا چاہیئے۔ ان دونوں میں سے قوانین بنانا اور انہیں نافذ کرنا نسبتاً آسان ہے لیکن اصلاحِ اخلاق کا جہاد نسبتاً کہیں زیادہ مشکل اور وقت طلب ہے۔ اس لئے ہم نے اسلامی قوانین پر زور دینے کے ساتھ ساتھ اصلاحِ اخلاق کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے کہ حکومت سے کہیں زیادہ ذمہ داری علماء کرام، مشائخ حضرات، دینی مدرسوں، با اثر اور با کردار شخصیتوں پر عائد ہوتی ہے اور اہلِ خانہ پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کام قانون کی طرف سے نہیں، تلقین، ترغیب، عبادات اور اخلاقیات سے ہی ممکن ہے۔ اس اصلاح کا اصل سرچشمہ تزکیہ نفس اور تقویٰ ہے۔ اگر اس کے ذریعے ہم حلال اور حرام، اچھائی اور برائی، خیر اور شر کی تمیز پیدا کر لیں اور اپنے اندر کے چوکیدار کو جگا لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بددیانتی، بدعنوانی چوری، ڈکیتی اور دیگر سماجی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ اس ضمن میں مجھے رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال یاد آ رہی ہے۔ انہوں نے جب الہامی تعلیمات کے مطابق اصلاح اخلاق کا بیڑہ اٹھایا تو مسلسل جدوجہد کے بعد اہلِ قریش کے دلوں میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ جونہی شراب کی ممانعت کا حکم نازل ہوا جس کے پاس پیالہ تھا اس نے شراب پھینک دی اور جن لوگوں کے یہاں مٹکوں میں شراب محفوظ تھی انہوں نے اسے باہر انڈیل دیا۔ جس کے نتیجے میں مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی یہ تھا قلب و نظر کی بیداری کا نتیجہ۔ ہم رسولِ خدا ؐ کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ لیکن قلب و نظر میں ایک ایسا ہی انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو دعوتِ حق دے رہے ہیں اور ہم اسلام کا نام لینے والوں کو دعوتِ حق دے رہے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ علماء کرام، مشائخ عظام اور اصلاح معاشرہ کے لئے کام کرنے والے ادارے اور افراد یہ تبدیلی لانے کے لئے اپنا تاریخی کردار ادا کریں گے۔ تعلیمی اداروں میں، گھر کے اندر، مساجد میں یہ جہاد ۱۲ ربیع الاوّل کے توسط سے ہی نہیں بلکہ ویسے بھی اسلام کے معاشرے کے لئے اسلام کی اقدار کو اپنانے کے لئے جاری رہنا چاہیئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کا عہد مبارک اس بات کا ثبوت ہیں کہ قرآنی تعلیمات کے مطابق انسانی معاشرے کی تشکیل ممکن ہے اور دور حاضر میں یہ فرض انجام دینا ہم سب کا دینی فریضہ ہے دینی فریضہ ہی نہیں بلکہ قومی ضرورت بھی ہے جس کے لئے جیسا کہ میں نے عرض کیا، جہاد کی سخت ضرورت ہے، غیر اسلامی قدروں کے خلاف جہاد، شیطانی وسوسوں کے خلاف جہاد، سماجی برائیوں کے خلاف جہاد، اور اسلام دشمن عناصر کے خلاف جہاد، کیونکہ اسی جہاد کے ذریعے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی مملکت بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا آج ۱۲ ربیع الاوّل کے مبارک موقع پر اس سیرت کانفرنس کی وساطت سے میں تمام ہموطنوں تک یہی اور صرف یہی پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ ہر قصبے، ہر قریئے ہر مکتب، ہر مدرسے، ہر دفتر اور ہر کارخانے میں، غرضیکہ ہر جگہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کیجئے۔ کیونکہ سیرت رسولؐ کی تبلیغ ہی درحقیقت تبلیغ اسلام ہے۔

وہ دانائے سُبل ختم الرُسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا!
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ صدارت

(اجلاس اوّل)

★ الحاج محمد علی خان آف ہوتی

جناب امتیازی صاحب سیکرٹری مذہبی امور
علمائے کرام، مشائخ عظام، خواتین و حضرات!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'

میرے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ مجھے وزارت مذہبی امور نے آج کی اس پُر وقار اور متبرک تقریب میں شرکت کا موقع فراہم کیا اور یوں مجھے سیرتِ طیبہ پر علمی و تحقیقی مقالات سننے کا موقع میسر آیا، یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ وزارتِ مذہبی امور، سیرتِ طیبہ کی مجالس گزشتہ کئی برسوں سے باقاعدگی سے منعقد کر رہی ہے۔

موضوع کے اعتبار سے آج کے اس اجلاس میں پڑھے جانے والے مقالات نہایت پُر مغز اور معلوماتی تھے، میں ان میں کوئی اضافہ تو کرنا نہیں چاہتا لیکن اس مبارک تقریب کے توسط سے ایک بات کہنے کی جسارت کرتا ہوں جس میں ہماری ترقی اور کامیابی کا راز مضمر ہے اور وہ بات یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی صفوں کو انتشار اور افتراق سے بچانا چاہیئے

★ وفاقی وزیرِ تعلیم حکومت پاکستان اسلام آباد

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یوں تو کامیاب زندگی کے تمام نکات پوشیدہ ہیں لیکن آپ نے سب سے زیادہ زور اتحاد و اتفاق پر دیا ہے اور اسے محض الفاظ کی حد تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اسے اسلامی، معاشرتی زندگی کی اعلیٰ قدر بنانے کے لیے اس کا عقیدۂ توحید سے استخراج کیا اور اپنی حیاتِ طیبہ میں اس کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

یہ بات سب پر عیاں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت اہلِ عرب میں معاشی زندگی کا کوئی تصور نہیں تھا وہ معاشرتی زندگی کے پہلے مرحلے پر قبائل میں منقسم تھے۔ اور اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لئے آپس ہی برسرپیکار رہتے تھے۔ آپ نے انہیں نہ صرف ایمان کی دولت سے مالا مال کیا بلکہ ان کے اندر اتفاق و اتحاد کی قوت پیدا کر کے انہیں شیر و شکر کر دیا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ کے دامنِ تربیت سے فیض حاصل کرنے والے صحابہ کرام نے اس قوت کا کرشمہ صرف ایک ہی نسل میں دیکھ لیا۔ قرآنِ حکیم اس عظیم انقلاب کو نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان کرتا ہے: فرمایا!

اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اس نے تمہیں اس سے بچا دیا۔"

اس اعلیٰ اخلاقی قدر کے متعدد پہلو ہیں جن میں سے ایک پہلو تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے قلتِ تعداد اور ناکافی سامانِ حرب کے باوجود قدیم دنیا کے تینوں براعظموں پر سیاسی اقتدار حاصل کیا اور اس سے بھی زیادہ تابناک پہلو یہ تھا کہ انہوں نے تمام عالم کو نئے تصورات، نئی تہذیب و ثقافت اور اقدار و روایات سے روشناس کیا نیز ماضی کے تمام علوم جو دفن ہو چکے تھے انہیں نکالا، ان کے تراجم کئے اور ان پر اضافے کر کے بہت سے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور نئے علوم مروج کئے جن سے نہ صرف اس دور کے مسلمان اور غیر مسلم متمتع ہوئے بلکہ آج کے دور کا ترقی یافتہ انسان بھی استفادہ کر رہا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر جو احسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت پر کیا وہ ہے، انسان کی روحانی و اخلاقی سربلندی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یا تو انسان کا مقام اتنا گرایا جا چکا تھا، کہ اسے حقیر جانوروں سے بھی کمتر سمجھا جاتا تھا یا پھر اس درجہ تک بڑھایا جا چکا تھا کہ اس کی پرستش کی جاتی تھی، آپ نے اس افراط و تفریط کو ختم کر کے انسان کو اس کا تشخص دیا اور اسے بتایا کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ ساری کائنات اس کے لئے تخلیق کی گئی ہے۔ اس کائنات میں افادہ و فیضان کا جو سلسلہ جاری ہے وہ بھی انسان کے لئے ہے۔ لہٰذا اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے تمام موجوداتِ عالم سے فائدہ اٹھائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم ہے کہ آج کا انسان اوہام و طلسمات کی زنجیروں کو توڑ کر تسخیرِ کائنات کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

آپ کی تعلیمات پر ہر دور اور ہر زمانے میں، ہر قوم، ہر خطے اور ہر علاقے کے لئے ہیں اور اتحاد انسانی کا درس ان میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مسلمان جب تک اتحاد و مساوات اور عدل و انصاف کی اقدار پر عمل پیرا رہے وہ دنیا میں معزز و موقر رہے اور جب انہوں نے ان تعلیمات کو فراموش کر دیا تو زوال ان کا مقدر بن گیا۔ مسلمان حکومتوں اور حکمرانوں کی داستان عروج و زوال کا انحصار ان ہی اقدار و روایات اور تعلیمات پر عمل کرنے یا نہ کرنے پر رہا ہے۔

ہمارا آج کا یہ دور اگرچہ ماضی قریب کے زمانے سے قدرے بہتر ہے لیکن حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم نہ صرف اندرون پاکستان اپنے اندر، اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کریں بلکہ تمام عالم اسلام کو اس وحدت کی رسی میں پرونے کی کوشش کریں، سیرت طیبہ کی محافل برپا کرنے کا یہی مقصد ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو بیان کریں۔ آپ کے تذکرے سے قلب و نظر کو ٹھنڈا کریں اور اپنے اندر اتحاد و اخوت کی روح پیدا کریں۔ اگر اس مقصد میں ہم کامیاب ہو جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ سیرت طیبہ کی محافل و مجالس منعقد کرنے کا مقصد حاصل ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب مصطفےٰ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ صدارت

(اجلاس دوم)

رسول اکرمؐ بحیثیت مظہر ختم نبوت

★ جناب جسٹس شیخ آفتاب حسین

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ (ق ۳۳ : ۴۰)

اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تکمیل رسالت و نبوت ہو چکی ہے اور آئندہ کسی مرسل، رسول یا نبی، تشریعی یا غیر تشریعی کی آمد و بعثت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے

" الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی
(ق ۵ : ۳)

★ چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ پاکستان

اس آیت کریمہ کی تشریح اگر اس حوالہ سے کی جائے کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے جس کا مرجع نزول کوئی خاص قبیلہ قوم یا ملک نہیں ہے تو " لکم دینکم" و "علیکم" کی ضمائر کی مخاطب یوم قیامت تک کی کل مخلوق ہے نہ کہ صرف مسلمان کیونکہ فرمان الٰہی ہے ۔

" وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیراً و

نذیراً ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون"

(ق ۳۴ : ۲۸)

ترجمہ :

اور (اے نبی) ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر آدمی (اس بات کو) نہیں جانتے

اگر اس آیت کریمہ کی وسعت کو مدنظر رکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اکملت لکم دینکم بشارت ہے۔ تکمیل دین اسلام کی ساری دنیا کے لئے اس طرح اگر رسول اللہ خاتم النبیین ہیں تو قرآن خاتم الکتب اور اسلام خاتم الادیان ہے

اخی مکرم و محترم جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن میں

والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک

(ق - ۲ ، ۴)

(اور وہ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہے آپ پر اور جو اتارا گیا ہے آپ سے پہلے) کی تفسیر میں ایک عمدہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اس آیت میں آئندہ کی وحی کا ذکر نہیں ہے۔ " اگر نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو حضور کریم کے بعد بھی وحی نازل ہوتی تو اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا اس صورت میں یہ آیت یوں ہوتی)

نوٹ : قرآن کریم کے حوالوں میں صرف "ق" کے ساتھ سورۃ کا نمبر اور آیت کا نمبر دیا گیا ہے۔

وما انزل قبلک وما ینزل بعدک لیکن میں اس سلسلہ میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ سورۃ البقرہ کی اس آیت کی یہ تعبیر مرہون منت ہے۔ اس قرآنی اعلان کی کہ رسول اللہؐ خاتم النبیین ہیں اور ان کی شریعت خاتم الشرائع ہے ورنہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ تک وحی الٰہی کے تسلسل کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ ہر آنے والا نبی سابقہ نبیوں اور ان کی شرائع کی تصدیق کرے

حدیث میں بھی خاتم النبیینؐ نے نبوت کی عمارت میں خود کو آخری اینٹ سے تشبیہ دی ہے جس سے عمارت کی تکمیل ہو گئی۔ جابرؓ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے (مسلم کتاب الفضائل)

یہ تو ہے اس باب میں قرآن و حدیث کی شہادت جس سے بہتر شہادت ممکن نہیں ہو سکتی اور جس کے بعد مسئلہ کے ثبوت کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن کوتاہ علمی کے باوجود میری یہ کوشش ہے کہ اس اجمال کی تفصیل قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کروں کہ ہزاروں سال نبوت کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد قرآنی فلسفہ کے مطابق اس کے اختتام کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اس کا مختصراً جواب تو اصول ارتقاء ہے یعنی سوسائٹی کی ارتقائی حالت جس میں اولاً یکے بعد دیگرے انبیاء کی بعثت کی ضرورت تھی اور بالآخر انسانیت عقلی نشوونما اور بلوغ کی اس منزل تک پہنچ گئی جب وہ وحی کی کامل ترین صورت کے تحمل کے قابل ہو گئی جس کے بعد ضرورت صرف ایسے قوانین کی تھی جو دائمی ہوں یا ضرورت ایسے رہنما اصولوں کی تھی جن کی بناء پر ہمیشہ زمانہ کے مطابق قانون وضع کئے جا سکیں

اس سلسلہ میں اگر مذاہب سابقہ و اسلام کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو تکمیل دین کی ضرورت کی کماحقہ وضاحت ہو سکتی ہے اس کی اولین مثال انبیاء سابق کی تبلیغ میں معجزوں پر انحصار ہے جس کی کوئی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تبلیغ میں نہیں ملتی۔ انبیاء سابقین کو ترغیب و ترہیب کے لئے تبلیغ کے ساتھ معجزات بطور لازمہ نبوت عطا کئے گئے۔ چنانچہ جب اصحاب الثمود نے نشانی کا مطالبہ کیا تو اُن کو اونٹنی دی گئی حضرت یوسف کو تاویل الاحادیث اور خواب کی تعبیر کا علم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کو عصا اور ید بیضا کے معجزات دیئے گئے۔ بعد کو قوم فرعون پر ٹڈیاں اور چچڑیاں اور مینڈکوں اور خون کا عذاب بھیجا گیا (ق ۷ : ۱۳۳)

بنی اسرائیل کو سرکشی اور نافرمانی سے روکنے کے لئے متعدد معجزے بروئے کار آئے حضرت عیسیٰ نے مردوں کو زندہ کیا۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو مرض سے پاک کیا۔ مٹی کے بنائے ہوئے پرندے کو جاندار بنایا (ق ۳: ۴۹)

لیکن باوجود اس کے موجودہ اناجیل کے مطابق جب اُن کو گرفتار کیا گیا تو ان کے قریبی حواری ان کے جاننے سے منکر ہو گئے

برعکس اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں منفرد ہیں کہ انہوں نے ترغیب و ترہیب کے لئے معجزہ کا سہارا نہ لیا۔ کفار نے بار بار اعتراض کیا کہ ان پر کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی (ق ۱۷: ۹۰ تا ۹۳) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک وہ اس امر پر قادر ہے (ق ۶: ۳۷) لیکن نبی کریم کو حکم دیا (اے نبی) فرما دیجئے کہ میں تو بس اسی پر چلتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے یہ (وحی یا قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے سمجھنے کی باتیں ہیں اور ایمانداروں کے لئے ہدایت و رحمت جب قرآن تلاوت کیا جائے تو اسے کان لگا کر غور سے اور خاموشی سے سنو (ق ۱۰: ۲۰) آپ تو ڈرانے والے ہیں (ق ۱۳: ۷) آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں میں تو صرف کھول کر ڈرانے والا ہوں (ق ۲۹: ۵۰) اور کیا انہیں یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بیشک جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔ (ق ۲۹: ۵۱ : ۵۲) واضح طور پر ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ہی ایک نشانی اور معجزہ ہے جس کے علاوہ کسی اور نشانی کی ضرورت نہیں۔

یہی نہیں بلکہ اس کی وجہ بھی بتائی گئی ہے کہ مزید کوئی نشانی اب کیوں نہیں بھیجی گئی، وجہ یہ تھی کہ پہلے زمانہ کے کفار معجزوں کو جادو سے تعبیر کرتے اور باوجود معجزہ اور خرق عادت دیکھنے کے پیغمبروں کی تکذیب کرتے اور اُن کو قتل کرتے تھے (ق ۳: ۱۸۲، ۱۸۳) اس لئے اگر نشانی بھیج دی جائے جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے (ق ۶: ۲۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نشانیاں اس لئے بند کیں کہ پہلے لوگ اُن کی تکذیب کرتے تھے (ق ۱۷: ۵۹) یہ تو ظاہر

ہے کہ نشانیاں تو وہ لوگ مانگ سکتے ہیں جو قرآن میں شک کرتے ہیں چنانچہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نتیجتاً فرمایا کہ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ خدا کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف بنا لائے .... یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے (ق ۱۰ : ۳۷) اس دعویٰ کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ شک کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبرؐ نے بنایا تو وہ اس جیسی دس صورتیں بنا کر دکھاویں (ق ۱۱ : ۱۳) بلکہ ایک ہی سورت بنا کر دکھاویں (ق ۱۰ : ۳۸) یا ایسا کلام تو بنائیں (ق ۱۷ : ۸۸ و ق ۵۲ : ۳۴) یہ دعویٰ قرآن کے اعجاز بلکہ اس کے معجزہ ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ معجزہ تو وہ ہے جس سے انسان عاجز ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے انکار کرنے کے سوا قبول نہیں کیا (ق ۱۷ : ۸۹) یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن پر اگر غور کیا جائے اور اس کے دلائل میں تدبر کیا جائے تو کوئی شخص اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔

ان آیات سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ معجزہ کی نشانیوں کو ذریعہ تبلیغ بنانے کا وقت گزر گیا آئندہ کے لئے ایمان کی کسوٹی علم قرآن۔ استعمال عقل اور تدبر فی القرآن ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ان آیات قرآنی سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے معجزہ پر قادر نہیں فرمایا تھا۔ حبیب خدا کے متعلق ایسی بات سوچنا بھی غلط ہے۔ کفار تو مختلف قسم کے مطالبے کرتے تھے جو ان کی بدنیتی کی دلیل تھی۔ کبھی کہتے پانی کا فوارہ پیدا کردو کہ زمین سے پانی اُبلتا ہوا ہو (ق ۱۷ : ۹۰) کبھی کھجوروں اور انگوروں کے ایسے باغ کا مطالبہ کرتے جس کے درمیان دریا بہتا ہو (ق ۱۷ : ۹۱) کبھی کہتے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے آؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے روبرو کردو (ق ۱۷ : ۹۲) کبھی کہتے کہ آپ کے پاس سونے کا گھر ہو۔ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور مکمل کتاب لے آئیں جو ہم پڑھ لیں (ق ۱۷ : ۹۳) کبھی قربانی کے گوشت کو جلانے والی آگ مانگتے۔ یہ مہمل مطالبات مقصد الٰہیہ کی نفی کرتے تھے کیونکہ منشاء ایزدی تو یہ

تھا کہ قرآن کریم کے دلائل سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو روشنی دکھائی جائے. چونکہ قرآن کا دین ہمیشگی کا اور رہتی دنیا تک قائم رہنے والا دین تھا اس لئے اس کی بنیاد دلائل پر رکھی گئی. تاکہ ہر دور میں لوگ اس کی حقانیت کے قائل رہیں اور دولت ایمان سے مالا مال ہوتے رہیں اسی لئے رسول اللہؐ نے معجزوں کو ترغیب و ترہیب کے لئے استعمال نہیں کیا ورنہ جب غلامان محمدؐ کو اللہ تعالیٰ خرقِ عادت پر قادر فرماتے رہے ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ محمد رسول اللہؐ اس پر قادر نہ ہوں۔ احادیث نبویؐ میں اس قدرت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں.

یہ بات قابل غور ہے کہ اگر معجزہ یا خرقِ عادت کی تکذیب مقصود ہو تو اس کو جادو یا نظر بندی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے. لیکن دلیل کا رد تو اس قسم کی سوقیانہ باتوں سے ممکن نہیں ضروری ہے کہ اسکے رد کے لئے یا دلیل لائی جائے یا بصورت عجز ایمان لے آیا جائے. چنانچہ قرآن کریم نے کفار و مشرکین کے ہر اعتراض کا جواب دیا اور اس سلسلہ میں کسی اخفار کی ضرورت نہ سمجھی. لیکن قبل اس کے کہ ان دلائل کا خلاصہ پیش کیا جاتے. پہلے رسول اللہؐ کی ذات گرامی کے متعلق اور اُن کے پیغام کی صداقت کے متعلق قرآن کی شہادت اور دلائل پیش کرنا ضروری ہے.

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ نے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ تحریر فرمایا (ق ۲۹: ۴۸) نہ آپ نے کسی اور کی پرستش کی (ق ۱۰۹: ۴) نہ آپ بہکے اور نہ بے راہ ہوئے (ق ۵۳: ۲) نہ آپ مجنوں ہیں (ق ۷: ۱۸۳، ق ۳۴: ۴۶، ق ۵۲: ۲۹ و ق ۶۸: ۲ و ق ۸۱: ۲۲) نہ کاہن ہیں (ق ۵۲: ۲۹) نہ آپ شعر کہنا جانتے ہیں اور نہ وہ اُن کے شایان ہے (ق ۳۶: ۶۹) بلکہ آپ تو خلق عظیم پر پیدا ہوئے.

ان سب شہادتوں سے جو دلیل مرتب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خود قرآن ایک معجزہ ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نبی نہ پڑھتا لکھتا ہے نہ شاعری کی قافیہ بندی کرتا ہے ایسی زبردست بے نظیر کتاب مرتب کر سکے. علاوہ ازیں بعثت سے قبل بھی کفار نبیؐ کی امانت صداقت، بت پرستی اور ہر

قسم کی برائیوں اور گناہوں سے بیزاری کے خود گواہ ہیں پھر وہ ان کو کیونکر جھٹلا سکتے ہیں اسی لیے بحیثیت حاصل الامر ان تفصیلی دلائل کا اجمال اس پر فرمایا۔

قل لو شآء اللّٰہ ما تلوتہ علیکم ولا ادرٰکم بہٖ فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہٖؕ افلا تعقلون ٥ (۱۰:۱۶)

کہہ دو اگر اللہ چاہتا ہو میں نہ پڑھتا اس کو تمہارے سامنے اور نہ اللہ تمہیں خبر کرتا اس کی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں سے ایک عمر اس سے پہلے کیا تم نہیں سوچتے:
(ق ۱۰: ۱۶)

اس آیت کریمہ کی تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں سنیے جو اس دلیل کے قوی ترین اور لاجواب ہونے کا ثبوت ہے۔

" یعنی جو خدا چاہتا ہے وہی میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبردار کرتا ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف چاہتا تو میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر میری عمر کے چالیس سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزرے۔ اس قدر طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اخلاق و عفاف، امانت و دیانت وعدہ اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا اُمّی ہونا اور کسی ظاہری معلّم کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کرنا ایک معروف و مسلّم واقعہ ہے۔ پھر چالیس برس تک جس نے نہ کوئی قصہ لکھا ہو نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو نہ کتاب کھولی ہو نہ قلم ہاتھ میں ہاتھ لیا ہو نہ کسی درسگاہ میں بیٹھا ہو۔ دفعۃً ایسا کلام بنا لائے جو اپنی فصاحت و بلاغت شوکت و جزالت، جدت اسلوب اور سلاست و روانی سے جن و انس کو عاجز کر دے۔ اس کے علوم و حقائق کے سامنے تمام دنیا کے معارف ماند پڑ جائیں ایسا مکمل اور عالمگیر قانون ہدایت نوع انسانی کے ہاتھوں میں پہنچائے جس کے

آگے سب پچھلے قانون رّدی ہو جائیں بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مُردہ قالب میں روح تازہ پھُونک کر ابدی حیات اور نئی زندگی کا سامان بہم پہنچائے۔ یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے تم کو سوچنا چاہیئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو کیا وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھے اور افترا کرنے لگے۔ ناچار ماننا پڑے گا کہ جو کلام الٰہی تم کو سناتا ہوں اس کو بنانے یا پہنچانے میں مجھے اصلاً اختیار نہیں۔ خُدا جو کچھ چاہتا ہے میری زبان سے تم کو سناتا ہے ایک نقطہ یا زیر و زبر تبدیل کرنے کا کسی مخلوق کو حق حاصل نہیں "۔

کیا قرآن کریم کی اس دلیل کا کوئی جواب ممکن ہے کہ اگر تم رسول اللہؐ پر نعوذ باللہ کذب کا الزام لگاؤ تو یہ کیونکر سچ ہو گا جب اُن کی سابقہ پُوری زندگی کا باب تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہ بولا۔ تم نے اُن کو صادق ہی نہیں بلکہ امین بھی کہا۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم رسول اللہؐ کا اپنا لکھا ہوا ہے تو تم جانتے ہو کہ وہ تو اُمّی ہیں یعنی پڑھے لکھے نہیں۔ انہوں نے تو کبھی شعر بھی نہیں کہا جو قرآن کی جیسی عبارت کے متعلق ظن کر لیا جاتا کہ یہ قدرت اُن کو شاعری کی وجہ سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو ایک روشن چراغ ہیں جو اللہ کی طرف بُلاتے ہیں (ق ۳۳ : ۴۶) اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو سب دینوں پر غالب کر دے (ق ۴۸ : ۲۸) وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی پہنچاتے ہیں جو اُن کی طرف بھیجی جاتی ہے (ق ۵۳ : ۳ و ۴) وہ صراطِ مُستقیم پر ہیں (ق ۳۶ : ۳ و ۴ و ق ۴۸ : ۲ و ق ۹۳ : ۷) اور ان کا کام صراطِ مُستقیم کی طرف بلانا ہے (ق ۲۲ : ۶۷ و ق ۴۲ : ۵۲ و ق ۴۳ : ۴۳) ان کا کام اللہ کی آیتیں پڑھنا، تمہیں پاک کرنا اور ایسی علم و حکمت سکھانا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے (ق ۲ : ۱۵۱ و ق ۳ : ۱۶۴ و ق ۳ : ۱۶۴ و ق ۶۲ : ۲)

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مشرکین بھی موجودہ زمانے کے مستشرقین کی طرح متضاد خیالی کے شکار ایک طرف تو کتاب اللہ کو رسول کی تصنیف بتاتے تھے دوسری طرف الزام عائد کرتے تھے کہ رسول اللہ

کو قرآن ایک اور شخص سکھاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا بھی رد اللہ نے دلیل سے فرمایا کہ وہ شخص تو عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے (ق ۱۶ : ۱۰۳) جس پر اس عجمی شخص کو قدرت نہیں۔ قرآن کریم مشرکین کے جملہ خرافات پر مبنی اعتراضات کا ذکر کیا اور ان کو احسن طریقہ سے رد فرمایا۔ اب ایسے اعتراضات کی کیا وقعت ہو سکتی ہے" یہ نبی تو فرشتہ نہیں، یہ تو بازاروں میں چلتا ہے، یہ تو کھاتا پیتا بھی ہے، قرآن کسی اور پر کیوں نہیں اترا۔ اس کے پاس امیرانہ ٹھاٹ کیوں نہیں اس کو موسیٰ جیسے معجزات کیوں نہیں ملے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن پھر بھی قرآن نے ان کو بطریق احسن دلیل سے رد فرمایا کہ بے شک رسول اللہ بشر ہیں اُن کے کام بشریت کے ہیں لیکن ان کا اسوہ نہ صرف قابل تقلید ہے بلکہ اس کی تقلید لازم ہے اسی وجہ سے اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرسول کا حکم قرآن میں متعدد بار نازل ہوا۔ (ق ۳ : ۳۲ و ق ۴ : ۵۹ و ق ۵ : ۹۲ و ق ۸ : ۱ و ق ۲۴ : ۵۴ و ق ۶۴ : ۱۲) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کا منصب صرف شارح کا ہی نہیں بلکہ شارع کا بھی ہے۔ رسول اللہ کے اسوہ کی تقلید کا حکم تقاضا کرتا ہے کہ متبعین سب کچھ وہ کریں جو رسول اللہ نے کیا ہو۔ اگر تبلیغ مذہب کے لئے آنحضورؐ خرق عادت کو بنیاد بناتے ہیں جس پر دوسرے مسلمان قادر نہیں ہو سکتے تو پھر اسوۂ رسول قابل پذیرائی کیونکر ہوتا۔ نقل اور تقلید تو اس چیز کی ہو سکتی ہے جس پر ناقل اور مقلد خود قادر ہو۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے کے بعد یونانی فلسفہ کی سریت اور توہمات سے متاثر ہو کر ایک غلط مذہب کی عمارت قائم کر لی۔ جس میں انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تثلیث سے تعبیر کیا اور تثلیث کو وحدانیت کہا۔ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے تو ان کو تو معصیت اولیٰ کا مرتکب قرار دیا اور جو ماں سے بغیر باپ پیدا کئے گئے تو ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اس کی تردید کے لئے فرمایا۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون،

ترجمہ:

عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے مٹی سے اُن کا قالب بنایا پھر فرمایا (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے (ق ۳ : ۵۹)

عیسائیوں کے الزام کے رد کے لئے اس سے بہتر دلیل ممکن نہیں کہ تم آدم اور عیسیٰ میں کیسے فرق کر سکتے ہو جب کہ دونوں بغیر باپ کے پیدا ہوئے بلکہ حضرت آدم کی تو ماں بھی نہ تھیں اس لئے محض پیدائش کے معجزہ سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے اور اس کی خدائی میں شریک ہیں، اس طرح ایک غلط عقیدہ کی تردید بھی دلائل سے کی گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ ذات باری تعالیٰ کا وجود بھی دلیل سے ہی ثابت کیا گیا۔ اس طرح قرآن کریم اولین کتاب الٰہی ہے جس میں تبلیغ کی بنیاد دلیل پر رکھی گئی۔

قرآن کریم میں دلائل کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ قوانین الٰہیہ کے متعلق بھی قبولیت کے لئے دلائل دیئے گئے۔ عہدنامہ قدیم میں قانون صرف احکام کی شکل میں ہیں۔ قتل نہ کرو، زنا نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ کسی پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ، دوسرے کے مکان، اس کی بیوی یا مویشی یا گدھوں یا کسی ایسی چیز کی جو اس کی ملکیت ہو خواہش نہ کرو اور اس کے بعد جو قوانین کی شکل دی گئی اس میں صرف سزاؤں کے احکام ہیں جس میں قصاص ضمان، جلاوطنی، غلام بنانا قتل کرنا رجم کرنا وغیرہ سزائیں شامل ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے کئی جگہ برائی کے قبح اور بھلائی کے حسن پر بھی روشنی ڈالی ہے تاکہ لوگ خود اچھائی اور برائی کا فرق کر سکیں۔ چنانچہ قصاص کے حکم کے ساتھ اس کے فائدے پر بھی روشنی ڈالی۔

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون ۝

"اے عقلمند و قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے تاکہ تم (قتل سے) ڈرو

(ق ۲: ۱۷۹) زنا سے منع کیا تو اس حکم کی وجہ سے بھی خبردار فرما دیا۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا ۝

ق ۱۷: ۳۲) اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بری راہ"

چوری کی سزا کے ذکر کے بعد اس کی خرابی ظاہر کرنے کے لئے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا:

فمن تاب من بعد ظلمہ .... (۵: ۳۹)

پھر جس نے ظلم کے بعد توبہ کر لی۔

قذف کے سلسلہ میں ارشاد ہوا کہ اس سے دوسرے کو بے جا ایذا پہنچتی ہے (ق ۲۴: ۵۸)
شراب خواری اور قمار بازی کے سلسلہ میں لوگوں کی عقلوں سے اپیل کی کہ جہاں ان میں کچھ فائدے
ہیں وہاں نقصان بھی ہیں. لیکن ان کے نقصانات نفع سے بہت زیادہ ہیں (ق ۲ : ۲۱۹)
اور یہ کہ شراب تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈالتی ہے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے
روک دیتی ہے (ق ۵ : ۹۱)

عہد نامۂ قدیم میں قوانین کا ذکر کافی تفصیل سے موجود ہے لیکن قرآن کریم میں ماسوا معدودے چند حدود کی تفصیلات سے اجتناب فرمایا گیا ہے یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ معاشرہ کی حالت ہمیشہ روبہ تغیر رہتی ہے اور اس کو صحیح نہج پر رکھنے کے لئے قوانین کی اہمیت، اوّلیت اور ثانویت میں بھی فرق ہوتا رہتا ہے نیز نئے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے نئے قوانین کی ضرورت رہتی ہے. نئے تقاضے اور نئے مطالبے ہوں تو ان کو پورا کرنے کے لئے اور نئے مصالح ہوں تو اُن کی تنفیذ کے لئے جدید قوانین و قواعد وضع کرنا پڑتے ہیں. عہدنامۂ قدیم میں قانونی جزئیات کی تفصیل اس بات کا ثبوت ہیں. کہ یہ قوانین دائمی نہیں ہو سکتے بلکہ صرف اس وقت تک کے لئے وضع کئے گئے تھے تا آنکہ کسی اور رسول کی بعثت نئی شریعت کے ساتھ ہو اور خدائی قوانین کی تنسیخ و ترمیم آنے والے رسول کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہو. قرآن کریم میں ان تفصیلات و جزئیات کا نہ ہونا اور نہ عام طور پر صرف اصول کی تعلیم دینا اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ اب وہ دور علم و عقل و تہذیب و حضارت آچکا ہے کہ لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں اور ان اصول کی روشنی میں دنیا اور معاشرہ کے متغیر حالات کے مطابق ہمیشہ خود ہی اپنے لئے قواعد وضع کر اب وہ ابتدائی، قدیمی غیر ترقی یافتہ دَور ختم ہوا جب تفصیل احکام کی ضرورت تھی. اب انسانیت ایک ایسے متمدن دَور میں داخل ہو چکی ہے کہ اس کو ناقابل ترمیم احکام کی کم اور رہنما اصولوں کی زیادہ ضرورت ہے. آئندہ علم و فضل کا ایک عظیم دَور آنے والا ہے جب انسان تسخیر کائنات پر قادر ہو جائے گا. ایسے انسان کے لئے جزئیات فراہم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے. اس کی مثال ایسی ہے کہ طفلگی اور لڑکپن میں اس بات کی ضرورت رہتی ہے

کہ ماں باپ بچے کی مکمل دیکھ بھال رکھیں اور اس کی ہر حرکت پر تادیب کی نظر رکھیں تاکہ وہ بھٹک نہ جائے۔ لیکن جب جوانی میں انسان اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں جو اس کے والدین اور بزرگوں نے سالہا سال کی ریاضت اور دیکھ بھال سے اس کے دل پر مرتسم کر دیئے ہیں وہ تقوی کی زندگی گزار سکے پرانی کتب دینیہ کو اس لحاظ سے ہم جوانی تک کی تربیت گاہ پر منطبق کر سکتے ہیں۔ نتیجتاً ہم کو کہنا پڑے گا کہ قرآن کریم کے فراہم کردہ اُصول انسانیت کی عقل بالغ کے لئے دائمی شمع فراہم کرتے رہیں گے۔ جس طرح بالغ النظر انسان کے لئے توریت کی اور ہر قدم اٹھانے کے لئے مزید سبق کی ضرورت نہیں رہتی اس طرح بالغ النظر انسانیت کے لئے بھی اب تفصیل کی ضرورت نہیں رہی ضرورت صرف رہنما اصولوں کی تھی جو دائمی حیثیت سے حیاتِ انسانیت پر منطبق رہ سکیں۔ ان اصُول کے ہوتے ہوئے اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں رہی۔ یہی معانی ہیں باری تعالیٰ کے ارشاد کے

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔

پہلے ادیان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق بلا دلیل تھا۔ لیکن جب مختلف مراحل سے گزر کر انسانیت ایک ایسی منزل تک پہنچ گئی کہ لوگ خود اپنی عقل سے سوچنے سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور سحریت کی بجائے دلیل و استدلال سے ذات باری تعالیٰ کو سمجھ سکیں تو وحدانیت کے لئے بھی دلیل سے کام لیا گیا اس سلسلہ میں صرف دو مذاہب کا تمثیلاً ذکر کروں گا۔ عہد نامۂ قدیم کی روح سے یہوواہ (JEHOVAH) کے وجود کا ثبوت صرف اس حد تک ہے کہ وہ اسرائیلیوں کو مصریوں کے قبضہ سے نکال لایا اور ملی وحدت کی حیثیت سے ان کو ایک نئے ملک پر قابض کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کے دور میں بھی ان کے معجزوں کو بہت دخل تھا۔ جس میں ان کی معجزانہ پیدائش بھی شامل ہے لیکن ان کے ارتفاع کے بعد جو مذہب ان کے نام پر ایجاد کیا گیا اس میں یونانی اصنام پرستی کی سحریت کو زیادہ دخل تھا۔ حضرت عیسیٰ نے جیسا کہ اناجیل سے ثابت ہے خود کو پیغمبر کہا۔ پسر انسان کہا۔ رہا اللہ کا بیٹا تو یہ فقرہ تو مختلف انبیاء کی شان میں عہد نامہ قدیم میں متعدد بار استعمال ہوا ہے اس سے نبوت کی نفی نہیں ہوتی۔ اناجیل میں ان کی حیاتِ دنیوی کے دوران نہ ابتدائی معصیت کا ذکر ہے

اور نہ سوائے اشاروں کے صلیب اور دوبارہ زندہ کئے جانے کا ذکر۔ لیکن ان کے ارتفاع کے بعد عیسائیت کی بنیاد ان اصولوں پر قائم کی گئی جس کا تعلق ان کی تعلیمات سے کچھ نہ تھا اس نئے مذہب کی بنیاد پال نے رکھی جو نہ صرف یہودی کتب کا عالم تھا بلکہ وہ یونانی فلسفہ واصنام پرستی اور دیو مالائی قصّوں کا بھی ماہر تھا۔ ساتھ ہی ساتھ رومن شہری ہونے کی وجہ سے رومیوں کے علم میں بھی دست گاہ رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے عیسائیت کی بنیاد اس نے یونانی سرّیت پر رکھی جس کو عقل قبول کرنے سے قاصر ہے

چنانچہ مذہب عیسوی ان قوموں میں پھیلتا چلا گیا جو یونانی سرّیت سے متاثر تھے ورنہ عقلیت سے تثلیث کی دوری کا ثبوت سینٹ اگسٹن کے ایک مشہور مقولے سے ہی مل جاتا ہے

" ایمان لاتا ہوں اس پر، کیونکہ یہ ناقابل یقین ہے" (۱)

لیکن اب ذرا قرآن پر غور فرمائیں تو اس میں عقلیت ہی کارفرما ملتی ہے عقل کے استعمال کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کا اہتمام قرآن میں ہر جگہ ہے یعنی علم اور تدبر کا چنانچہ قرآن کا پہلا حکم ہی اقرأ ہے تعلیم کی خوبیوں کے متعلق قرآن و حدیث میں کثرت التزام کا تقاضہ ہے کہ اس موضوع پر بھی کچھ بحث کی جائے۔ کلام پاک نے علم کی بلندی درجات کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کی چند مثالیں پیش کرنا ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے اسماء میں سے ایک نام ہے علیم۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنی صفات سے ایک حد تک انسان کو بہرہ ور فرمایا ہے اس لئے اس صفت سے بھی متصف کیا۔ یہی سبب ہے کہ نزول قرآن کی ابتدا ہی اقرأ کو بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی معبودیت کی تصدیق میں جہاں اپنی اور اپنے فرشتوں کی گواہی کا ذکر فرمایا وہاں علم والوں کو بھی گواہ بنایا جو انصاف پر قائم ہیں (ق ۳: ۱۸) فرمایا بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں (ق ۳۹: ۹) فرمایا خدا سے تو اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں (ق ۳۹: ۹) جو مثالیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ان کو تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں (ق ۲۹: ۴۳) بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جن کو علم دیا گیا ہے (ق ۲۹: ۴۹) جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا خدا ان کے درجات بلند کرے گا (ق ۵۸: ۱۱)

Credo quia absurdum est

اس سلسلہ میں قرآن کریم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت محمدیہ کا جو یہود سے موازنہ کیا گیا ہے اس سے اس موضوع پر مزید روشنی پڑھتی ہے۔ ارشاد ہوا" وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں (ق ۶۲ : ۲) برعکس اس کے" جن لوگوں پر تورات اتاری گئی انہوں نے اس کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لادی ہوں" ق ۶۲ : ۵) قرآن نے علم وفہم کی جس روشنی سے انسانیت کو منور فرمایا اس کی وضاحت گدھوں پر کتاب والی مثال سے ہو جاتی ہے۔ یہ بات تو عہد نامہ قدیم کی پہلی چند کتابوں سے ہی ثابت ہے کہ یہود اپنی سرکشی کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوتے رہتے تھے وہ اپنی عبادات اور قربانیوں کے لئے اپنے پجاریوں کے پابند تھے جو تنقید احکام کے ذمہ دار تھے یہ پجاری نہ صرف مذہبی تعلیمات کو اکثر مخفی رکھتے تھے بلکہ غالباً حسب منشا ان میں ترمیم و تنسیخ کے بھی مرتکب ہوتے تھے یہی وجہ ہے توریت میں بت پرستی کی ممانعت کے باوجود بنی اسرائیل اس قبیح حرکت کا ارتکاب کرتے تھے اور یہوواہ کے مجسمے کی پرستش کرتے تھے۔

2 Kings 18:4 1 Kings 12:28-32; Hos 8:6; 1Sam, 19:13-16, Judges 8:22-27, Judges 17-18)-

تاریخ میں کہیں بھی یہ ترشح نہیں ہوتا کہ کسی پجاری نے کبھی تورات کو یاد کرنے یا حفظ کرنے کی کوشش کی ہو یہی وجہ ہے کہ تورات ضائع ہو جانے کے کئی صدیوں کے بعد اگر کسی کو اس کتاب کے صرف چند اوراق مل گئے تو ان کو تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ عہد نامہ قدیم کی موجودہ چند کتب کے متعلق یہ کسی کا دعویٰ نہیں ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کی اصل تورات ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا سہرا عزیر کے سر ہے کہ انہوں نے الہام سے اس کو حاصل کیا اس کے برخلاف قرآنی علم کے سلسلہ میں اول دن سے قرآء اور حفاظ کا سلسلہ لامتناہی دوام کے لئے شروع ہو گیا اور پجاریوں کا دخل نہ ہونے کی وجہ سے علم کسی ایک طبقہ کی میراث ہونے سے بچ گیا بلکہ علم کی خوبیاں مومنین کے قلوب میں جاگزین کر کے ہر شخص کی حصول علم کی طرف رہنمائی کی گئی لیکن ایک بات کی وضاحت ازبس ضروری ہے کہ یہ علم جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مشروط بہ عدل ہے یعنی حصول علم کے بعد اگر کسی عالم کو غلط خواہشوں پر چلنے کی ترغیب ہو تو یہ اس کی جہالت سے تعبیر کیا جائے گا

اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین

خدا مجھ کو پناہ میں رکھے کہ میں جاہل یا نادان ہوں (ق ۲: ۶۷)

علم کی شان تقویٰ یا اللہ سے ڈرنا ہے جو اس کے مصداق نہیں عالم بھی نہیں ہوائے نفس اور خواہشات سے ماوراء رہ کر ہی کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق ہے جیسا کہ اس آیت کا مفہوم ہے

انما یخشی اللہ من عبادہ العلمآء ط (۳۵ - ۲۸)

اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں

علم کی تعریف میں نبیؐ کے فرمودات زبان زد خلائق ہیں۔ چنانچہ اجتماعی حیثیت سے لوگوں کی تعلیم کے انتظام کے سلسلہ میں چند مثالیں یہ ہیں کہ بدر کے بعد مشرکین مکہ میں سے جو قیدی مال دے کر بریت حاصل نہیں کر سکتے تھے اور پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان کا فدیہ مسلمانوں کو تعلیم دینا قرار پایا۔ اصحاب صفہ طلب علم کے لئے ہر وقت حاضر رہتے تھے اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کی ابتدائی یونیورسٹی کہی جا سکتی ہے۔ حفاظ اور قراء رسول اللہ کے زمانہ ہی سے تعلیم دینے کے لئے مختلف قبائل میں متعین کئے جاتے تھے حضرت عمرؓ نے توریت پڑھی صحابہؓ میں سے چند اصحابؓ کو دوسری زبانیں سیکھنے کا حکم دیا یہ حکم لمحہ فکریہ ہونا چاہیئے ہمارے علما کے لئے جو مغربی زبانیں سیکھنے سے اس لئے محترز ہیں کہ یہ کفار کی زبانیں ہیں

یہ اسی علمی کاوش کی بدولت تھا کہ حضرت علی باب علم بنے ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں اس قدر گہرائی ہے کہ حیرت ہوتی ہے حضرت ابو بکر و حضرت عمر صاف اور ستھری سیاست کے ماہر ثابت ہوئے انتظام ملکی میں آج جن چیزوں کا بہت چرچا ہے یعنی معاشی بدحالی کا علاج "مشاریع العمرانیہ" عوام کی بہبود اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام ان سب کے بانی حضرت عمر نظر آتے ہیں عبد اللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمرو عبد اللہ بن عمر عبداللہ بن عباس ابو ہریرہ جیسے حضرات نظر آتے ہیں جن میں کوئی مفسر محقق و فقیہہ ہے تو کوئی محدث۔

علم پر اصرار اس بات کا متقاضی ہے کہ غور و فکر عقل اور اس کے استعمال کا بھی تذکرہ کیا جائے چنانچہ قرآن پاک میں ایک طرف تو اس پاک کتاب کو عربی میں نازل کرنے اور نشانیاں کھول کھول کر بیان کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگ ان کو سمجھ سکیں (ق ۱۲: ۲ و ق ۲: ۲۱۹، ۲۶۶ و ق ۵۷: ۱۷)

دوسری طرف ارشاد فرمایا کہ یہ عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں (ق ۳۸: ۲۹ و ق ۳۰: ۲۸ و ق ۲۹: ۴۳)

کیونکہ وہ ہی فکر کر سکتے ہیں۔ فکر کی ضرورت اس لئے ہے کہ ان آیتوں کا بیان ہی دعوت فکر ہے (ق ۲: ۲۶۶ و ق ۱۰: ۲۴ و ق ۲۹: ۳۸ و ق ۵۹: ۲۱) اس مضمون کی وضاحت قرآن کریم میں مختلف طرز کلام سے کی گئی ہے کسی جگہ فرمایا گیا "لعلکم تعقلون" "تاکہ تم سمجھو" "لیدبروا ایاتہ" (تاکہ وہ اس کی آیات پر غور کریں) "ولیتذکر اولوا الالباب" (اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں) مسلمانوں کو زور دے کر ہدایت کی گئی "افلا یتدبرون القرآن" (تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (ق ۴: ۸۲ و ق ۲۳: ۶۸)

کذالک نفصل الاٰیٰت لقوم یعلمون (۷ - ۳۲)۔

(جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لئے آیتوں کو اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں)

یہی وجہ ہے جماعت مومنین میں سے جن لوگوں کے ذمہ آئندہ ہدایت کو جاری رکھنے کا کام سونپا گیا۔ ان کی صفت یہ مقرر کی گئی کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا،

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں تو یوں کیوں نہ ہوا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل آتے تاکہ دین میں سمجھ پیدا کرتے اور علم سیکھتے اور اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے (ق ۹: ۱۲۲)

برعکس کتب ادیان سابقہ کے اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب میں استعمال عقل غور و فکر یا تدبر کی برکات پر اس قدر اصرار کیوں ہے ؟ اس کا جواب قرآن ہر بات کو دلیل کی روشنی میں بیان کر کے فراہم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ باری تعالیٰ کے وجود کے لئے بھی عقلی ثبوت دیتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آئندہ دین کا ملجاء و ماوا صرف قرآن اور تدبر فی القرآن ہے۔ آئندہ کے لئے سماوی کتب کے نزول کا اور نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔

ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

حصول علم اور تدبر فی القران کے احکام کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پادریت اور مسیحیت سے محفوظ ہو گیا۔ ہر مذہب میں نبطریق، پادری، ربی، پنڈت جیسا ایک مذہبی طبقہ ہوتا ہے جس کے

ذمہ پرستش کرانا اور مذہبی رسوم ادا کرنا ہوتا ہے۔ عہد نامہ عتیق میں تو اس کے متعلق خاص احکام ہیں۔ یہ عہدہ پہلے حضرت ہارون کی اولاد در اولاد کو ودیعت کیا گیا۔ عیسائی مذہب کو عیسائیت کا نام حضرت عیسیٰ کے ارتفاع کے بعد دیا گیا اس کے برعکس اس کے اسلام کا نام قرآن نے عطا فرمایا "ورضیت لکم الاسلام دینا" لیکن اس سے پہلے عیسائیت میں باقاعدہ چرچ کی بنیاد ڈالی گئی۔ ہندو مذہب میں برہمن کو اسی عہدے کی وجہ سے باقی جملہ قوموں پر ترجیح ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں نہ چرچ کی گنجائش ہے نہ پادری کی۔ مسجد میں جو چند نمازی جمع ہو جائیں ان میں سے کوئی ایک امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ کسی عالم دین کو امام مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔ نکاح میں خطبۂ نکاح پڑھنے کے لئے کسی مولانا یا مولوی کی ضرورت نہیں نماز جنازہ کوئی مسلمان پڑھا سکتا ہے اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے کسی پادری طبقہ کو پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ دیگر مذاہب میں علم دین پر پنڈت پروہت پادری۔ ربی کی اجارہ داری ہوتی ہے پرستش کرانے کے لئے بھی اس کے حقوق کئی مذہبوں میں مقرر ہیں۔ اس طبقہ سے ان مذاہب میں جتنے فتنے پیدا ہوتے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن قرآن ایک ایسی منفرد کتاب ہے جس پر غور کرنے کے آفاقی حکم کا اطلاق ہر مسلمان پر ہوتا ہے۔ علماء اور صلحا کا اگر طبقہ پیدا ہوا بھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کیونکہ اس طبقہ کی گردن میں فرائض کا بوجھ تو ہو سکتا ہے لیکن کسی اضافی حقوق سے وہ بہرہ ور نہیں اجتہاد کا حق بیشک علم کے ساتھ ہے لیکن علم کسی طبقہ کی میراث نہیں نہ وہ کسی مدرسے کی ڈگری یا کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب نہ کرنے پر منحصر ہے۔

اسلام کا ایک زریں اصول ہے "لا اکراہ فی الدین" اسی اصول کی بنا پر مسلمان ہر دور میں اپنی رواداری کا لوہا منواتے رہے ہیں جس کو غیر مسلم مؤرخین بھی خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہیں۔ اس نظریہ اور اصول کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ "جیو اور جینے دو" لیکن اس کے برعکس عہد نامہ قدیم کی کتب کے مطابق (یہ ان کتاب کے صحیح تورات نہ ہونے کی دلیل ہے) حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع کے زمانہ میں جب یہودی غیر یہودیوں سے برسر پیکار تھے تو وہ جو شہر یا بستی فتح کرتے اس کے سب باشندوں کو مع زن بچہ بوڑھا کمزور اور بیمار قتل کر دیتے۔ چنانچہ اسرائیل میں یہودیوں کی عربوں

کے خلاف موجودہ پالیسی اس رواداری کے دور میں بھی انہی سابقہ روایات کی آئینہ دار ہے۔ اور فلسطینیوں پر مظالم کے سلسلہ میں انہوں نے نازیوں کو مات کر دیا۔ زمانہ قدیم کی سوسائٹی میں اس قسم کا قتل و غارت اور ایسے مظالم علم تھے اسلام پہلا مذہب ہے جس نے لا اکراہ کا سبق دے کر رواداری کی بنیاد رکھی غور کیا جائے تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ رواداری دورِ عقلیت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور اس صدی سے اس کا سبق مغرب میں بھی دیا جانے لگا ہے۔ لوگ اپنی روایات اور بعض اوقات اپنی قبائلی شہری یا ملکی جبلت یا پالیسی کی وجہ سے خود مظالم و کشت و خون پر کیوں نہ اتر آئیں۔ لیکن پھر بھی علم اور عقلیت کا اس قدر اثر ضرور ہے کہ اگر دنیا سائنسی تحقیقات و معلومات کی برکت سے سمٹ کر رہ گئی ہے تو بین الاقوامی سطح پر اگر موانست نہ سہی تو کم از کم عوامی سطح پر رواداری کا مظاہرہ ضرور ہونے لگا ہے۔ اس کی بنیاد خدا کے آخری پیغام نے اس وقت رکھی جب لوگوں میں نہ اس کا چرچا تھا نہ رواج اس پیغام کی افادیت جس کا مظاہرہ دورِ عالم میں اب کسی حد تک چودہ صدی کے بعد ترقی عالم کے انتہائی دور میں ہو رہا ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پیغام نوعِ انسانی کے لئے آخری پیغام تھا جس میں صرف اس زمانہ کی ہی ضروریات کا جب وہ نازل کیا گیا تھا خیال نہیں رکھا گیا تھا، بلکہ اس میں ہر آئندہ زمانہ کی ضروریات کے لئے ہدایت دینا مقصود تھا۔

اسلام کا مقصد انسان میں ترقی کا شعور پیدا کرنا ہے یہ وہ ترقی نہیں جس کے مظاہر رومن یونانی چینی مصری ایرانی اور ہندی تہذیبیں تھیں، نہ اس کا مقصد ملت کی امنگوں کو افلاطون اور نو افلاطونی فلسفے میں محبوس رکھنا تھا جس میں گہرائی فکر کو مابعد الطبعیات کی لفظی بحثوں میں الجھا دیا گیا تھا نہ ہی توحید الٰہی کے سیدھے سادھے اور دلکش و دل نشیں مسئلہ کو کسی فلسفیانہ موشگافی کی ضرورت تھی اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہر قسم کی مادی اور روحانی ترقی کی نشو و نما کا ضامن ہے انسانی نفس کو اللہ کی رضا کے تابع بنانے کی تعلیم دیتا ہے اور اس کو فلاح کی طرف بلاتا ہے۔ 'حی علی الفلاح' اس مقصد کے لئے وہ انتہائی دلنشیں انداز میں اللہ کی حاکمیت کا سکہ اس کے دل اور دماغ پر بٹھاتا ہے اور اس کو بتاتا ہے ان الحکم الا للہ (حکومت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں) ق ۶ : ۵۷ ۹۲

(ق ۱۲ : ۴۰ و ق ۱۲ ، ۶۷ وغیرہ) الا لہ الخلق والامر۔ (پیدا کرنا اور حکم کرنا اسی کے لئے مخصوص ہے) (ق ۷ : ۵۴) بل للہ الامر جمیعاً (بلکہ تمام کام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے) (ق ۱۳ : ۳۱) اِن اللہ یحکم ما یرید (بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے) (ق ۵ : ۱) لیکن ساتھ ہی وہ اللہ کی صفات کا تذکرہ کرتا ہے جس میں سے ایک صفت عدل کی ہے اور وہ اعادہ کرتا ہے واللہ یقضی بالحق (اللہ حق کے ساتھ حکم کرتا ہے) (ق ۴۰ : ۲۰)

انسان کی فلاح رضاء الٰہی میں ہے رضاء الٰہی کی تلاش میں مسلمان کو اللہ کا خوف دل میں رکھنا اور مالک حقیقی کا حکم ماننا ضروری ہے یہی منزل ہے جس کی طرف رسول اللہ نے اشارہ فرمایا " موتو قبل ان تموتوا، یہی روحانی سربلندی کا راستہ ہے جس پر چل کر انسان روحانی اقدار کو نہیں بھلا سکتا۔

دوسری طرف دین کے احکام انسانی زندگی کی ہر منزل کے لئے ہدایت فراہم کرتے ہیں۔ بقول پکتھال دین کے اوامر و نواہی انسان کی روزانہ زندگی کی ہر مصروفیت اور شغل کا اس کی معاشی اور سیاسی زندگی کا بلکہ اس کے دماغ اور روح کی ہر تحریک کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ اوامر و نواحی ایک مکمل معاشی اور سیاسی نظام میں مدون ہیں جو ایک ایسا قابل عمل نظام ہے جس پر کامیاب عملدرآمد تاریخ کا زبردست حیران کن کارنامہ ہے۔ اکثر محققین نے اس حیران کن کامیابی کو خارجی اسباب کا مرہون منت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً گرد و پیش کی اقوام کی کمزوری، تلوار کا استعمال، زمانے کی خوش اعتقادی وغیرہ، لیکن وہ اس کی کس طرح توضیح کریں گے کہ جب تک مسلمان اپنے پاکیزہ قانون کی کامل پابندی کرتے رہے اور حکم سے روگردانی کا نتیجہ ان کی ناکامی پر منتج ہوا۔ نیز اس کی کیا تاویل ہوگی کہ غیر مسلم ان احکام پر عمل کر کے جو مسلمانوں کے لئے نازل ہوئے ان احکام کے سلسلہ میں ہمیشہ کامیابیاں حاصل کرتے رہے اس کا جواب اس کے علاوہ نہیں ہے کہ قرآن اور رسول اللہ کے احکام کل انسانیت کے لئے ہیں۔ یہ قوانین فطرت ہیں جس سے تجاوز کرنا اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے خطرہ مول لینا ہے (کلچرل سائڈ آف اسلام ص ۔ ۵)

لیکن یہ قوانین فطرت جو اسلام نے انسانیت کو ودیعت فرمائے ہیں محض اس کی معاشی اور سیاسی زندگی کی ہی نگرانی نہیں کرتے بلکہ اس کو تسخیر کائنات کی رغبت دلاتے ہیں۔ روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کو دنیا میں ترقی اور حصول علم کا بھی راستہ دکھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تخلیق کائنات کے سلسلہ میں اور اپنے خالق ہونے کی دلیل میں متعدد چیزوں کا تذکرہ کیا جس میں زمین آسمان سورج چاند تاروں پہاڑ سمندر پیدا کرنے کے علاوہ ان چیزوں کی پیدائش کا بھی ذکر ہے جن کو ہم اپنی زندگی میں روز دیکھتے ہیں اور جن سے ہمہ وقت فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ ان گوناگوں عطیات میں پانی ہوا زمین میں سبزہ پھل اور دیگر اشیاء کی پیدائش شامل ہے ساتھ یہ بھی وضاحت ہے کہ یہ دنیا یا کائنات بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی (ق ۴۴ : ۳۸ و ق ۳۸ : ۲۷) انسان کی پیدائش جس شان سے عمل میں آئی وہ اس مقصدیت کا ثبوت ہے انسان کو مسجود ملائک بنایا اور سجدہ کرنے والے تھے ان کو معبود حقیقی نے جتا دیا کہ ان کے پاس اس قدر علم ہے جو اس نے خود عنایت فرمایا اور جو علم آدم کو عطا فرمایا گیا وہ کہیں زیادہ ہے ۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں آدم سے مختلف چیزوں کے نام کہلواتے۔ بلکہ عالم بسیط کی ہر چیز اس کے لئے پیدا کی۔

ان گوناگوں برکات کی تخلیق کے ذکر کے ساتھ انسان کو یہ بھی جتایا کہ ان میں اس کے لئے نشانیاں ہیں تاکہ عقل استعمال کرے اور غور و فکر کو مہمیز دے۔

بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے رواں ہیں اور بارش میں جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور ہواؤں کے پھرنے میں اور بادل جو آسمان کے درمیان میں گھرے رہتے ہیں۔ ان میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو عقل رکھتے ہیں (ق ۲ : ۱۶۴)

بیشک آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

یہی بات حکم کی شکل میں بھی موجود ہے۔

دیکھو خدا کی رحمت کی نشانیوں کی طرف کہ وہ کس طرح زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ (ق ۳۰ ، ۵۰)

چاند سورج کے حوالہ سے بعض فوائد کا قرآن میں مثلاً ذکر ہے جو ہر شخص سمجھ سکتا ہے مثلاً چاند کا بڑھنا گھٹنا لوگوں کے رکاموں کی معیادیں) اور حج کے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے (ق ۲: ۱۸۹) پہاڑ زمین کو جھکنے سے بچاتے ہیں۔ نیز دریا اور راستے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے کام آتے ہیں (ق ۱۶ : ۱۵) ستارے راستے معلوم کرنے کے کام آتے ہیں (ق ۶ : ۱۶) تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیرے میں راستہ کا پتہ چلایا جا سکے (ق ۶ : ۹۷) چاند کی منزلوں سے برسوں کا شمار اور حساب معلوم ہو سکتا ہے (ق ۱۰ : ۵) لیکن ان سب کے علاوہ ایسی معلومات بھی قرآن نے مہیا فرمائیں جس پر ازمنہ قدیم سے آج تک علوم یا سائنس کا دارو مدار رہا ہے۔ جیسے والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون (چاند اور سورج آسمان میں اپنے دائروں میں چکر لگا رہے ہیں (ق ۲۱ : ۳۳)

لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ط وکل فی فلک یسبحون ہ

نہ سورج سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے ..... سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں (چکر لگا رہے ہیں) (ق ۳۶ : ۴۰)

علم عقل فکر تخلیق کائنات کی غرض و غایت جیسے ایمان افروز معاملات کے بعد اب ان آیات کا ذکر مناسب ہو گا جو تسخیر کائنات کے متعلق ہیں۔ کچھ آیات تو وہ ہیں جس میں صرف تسخیر الٰہی کا ذکر ہے جیسے سخر الشمس والقمر (سورج اور چاند کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا۔) (ق ۱۳ : ۲ و ق ۱۴ : ۳۳ و ق ۳۱ : ۲۹ و ق ۳۹ : ۵ و ق ۳۵ : ۱۳) لیکن کچھ آیات میں وضاحت سے درج ہے کہ سب کچھ تمہارے لئے یا انسان کے لئے ہے جیسے " اس نے

دریا کو تمہارے اختیار میں کیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو (ق ۱۶ : ۱۴) اور تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں (ق ۱۴ : ۳۲) کیا تم نہیں دیکھتے جتنی چیزیں زمین میں ہیں (سب) خدا نے تمہارے زیر فرمان کر رکھی ہیں" (ق ۲۲ : ۶۵) اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے قابو میں سمندر کر دیا۔ (ق ۴۵ : ۱۲) طرز کلام کا اختلاف سہی لیکن معنی یکساں ہیں کہ جو بھی تسخیر ہے وہ انسانیت کی فلاح کے لئے ہے اللہ کی ہر تخلیق اللہ کی مخلوق کے لئے ہے۔

عقل انسانی کے ادراک کی حد محض قوانین و آیات سن لینے یا نشانیاں دیکھ لینے سے ختم نہیں ہوتی۔ یہ تو ابتدا ہے جہاں سے اس حد کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر پہلے استعمال عقل اور غور و فکر کی دعوت ہو اور پھر حکمت کا بیان فرمایا جائے تو مخاطب کی ذمہ داری سماعت پر ہی ختم نہیں ہو جاتی اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ حکمت کو سمجھنے کے لئے ہر چیز کی ماہیت اثرات اور نتائج کا بذریعہ علم و تجرباتی مشاہدات و تدابیر احاطہ کرنے پر قادر ہو ورنہ وہ حکمت الہٰیہ کو کیسے سمجھ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو خود حکمت اور نشانی سے تعبیر فرمایا ہو جیسا کہ حسب ذیل آیت سے ثابت ہے اگر انسان اس حکمت کو نہ پا سکے تو وہ نشانی کو کیسے سمجھے گا اور مقصد الٰہی کی تکمیل اس سے کیونکر ممکن ہوگی۔

" خدا نے آسمان اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی ہے (ق ۲۹ : ۴۴)

قرآن کریم کے فہم حکمت اور تسخیر کائنات کے دو طریقہ ممکن ہیں ایک طریقہ تو وہ جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو عنایت فرمایا اور جس کے متعلق حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے سلسلہ میں قرآن میں واضح اشارہ ہے (ق ۲۱ : ۷۹ و ۸۱ و ق ۳۴ : ۱۰) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے علم محنت تحقیق مشاہدہ وغیرہ کے ذریعہ اس پر قدرت حاصل کرے۔ عام انسانیت کے لئے یہ دوسرا طریقہ ہی ممکن العمل ہے اس کی جانب قرآن نے کسی جگہ اس کے فوائد کی طرف اشارہ کر کے اور کسی جگہ تاکیدی انداز میں حکم فرما کر علمی تحقیقات کا دروازہ کھول دیا اس روشنی

میں دیکھا جائے تو مُسلمان کا فرض ہے کہ زمین اور آسمان بلکہ اللہ کی پیدا کی ہوئی جملہ کائنات کو انسانیت کے فائدے کے لئے استعمال کرے اور اس طرح بالواسطہ اور بلا واسطہ ہر طرح تسخیر کائنات کا فریضہ انجام دے یہ مفہوم ہے اس دعائے کریمہ کا " قل رب زدنی علماً" میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔ (ق ۲۰ : ۱۱۴) یہ دعا اس علم کی ہے جس سے ماہیت اشیاء کا پتہ چلے جس کی معرفت حضرت آدم میں پیدائش کے وقت ہی رکھ دی گئی تھی اور جو علم علم ملکوتی سے یقیناً مستزاد تھا۔

وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انبؤنی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صٰدقین۔ قالوا سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا ؕ انک انت العلیم الحکیم۔ قال یا آدم انبئھم باسمائھم فلما انباءھم باسمائھم

(۲: ۳۱ تا ۳۳)

اس علم کے استعمال کے لئے ہی تو یہ چیلنج ہے:۔

اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے کیا تو رحمان کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے ؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو آسمان میں کوئی شگاف نظر آتا ہے پھر دوبارہ سہ بارہ نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی (ق ۶۷: ۳ و ۴)

یہاں مجھ جیسے بے علم کے لئے نظر کے معنی محض آنکھ سے دیکھنے کے ہو سکتے ہیں لیکن سات آسمانوں کا مفہوم متعین کرنا پھر ان میں سے ہر آسمان کو دیکھنا جس کے متعلق یہ تحدید ہے ارض و سماء خلا اور سیاروں کے بسیط علم کے بغیر کیونکر ممکن ہے۔ بلاشبہ یہ امکان نظر بغیر سائنسی علم، اس کی روز افزوں ترقی اور تحقیق بسیط کے ممکن نہیں۔

سورۃ لقمان میں ارشاد ہے:۔

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں" (ق ۳۱ : ۲۰)

اسی طرح سورۃ الجاثیہ میں ہے:۔

"اور جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کو تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں قدرت کی نشانیاں ہیں" (ق ۴۵:۱۳)

یعنی ان کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دے دی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو (ترجمان القرآن جلد اوّل ص - ۱۰۱)

ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کے لئے بنائی جاتی ہے اور اس کی خدمت کے لئے مقرر کی جاتی ہے تو اس شخص کو مکمل اختیار حاصل ہونا چاہیئے کہ اس سے ہر ممکن استفادہ کر سکے۔ یہ سب مختلف طریقہ ہیں جو خالق کائنات نے اپنی کتاب میں اختیار فرمائے انسان کے لئے اس بات کی توضیح کے لئے کہ تسخیر کائنات نہ صرف اس کا حق ہے بلکہ فرض ہے اس کے لئے کیا کیا کاوشیں کرنا پڑتی ہیں اس پر اس دور میں روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں جب انسان خلا میں چھلانگیں لگاتا پھرتا ہے چاند پر جھنڈا گاڑ چکا ہے اس کے بنائے ہوئے سٹلائٹ حصول علم وتحقیق کے لئے مختلف اور دور دراز سیاروں کے گرد چکر لگا رہے ہیں دنیا میں انسان کا معیار زندگی روز افزوں ہے غربت پر فتح پانے میں گو مکمل نہیں لیکن ترقی یافتہ ممالک میں کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے فاصلے سمٹ چکے ہیں۔ نظام قبائیت میں صرف قریبی قبائل کو جاننے کے لئے وہ ذرائع نہ تھے جو آج کرۂ ارض کل انسانیت کو جاننے اور اس سے ملنے اور ملاقات کرنے کے لئے موجود ہیں۔ آرام دہ چیزوں کی ایجادات کا کوئی شمار نہیں آج سمندر سے وہ دولت برآمد کی جا رہی ہے، غواصی کے اور پانی کے اندر مستقل طور پر کام کرتے رہنے کے وہ طریقے ایجاد ہو چکے ہیں کہ فوق کے ساتھ تحت فضا اور سمندر کے ساتھ تحت الارض تک انسان کی پہنچ ہے لیکن افسوس ہے تو یہ ہے کہ جن کو سبق دیا گیا تھا تسخیر کائنات کا وہی اس کو فراموش کر

چکے جو اس سلسلہ میں محسن انسانیت بن کر ابھرے تھے اور جن کا نام اب بھی سائنس کے مقدمہ یا طلایہ کی حیثیت سے مشہور ہے وہ اپنا سب کچھ اغیار کو دے کر قعر مذلت میں گر گئے اور ان سے یہ سب کچھ حاصل کرنے والے کائنات کو مسخر کرنے کی لا انتہا تگ و دو میں مصروف ہو کر کامیاب ہو گئے۔ قانون قدرت ہے۔

" اور خدا نے آسمان و زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے تا کہ ہر شخص کو اس کی جزا ملے جو اس نے کمایا " (ق ۴۵ : ۲۲)

اس لئے جس نے علم تسخیر کائنات حاصل کیا وہ کامران ہوا۔ مسلمان نے اس سے بے توجہی برتی وہ ان فوائد سے محروم رہا جو تسخیر سے میسر آ سکتے ہیں۔

اس موضوع کو ایک اور طریقہ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے حکم الہٰی ہے :۔

واعدّ والھم ما استطعتم من قوۃ

(جہاں تک ہو سکے ان کے (مقابلے) کے لئے قوت سے طاقت سے تیار رہو)

یہ موضوع چونکہ وضاحت طلب ہے اس لئے پوری آیت کا جس کے الفاظ مذکورہ ایک حصہ ہیں ترجمہ پیش کرنا ضروری ہے۔

" اور جہاں تک ہو سکے قوت سے (زور سے) اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلہ کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی " (ق ۸ : ۶۰)

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ حصول قوت جنگ کی مسلسل تیاری اور غیر مسلموں پر قیام ہیبت یہ مسلمان کی شان بھی ہے اور اس کا فرض بھی چنانچہ جب تک وہ اس فرض کی اہمیت سمجھتا رہا۔ اس کا ڈنکا اس وقت کی معلوم دنیا میں ہر جگہ بجتا رہا۔

قرآن کا حکم تو ہے قوت حاصل کرو جنگ کے لئے تیار رہو اور دوسروں پر ہیبت قائم رکھو کیا اس کا طریقہ اس کے علاوہ کوئی تھا کہ وہ اسلحہ کی تیاری کے لئے نئی نئی ایجادات

کریں چاہیئے تو یہ تھا کہ ایٹم بم بنانے کے قابل بھی وہی ہوتا اور کوئی نہ ہوتا۔ لیکن قرآن کا حکم نہ مان کر یہ نعمتیں اس نے دوسروں کی جھولی میں ڈال دیں۔ جس سے اسلام کے فروغ اور اس کی ترقی کا راستہ بند ہو گیا۔

مغرب نے مسلمانوں کے تسلط کو کیوں کر پامال کیا اس کا جواب کسی بڑی تقریر دلیل یا وضاحت کا محتاج نہیں۔ جب تک حصول قوت کے لئے جنگی ٹیکنالوجی فن حرب اور فوجی حکمت عملی میں مسلمان کا جوش اور ولولہ قائم رہا ان کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکا جب وہ جنگی مہارت نئے ہتھیاروں کی دریافت میں بہت پیچھے رہ گیا اور پھر بتدریج معذور ہو گیا اس کی تنزل کی راہ کھل گئی اور یہ راہ وسیع سے وسیع تر ہو گئی

اگر غور کیا جائے تو اسلحہ میں مغرب کی یہ ترقی صنعت، علم سائنس اور تسخیر کائنات کا ہی نتیجہ ہے۔ علم تسخیر کائنات کے سلسلہ میں جملہ آیات کریمہ کا مطلب ان واقعات کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ مسلسل جدوجہد حصول علم تسخیر کائنات یہ سب مسلمان کا مشن ہونا چاہیئے تھے۔

اس غفلت کی وجہ سے وہ تبلیغ دین کا فریضہ بھی ادا نہ کر سکا۔ وہ جس ملک میں جاتا تھا اس کو فتح تو وہ فوجی قوت سے کرتا تھا لیکن یہ اس کا کارنامہ صرف ذریعہ کی حیثیت سے اہم تھا غلبہ ملکی اس ملک کے باشندوں تک پہنچنے اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا ایک ذریعہ تھا۔ مسلمان کا اصل کارنامہ وہ تھا جس سے رعایا کے قلوب مفتوح ہوتے تھے ان کو اسلام سے واقفیت ہوتی تھی اور ان میں قبول اسلام کی رغبت پیدا ہوتی یا بڑھتی تھی یہ کامیابی مرہون منت تھی اس قرآنی سلوک کی جس میں عدل، توسط اور احسان ہی کی گنجائش ہے اور جس میں ظلم عدوان اور بے انصافی سے کھلی بیزاری کا سبق ہے۔ مسلمان نے یہ سبق بھلایا تو انگلستان ہالینڈ اسپین پرتگال فرانس نے اس پر عمل کیا مغرب نے دنیا کے ہر براعظم پر نہ صرف تسلط قائم کیا بلکہ ان کے مشنریوں اور پادریوں نے ہر جگہ پھیل کر عیسائیت کی وہ تبلیغ کی کہ براعظم افریقہ کے اکثر ممالک میں اور نو دریافت شدہ ممالک، مناطق اور براعظموں میں جیسے شمالی امریکہ وسطی

امریکہ جنوبی امریکہ، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا بلکہ قطبین جہاں اسلام کے فیوض و برکات نہیں پہنچ سکے تھے غرضیکہ ایک بڑے خطہ ارض کے لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔

تخلیق کی اگلی منزل کا نام ارتقاء ہے بلکہ تخلیق خود بھی ارتقائی فعل ہے۔ چنانچہ نہ صرف عہدنامہ قدیم بلکہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ تخلیق کائنات میں چھ دن صرف ہوئے حالانکہ اللہ کو تو قدرت ہے کہ وہ حکم فرماتے اور سب کچھ ہو جاتا۔ ان میں سے دن کی مدت کوئی نہیں جانتا کہ کتنے ہزار سال کی تھی۔ انسانیت کی ارتقائی منازل سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوتے ہیں جن میں پتھر کے زمانہ سے لے کر تہذیب کے مختلف ادوار کا ذکر ہے نبوت رسالت اور کتب الٰہیہ اسی طرح ارتقاء کی منزل سے گزرے حتیٰ کہ ایک دور آیا کہ مزید رسولوں نبیوں اور کتابوں کی ضرورت نہیں رہی۔ قانون میں اس ارتقاء کی واضح مثال قانون قصاص و دیت ہے۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں صرف قانون قصاص تھا جو ان کی سوسائٹی کے مدارج کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے لئے موزوں تھا۔ لیکن جب کسی قانون میں کسی دور میں ایسی سختی اور تشدد ہو تو اس کا ردعمل بالکل اسکے برعکس کی طرف پلٹنے پر مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کی شریعت میں عفو پر زور ہے۔ انتہائی سختی کا ردعمل اگر عفو ہے تو انتہائی نرمی یعنی عفو کا ردعمل توسط ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انتہائیت کے تجربہ کے بعد یہ آخری منزل ہے جس پر اطمینان ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں قصاص کے ساتھ عفو اور دیت پر زور ہے ان تینوں کی اپنی اپنی اہمیت ہے قصاص جبلی انتقام کے تقاضا کی تکمیل کے لئے عفو انسان کی فطرت احسان کی تشفی کے لئے اور دیت مکافات اور عوض کے طور پر۔ توسط کی منزل پا لینے کے بعد اس سلسلہ میں کسی مزید قانون کی کیا ضرورت باقی رہے گی۔ اعتدال تو خود انتہائیت کے خلاف ردعمل کا نتیجہ ہوتا ہے اس کے خلاف کسی ردعمل کا کیونکر سوال پیدا ہو سکتا ہے یہی وہ منزل ہے جس پر پہنچ کر کسی مزید تجربہ کی ضرورت نہیں رہی یہی وہ مقام ہے جہاں عدل کی حکمرانی ہے اول عدل اور آخر عدل۔ جس دین سے دنیا کو یہ منزل مل جاتے وہاں کسی اور دین کی ضرورت کیونکر ہوگی۔ اُمت مسلمہ اُمت وسطیٰ ہے۔ عدل و توسط دین اسلام کا ستون ہیں کون سی ایسی

چیز ہے جو عدل سے وقیع تر ہے جس کے لئے کسی آئندہ دین کی ضرورت ہو یہی وجہ ہے کہ دین اسلام ارتقاء ادیان کی آخری منزل ہے اور نبوت کی عمارت میں رسول اللہ آخری اینٹ ہیں یہ یاد رہے کہ یہ عمارت تشریعی اور غیر تشریعی ہر قسم کی نبوت کی عمارت ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبوت تدریج درجہ آسمان کو پہنچ گئی اور اب اس تکمیل پر کوئی اضافہ ممکن نہیں۔ کیونکہ اضافہ تو تکمیل کی نفی ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے چند صدی قبل سے ہی یونانی فلاسفہ باوجود اپنی سریت پسندی ضعیف الاعتقادی اصنام پرستی جادو ٹونے ٹوٹکے پر یقین اور انحصار اور دیو مالائی قصوں پر اعتماد اور اعتبار کے عدل کے قائل ہو چکے تھے اور اس کی اہمیت و ضرورت پر بیش بہا کتابیں لکھ چکے تھے ان کا فلسفہ تجربیت سے گریزاں تھا حالانکہ عملی علوم کی بنیاد تجربیت پر ہے اس مضمون کو علامہ اقبال نے جس طرح ادا فرمایا ہے یہاں اس کا مختصراً اعادہ کرنے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ باوجود یونانی فلسفہ کی موشگافیوں اور مفروضہ کی گہرائیوں کے وہ فلسفہ علوم متداولہ کی بنیاد نہ بن سکتا تھا۔ ان علوم کی بنیاد تو مسلمان نے رکھی کیونکہ علوم و تحقیقات متداولہ کی بنیاد تجربیت ہے جس کو مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات کے تحت اپنایا جیسا کہ انظر (ف ۳۰:۵۰) (دیکھو) کے حکم سے ثابت ہے

علامہ اقبال (مرحوم) نے اپنی کتاب "اسلام میں دینی فکر کے احیاء" کے پانچویں باب میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے ان کے کہنے کے مطابق۔

انسانیت کے عدم علمی دور میں وہ روحانی قوتیں پھلتی پھولتی ہیں جن کو نبوت کا شعور کہا جا سکتا ہے جو ایک طریقہ ہے جس سے اقرار کے لئے فکر و تحکم کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ ان کے طے شدہ فیصلے سے ان کے لئے موضوع انتخاب اور طرز عمل وضع اور مقرر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن عقل اور شعور کے اضافے اور دقیقہ شناسی کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہو جانے کے بعد انسان میں جہاں غیر عقلی شعور کا رواج تھا اور انسان جذبات اور جبلت کی رو میں بہہ جاتا تھا وہاں استقرائی اسباب سے اپنے گرد و نواح کا غلبہ حاصل کرنا اس کے لئے ایک معرکہ سے

کم سے نہیں اور ایک مرتبہ یہ شعور پیدا ہو جاتے تو اس میں مختلف النوع علوم سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ زمانۂ قدیم میں فلسفہ کو کافی ترقی ہوئی۔ حالانکہ انسان اس وقت مقابلتاً بہت شعور کا مالک نہ تھا۔ لیکن فلسفے کا یہ دور قائل بالغیث اور غیاثی، خیالات پر ارتکاز کے لئے مشہور تھا۔ جو مبہم مذہبی عقائد اور روایات کو ایک ڈھنگ دے سکتا تھا۔ لیکن عملی زندگی کے حادثات کے لئے اس سے کوئی مدد نہیں ملتی۔ اس نظریہ سے اگر دیکھا جائے تو پیغمبر اسلام قدیم وجدید کے درمیان پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پیغمبر اسلام دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان کھڑے ہیں۔ الہام کے سرچشمے سے جب آپ کا رشتہ جوڑا جاتا ہے تو دنیائے قدیم سے آپ کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور جب روحِ الہام کو بروئے کار لایا جاتا ہے تو دنیائے جدید سے آپ کا ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ زندگی نے آپ کی ذات میں معرفت کے وہ دوسرے سرچشمے دریافت کئے ہیں جو اس (زندگی) کے نئے سفر کے لئے موزوں ہیں اسلام کا ظہور دراصل استدلالی اور استقرائی عقل کا وجود میں آنا ہے۔ ظہور اسلام کے ساتھ رسالت، خود نبوت کے اختتام پذیر ہونے کی ضرورت کے نتیجے میں حد کمال کو پہنچ جاتی ہے جس میں لازماً یہ دانشمندانہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زندگی ہمیشہ کسی مرحلے میں اور باہر سے رہنمائی کی محتاج نہیں رہ سکتی۔ اسلام میں کاہنی (فال گیری) اور موروثی سلطنت کی نفی اور قرآن میں عقل اور تجربہ پر دائمی توجہ اور اس کتاب مبین کا فطرت اور تاریخ کو معرفت بشری کے سرچشموں کی حیثیت و بنا دراصل ختم نبوت کے واحد عقیدے کے مختلف خدوخال ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ روحانی تجربہ کا جو بلحاظ صفت نبوت کے تجربہ سے کوئی مختلف چیز نہیں ہے اب حیاتی وجود نہیں رہا قرآن کے نزدیک انفس (ذات) اور آفاق (دنیا) دونوں ہی ذرائع علم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں باطنی اور عارضی ہر قسم کے تجربات سے منکشف فرماتے ہیں۔ انسان کا فرض ہے مشاہدہ کی ہر حیثیت سے جن میں علم بہم پہنچانے کی استعداد ہو فائدہ اٹھائے اس لئے ختم نبوت کے یہ معنی لینا صحیح نہیں ہو گا کہ زندگی کی انتہا یہ ہے کہ یہ عقلِ کامل روحانیت کی مکمل قائم مقام ہو جائے یہ بات نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب ہے۔

علامہ صاحب کے قول کے مطابق چونکہ تاریخ اور فطرت انسانی علم کے دو زبردست ذرائع ہیں۔ جن کی بنیاد ہی مشاہدہ اور تجربہ پر ہے اس لئے مسلم فلاسفہ کے نزدیک یونانی فلسفہ کی رعنائی کا اثر بہت جلد کم ہو گیا۔ پہلے انہوں نے بڑے جوش وخروش سے قرآن کا مطالعہ یونانی فلسفہ کی روشنی میں شروع کیا ان کی یہ کوشش جلد ناکام ہو گئی کیونکہ عالم محسوسات کی طرف توجہ دلانے کی قرآنی تعلیم یونانی فلسفہ کی قیاسیت اور واقعات سے فرار کی کوشش سے کبھی ہم آہنگ نہ ہو سکتی تھی۔ اس ناکامی کا ہی نتیجہ ہے جس سے اسلامی ثقافت کی حقیقی روح کو جلا ملی اور یہ ثقافت بالآخر کئی لحاظ سے تہذیب جدید کی بنیاد بنی۔

پہلے نظام نے تشکیک کو علم کا مبدا قرار دینے کا اصول وضع کیا۔ غزالی نے احیاء علوم الدین میں اس اصول کی وضاحت کی اور اس طرح ڈیکارٹ کے اسلوب (DESCORT'S METHOD) کے لئے راستہ صاف کیا۔ ابوبکر رازی پہلے شخص تھے جنہوں نے ارسطو کی ہیئت اول پر نکتہ چینی کی اور ان کے اعتراض کو ہمارے زمانے میں جان اسٹوارٹ مل نے استقرائی روح کا جامہ پہنا کر ایک نئی شکل عطا کی۔ ابن حزم نے ذریعہ علم شعور ادراک اور احساس کے ہونے پر زور دیا۔ ابن تیمیہ کے نزدیک استقرائی استدلال ہی قابل وثوق دلیل فراہم کر سکتا ہے۔ اس طرح مشاہدہ اور تجربہ کا اسلوب دریافت ہوا۔

سائنس کے میدان میں اس اسلوب پر عمل کر کے جو کام مسلمان علماء (سائنسدانوں) نے انجام دیئے علامہ صاحب نے اس کا بڑی شرح وبسط سے تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس مضمون میں تفصیل میں جانا چنداں ضروری نہیں۔ مقصد صرف اس بات پر زور دینا ہے کہ عقلیت کا دور عیسوی دور سے پہلے پیدا ہو جانے کے باوجود یہ عقلیت ابھی خام تھی اور فلسفہ اور عالم محسوسات کی راہوں میں زبردست بعد تھا۔ وہی بعد جو یونانی اور عیسائی مذہبی سریت اور انسانی عقل وتجربہ میں تھا دین اسلام اولین مذہب ہے جس نے عقیدوں میں سریت کی نفی کی اور احساس شعور تجربہ عقل اور علم کی ترجمانی کی۔ مسلم علماء (سائینٹیسٹ) نے قرآن کی تعلیمات کو سمجھ کر مشاہدہ تجربہ اور استقرائی استدلال پر سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔ اور یہی اسلوب موجودہ عظیم الشان سائنسی علوم کی ترقی کی روح رواں

ہیں یہی معنی ہیں۔ علامہ صاحب کے اس قول کے کہ نبی اکرمؐ قدیم و جدید دور کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عدل و احسان کی مثالوں سے رحمتہ العالمین کی حیات مبارکہ کے واقعات بھرے پڑے ہیں مشرکین مکہ کے رسول اللہ کی ذات اقدس اور دوسرے مسلمانوں پر مظالم اس بات کے مقتضی تھے کہ فتح مکہ کے بعد ہر بدکردار شخص کو کیفر کردار کو پہنچا دیا جاتا ہے جس نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کے مال و جائیداد پر قبضہ کر لیا تھا ان کے مال و جائیداد پر تصرف کیا جاتا لیکن کیا دنیا کی تاریخ ایک مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک مظلوم نے فاتح ہو کر بھی مغلوب ظالموں کو نہ صرف معاف کر دیا ہو بلکہ ان سے کوئی باز پرس تک نہ کی ہو مسلمانوں کی جائداد بھی واپس نہ لی ہو اور کیا دنیا کی جنگوں کی تاریخ کسی فوج کی اطاعت و فرمانبرداری اور نظم و ضبط کی ایک مثال پیش کر سکتی ہے کہ پوری فوج جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کی جائدادوں پر مشرکین مکہ قابض تھے بطیب خاطر اس فیصلہ کو قبول کیا ہو رسول اللہ دشمنوں کے لئے بھی غضب کے بجائے رحمت ثابت ہوئے اور صحابہ کرام اس رحمت مجسم کے حقیقی مؤید۔

اس موضوع کے سلسلہ میں تقابلی مطالعہ کے لئے ان واقعات کا اعادہ ضروری ہے کہ جب کبھی کسی اُمت پر عذاب آیا تو انبیاء معجزانہ طور پر بچا لئے گئے۔ بلکہ عذاب انبیاء کی بددعا پر نازل ہوا۔ چنانچہ حضرت نوح حضرت لوط حضرت ہود کا بچنا اسی قبیل سے تھا۔ حضرت صالح سے ثمود نے نشانی مانگی چنانچہ اللہ کی اونٹنی نشانی کے طور پر دی گئی (ق ۷ ، ۳۱ ، ۷ و ق ۱۱ : ۶۴) لیکن ثمود عذاب الٰہی کی نذر ہو گئے (ق ۵۳ : ۵۱ و ق ۵۴ ، ۳۱) مگر حضرت صالح اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ (ق ۱۱ : ۶۶ و ق ۴۱ ، ۱۸) حضرت نوح نے قوم کے لئے بددعا کی۔ فافتح بینی و بینہم فتحاً نجنی و من معی من المؤمنین (میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے) (ق ۲۶ : ۱۱۸) وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً۔ اور نوح نے کہا اے میرے پروردگار زمین پر کافروں سے کوئی

گھر میں بسنے والا نہ چھوڑ (ق ۷۱: ۲۶) حضرت صالح نے قوم سے اُن کی بداعمالی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے واقعہ کے بعد اُن سے منہ موڑ لیا (ق ۷: ۷۹) حضرت لوط نے بھی مجبور ہو کر اپنی مفسد قوم کے مقابلہ میں پروردگار کی مدد مانگی (ق ۲۹: ۳۰) قال رب انصرنی علی القوم المفسدین، حالانکہ حضرت ابراہیم اللہ سے" لوط کی قوم کے بارے میں (نرم دلی کی وجہ سے) بحث کرنے لگے۔" یجادلنا فی قوم لوط" (ق ۱۱: ۷۴) حضرت موسیٰ نے فرعون کے حق میں یہ دُعا کی" ربنا اطمس علی اموالھم و اشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم (ق ۱۰: ۸۸)

ترجمہ:- اے ہمارے پروردگار ان کے مال کو ملیامیٹ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں۔

اس کے برعکس رحمتہ اللعالمین نے قریش کے طرح طرح کے مظالم برداشت کئے اور اپنے متبعین کو بھی برداشت کا سبق دیا لیکن مشرکین کے لئے کبھی بددعا آپ نے نہ کی۔ برعکس اس کے آپؐ کی وجہ سے اللہ نے ان کو عذاب سے مصئون و مامون رکھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ " وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" (اللہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ان میں موجود ہوں اور وہ انہیں عذاب دے (ق ۸: ۳۳) اللہ تعالیٰ نے اس مایوسی کا بھی سدباب کر دیا جس سے بددُعا منہ سے نکلتی ہو فرمایا" ان علیک الا البلاغ " (آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور بس۔ (ق ۴۲: ۴۸ وق ۵: ۹۲ وق ۱۳: ۴۰ وق ۱۶: ۸۲ وق ۶۴: ۱۲) نیز فرمایا" لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون" (اس معاملہ آپ کو کچھ دخل نہیں یا اللہ ان کو توبہ کی توفیق دے کر قبول کرے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں) (ق ۳: ۱۲۸) اس آیت کے شان نزول کے متعلق ضیاء القرآن سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اس موضوع پر روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرتؐ کا وجودِ انور مُسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ کفار و مشرکین کے لئے بھی باعثِ رحمت تھا۔ اسی لئے آپؐ نے رحمتہ اللعالمین کا لقب پایا۔

" احد کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک شہید کئے گئے۔ رُخ انور زخمی کیا گیا تو حضورؐ نے فرمایا وہ قوم کیوں کر نجات پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کے سر کو مجروح کیا اور دانت شہید کئے جو انہیں اللہ کی طرف بُلاتا ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وقیل استاذن فی ان یدعو فی استئصالھم فلما نزلت ھذہ الآیۃ علم ان منھم من سیسلم وقد آمن کثیر منھم خالد بن ولید (قرطبی)

یعنی حضورؐ نے ان لوگوں کے حق میں بد دُعا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے۔ چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی انہی میں حضرت خالد بھی تھے۔ حضرت فاروق اعظم کے یہ کلمات کتنے حقیقت افروز اور ایمان پرور ہیں۔

" بابی انت وامی یارسول اللہ لقد دعا نوح علی قومہ فقال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ولو دعوت علینا مثلھا لھلکنا من عند آخرنا فلقد وطئی ظھرک وادمی وجھک وکسرت رباعیتک فابیت ان تقول الا خیرا فقلت اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔"

ترجمہ:۔ اے اللہ کے پیارے رسول! میرے ماں باپ حضورؐ پر قربان ہوں نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے بد دُعا کی کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو سلامت نہ رہنے دے۔ اگر حضورؐ بھی ہمارے لئے بد دعا کرتے تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے لیکن (اے سراپا کرم) آپ کی پشت پر قدم رکھے گئے، رُخ انور زخمی کیا گیا۔ دندان مبارک توڑے گئے۔ بایں ہمہ آپ نے دعائے خیر ہی فرمائی اور یہی عرض کیا کہ اے رب میری قوم بے علمی سے یہ کر رہی تو اس کو معاف فرما دے۔"

دنیا میں انبیاء کی نافرمانی کی وجہ سے اگر عذاب کا سلسلہ جاری رہتا اور قوم ختم ہوجاتی تو پیغام الوہیت و رسالت دنیا کو کس طرح پہنچتا لیکن چونکہ ختم رسالت مقصد الہٰی تھا۔ اس لئے مایوسی کو امید سختی کو نرمی اور عذاب کو رحمت سے بدل دیا گیا۔

رحمت وعفو کی یہ شان اس لئے تھی کہ سرکار دو عالم مظہر ختم نبوت تھے۔ ان کا لایا ہوا دین ہمیشہ کے لئے ہدایت کا دین ہے اس میں وہ صلاحیتیں اور خوبیاں مجتمع ہونا چاہیئے۔ جو ہمیشہ لئے شمع ہدایت کا کام دے سکیں۔ وہ ہادیٔ برحق جو خاتم نبوت ہو اس میں نہ صرف وہ خوبیاں ہوں جو کفار اور مشرکین کا زندگی میں دل جیت لیں بلکہ جن پر عمل کر کے ان کے متبعین ہر زمانہ میں کفار اور مشرکین کے بالمقابل اپنے حسن سلوک کے سلسلہ میں منفرد مقام حاصل کرتے رہیں تاکہ تبلیغ دین کا سلسلہ جاری رہے۔ قرآن میں عدل احسان اور عفو پر جو زور دیا اس کی تفسیر نبی برحق کی زندگی پاک ہے

بعض مستشرقین اسلامی تعلیم کی خوبیاں ماننے کے باوجود کہہ دیتے تھے۔ کہ محبت کا جو سبق عیسائیت نے دیا وہ اسلام نے نہیں دیا۔ لیکن کیا عیسائیت نے اس محبت کا کوئی ثبوت کبھی فراہم کیا۔ اس پر کسی کو روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بلکہ عیسائیت کی تاریخ مسلمان اور یہود پر مظالم اور ان کے متعلق بد دیانتی اور کذب سے بھری ہوئی ہے آج بھی مسلمان انہی مظالم کا شکار ہے۔ اور اب یہودی اور عیسائی دونوں مشترک دشمن کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہیں فلسطین کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ عیسائی اور یہودی سیکولر کے پردے میں عیسائی اور یہودی ہیں لیکن مسلمان رواداری، محبت، عفو اور رحمت میں کچھ نہ کچھ رحمت دو عالم کی پیروی کرنا ضروری سمجھتا ہے یہ مسلمان کی نہیں خاتم نبوت کی شان ہے۔

اختتام سے قبل میں ان چند مسائل کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں جو فی زمانہ قدیم اور جدید کی آویزش سے ابھر رہے ہیں۔ ایک طرف جدید ذہن ہے جو دینی علم نہ میسر ہونے کی وجہ سے مادیت سے متاثر ہے اور اپنے محدود علم سے عقل کی پہنائیوں میں دوڑ لگانے کی وجہ سے ہر قدیم چیز سے بیزار نظر آتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان میں ایسے اصحاب کی تعداد بہت

کم ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول تو تعلیم یافتہ طبقہ میں جو زیادہ تر طبقہ متوسط سے متعلق ہے مذہبی خانگی ماحول ہے۔ دوسری وجہ علی گڑھ کی قدیم و جدید کو سمو دینے کی تحریک۔ تیسری وجہ غیر منقسم برصغیر ہند میں آج سے تین چوتھائی صدی کی احیاء اسلام کی وہ تحریک جس کے نتیجہ میں پاکستان برصغیر کے آزاد ممالک میں ظہور میں آیا۔ چوتھی وجہ ملک میں شریعت مطہرہ کے قیام کے مواعید کا اعادہ۔ پانچویں حکومت کی وہ پالیسیاں ہیں جن کا مقصد پاکستان اور عرب اور دیگر مسلم ممالک کا جذباتی الحاق اور دین کے اشتراک کی وجہ سے ایک دوسرے کی امداد اور تعاون کو فروغ دینا ہے اس ضمن میں باوجود کچھ فروعی اختلافات کے کچھ جماعتوں کی منظم کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری طرف قدیم تعلیم سے بہرہ ور اصحاب کے اذہان جو ہر نئی اختراع کا فائدہ اٹھانے میں تو حرج نہیں سمجھتے۔ لیکن یہ اختراعات اور معلومات جن علوم متداولہ کا نتیجہ ہیں۔ ان سے ان کی بیزاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ان کی تعلیم کا محور صرف تفسیر قرآن، حدیث اور اور اس نقطۂ خیال کی فقہ ہے جس سے ان میں ہر ایک وابستہ ہے۔ فقہی اختلافات کی وجہ سے مساجد اور مدرسوں کو ان صاحبان نے اکھاڑہ بنا رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں باہمی اشتراک کا امکان ہمیشہ محل نظر آتا ہے۔ یہ ایک خاص وجہ ہے جس سے ان میں اور جدید ذہن میں بعد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مذکورہ بالا علوم کو دینی علم کی تعریف میں محدود کرنے والے ان اصحاب نے ایک خاص ذہنیت اس طبقہ میں پیدا کر دی ہے کہ وہ ہر جدید ذہن کو شبہ کی نظر سے دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ بلاوجہ ایسے لوگوں کو منکرین حدیث و متجددین بلکہ ملحدین کے القاب سے نوازتا رہتا ہے۔ جو الفاظ کوئی چرچ اپنے باغیوں کی شان میں ہی استعمال کر سکتا ہے۔

میں نے سرکار دو عالم کے مظہر ختم نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا ہے اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہمارے علماء کے ان دو طبقات (یعنی قدیم اور جدید) کا بُعد علمی

محرومی کا نتیجہ ہے۔ اگر جدید علوم سے آراستہ علماء علوم قرآن وحدیث سے بھی مشرف ہوتے تو ان میں انتہا پسندی کی بجائے اعتدال پیدا ہوتا ۔ موجودہ علماء دین کی روش کو نظر انداز کر کے اگر وہ قبل از تقلید کے دَور کے آئمہ محدثین، اور مفسرین کی کاوشوں کا براہ راست مطالعہ کریں تو ان کو اسلامی علوم کی پہنائیوں کا علم ہوگا کہ کس طرح اس دَور کے آئمہ نے قرآن وحدیث سے وہ عمرانی اور قانونی مسائل اخذ کئے تھے کہ ان کے اخذ کردہ نتائج اور ان کے بیش بہا دلائل آج کے دور میں بھی ہماری مشکلات کا حل معلوم کرنے کے لئے مشعل راہ ہو سکتے ہیں۔

دین کی جدید علمی کاوشوں سے محرومی اور خود کو اپنے تیار کردہ ایک خول میں بند کر لینے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ زمانۂ موجودہ سے بہت دور نظر آتے ہیں یہ وہ روش ہے کہ جس پر آج سے سینکڑوں سال قبل بھی نکتہ چینی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ احیاء العلوم میں امام غزالی نے اس ذیل میں بھی علماء کو ہدف تنقید بنایا اور تعجب ظاہر کیا کہ ان صاحبان نے علم کو تفسیر حدیث فقہ علم کلام تک بالعموم اور علم مناظرہ تک بالخصوص مقید کر دیا۔ انہوں نے دیگر علوم متداولہ پر بحث کی اور ناپسندیدگی کا اظہار صرف طلسم سے، علم نجوم کی اس قسم سے جس کا تعلق قسمت کا حال بتانے سے ہے اور کچھ اس زمانے کی فزکس سے متعلق کیا۔ یونانی فلسفہ کے متعلق ان کے افکار اظہر من الشمس ہیں باقی علوم کا حصول اُن کی راتے میں ضروری تھا۔

علماء علم قرآن نے کتاب حکیم میں متعدد علوم کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ الاتقان فی علوم القرآن میں کئی ایسے علوم کا تذکرہ موجود ہے جیسے علم طب علم جدل علم ہیئت علم ہندسہ جبر و مقابلہ نجوم وغیرہ

(جلد اوّل ص۔ ۳۸۶ اردو مطبوعہ نور احمد کارخانہ تجارت کتب)

پھر ان علوم کے حصُول کے اغراض کو دیکھا جائے تو ان علوم کی بنیاد پر ہی زمانہ موجود کے علوم کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ کلام پاک میں جگہ جگہ تاکید ہے کہ دنیا میں گھوم پھر کر دیکھو کہ سابقہ قوموں کا کیا حشر ہوا کیا اس حکم پر عمل علم آثار قدیمہ کے بغیر ممکن ہے ؟

کیا یہ علم حاصل کرنا مسلمانوں کے فرائض میں شمار نہیں ہوگا۔ قرآن جب علم کا سبق سکھاتا ہے۔ تو اس علم کا حصّہ صرف چند علوم تک نہیں ہے جو مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں بلکہ وہ ان جملہ علوم پر حاوی ہے۔ جس سے اسلام کو قوت ہو۔ جس سے اسلام کی ہیبت اغیار پر چھائی رہے۔ جس سے انسان کی فلاح کے لئے تسخیر کائنات میں مدد ملے۔ جس سے مظاہر قدرت اور اللہ تعالیٰ کی تحقیق کی برکات خود اپنے آپ پر بھی ظاہر ہوں اور دوسروں پر بھی ظاہر کی جاسکیں۔

دوسری طرف محض علم جدید بھی کافی نہیں۔ جب تک قرآن و حدیث کی تعلیم اس کے ساتھ نہ ہو۔ اگر علم جدید سے بیزاری جدید معاشرے کا کار آمد فرد ہونے سے روکتی ہے تو قرآن و حدیث کے علم کے بغیر جدید علم مادیت پیدا کرتا ہے۔ اور تقویٰ اور روحانیت کی نفی کرتا ہے۔ جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیائے اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص تعلیم کا نصاب ایسا مرتب ہو کہ ہمارے طلبہ ہر قسم کے علم و فن کی تعلیم سے مزین ہوں۔ اگر یہ ہو سکے تو تکمیل نبوت کی منشاء بھی پوری ہو سکے گی اور مسلمان ایک مرتبہ پھر دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں دیگر کتب کے علاوہ ختم نبوت، مصنفہ مرتضیٰ مطہری شہید (مطبوعہ دفتر تبلیغات اسلامیہ) سے مدد لی گئی ہے اس لئے اس کا اعتراف ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ صدارت

(اختتامی اجلاس)

★ الحاج محمد عباس خان عباسی

علمائے کرام، دانشوران اسلام
اور معزز خواتین و حضرات
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے حبیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی دو روزہ محافل نہایت خوش اسلوبی اور خوبی کے ساتھ سرانجام پائیں یہ سب آپ صاحبان کے خلوص، باہمی تعاون اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں عقیدت کا نتیجہ ہے

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، میرے اور تمام مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق بلاشبہ رحمتوں اور برکتوں کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

اس لئے ایسی بابرکت محفلیں سال بھر میں ایک مقررہ وقت کے علاوہ بھی منعقد ہوتی رہنی چاہئیں۔ کیونکہ اس سے جو سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں ان سے ہمیں بہترین رہنمائی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے محبت ملتی ہے۔ اللہ تعالےٰ

★ وفاقی وزیر مذہبی امور، حکومت پاکستان

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے جو نہ صرف دنیا میں ہماری کامیابی کی دلیل ہے بلکہ عقبیٰ میں بھی فوز و فلاح کی ضامن ہے۔

خواتین و حضرات

کل سے آپ مسلسل نہایت خوبصورت، علمی اور تحقیقی مقالات سُن رہے ہیں جو ملک کے نامور علماء دانشور حضرات اور محققین نے نہایت خلوص و محنت سے پیش کئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بعض علمائے کرام نے ہمیں اپنے مقالات ارسال کئے تھے مگر وہ بعض وجوہ کی بنا پر خود تشریف نہیں لا سکے۔ ان کے مقالات بھی انشاء اللہ اس کانفرنس کے مجموعہ مقالاتِ سیرت میں شائع کئے جائیں گے۔ میں نے اپنے دانشوروں اور علمائے کرام کے جو خیالات سُنے ہیں ان سے اندازہ لگایا ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپؐ کی سیرتِ طیبہ پر یک زبان ہیں۔

لہٰذا یہ بات مسلّمہ ٹھہری کہ آپؐ ہی کی ایسی ذات گرامی ہے جن کے نام پر اسوہ حسنہ پر تمام مسلمان اتحاد، اتفاق اور باہمی محبت و تعاون کی لڑی میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ دور بھی اتفاق و اتحاد اور باہمی تعاون کا متقاضی ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے توسل سے ہم پاکستان میں اتفاق و اتحاد اور امن و آشتی کی فضا پیدا کریں تو مجھے یقین ہے کہ ہم اس کے پیغام کو نہ صرف عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت میں بھی پھیلا سکتے ہیں۔

خواتین و حضرات!

اسلام صرف نظریے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ دینِ عمل ہے اور عمل ہی کی دعوت دیتا ہے۔ ان محافل کے انعقاد کا مقصد بھی دراصل یہی ہے کہ ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنی دنیا اور عقبیٰ سنواریں کیونکہ قرآن کریم کی ہدایات کے مطابق عمل اور آزمائش کے بغیر نجات ناممکن ہے۔

"احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون"

"یعنی کیا لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔"

ان مختصر کلمات کے بعد میرا یہ فرضِ منصبی ہے کہ میں ان تمام علمائے کرام اور دانشورانِ ذی احترام کا دل سے شکریہ ادا کروں کہ انہوں نے ہمیں نہایت خوبصورت نگارشات سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ میں اُن مندوبین کرام کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت کی بنا پر دور دراز کے علاقوں سے اس محفل میں حاضری کے لئے ہماری درخواست پر تشریف لائے۔ میں ان تمام خواتین وحضرات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس محفل میں نہایت عقیدت واحترام اور جذبہ تنظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے معزز مہمانوں کے خیالات سُنے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر میں اس موقعہ پر ان تمام تنظیموں، اداروں اور افراد کا شکریہ ادا کروں جن کے تعاون اور مشورے کی بدولت ہمیں اس حد تک کامیاب کانفرنس منعقد کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ گو فرداً فرداً ان سب کا نام لینا ممکن نہیں لیکن چند ایک کا نام لینا ضروری ہے۔ میری وزارت ممنون ہے۔ اسلام آباد ہوٹل کی انتظامیہ کی کہ انہوں نے اپنا ہال بلا معاوضہ کل اور آج کانفرنس کے انعقاد کے لئے مخصوص کر دیا۔ ہم ممنون ہیں، فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کے نیشنل بنک، حبیب بنک، یونائیٹڈ بنک، مسلم کمرشل بنک، الائیڈ بنک اور راولپنڈی میونسپل کارپوریشن کے، خصوصاً صدر بلدیہ شیخ غلام حسین کے کہ انہوں نے اس کانفرنس میں شامل ہونے والے مندوبین کی ضیافت کا انتظام کر کے فرائض میزبانی میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ اس کے علاوہ میں وفاقی وزیر تعلیم جناب محمد علی خان ہوتی صاحب اور چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت جناب جسٹس شیخ آفتاب حسین صاحب کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کانفرنس کی دو نشستوں کی صدارت فرما کر کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار ہوتے میں مدد دی اور وہ تمام علمائے کرام اور دانشور

حضرات بھی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے کانفرنس میں مقالات پیش کئے اور اپنے فکر انگیز خیالات سے مستفید فرمایا۔

میں اس موقع پر وزارتِ امورِ مذہبی کے ان افسران اور اہلکاروں کو بھی صد آفرین کہتا ہوں جنہوں نے دن رات ایک کر کے فرض شناسی کے ساتھ اس کانفرنس کی ترتیب و تنظیم کا اس قدر عمدہ اور قابلِ تعریف اہتمام کیا۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت و کاوش کا ثواب دونوں جہانوں میں عطا فرمائے۔

آیئے ! اب ہم سب مل کر بارگاہِ الٰہی میں دستِ دعا دراز کریں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیج کر اپنے لئے سرفرازیٔ دین و دنیا کا سامان مہیا کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مقالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرتؐ بحیثیت مظہر ختم نبوت

★ مولانا عبد اللہ خلجی

آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے دُنیا پر جہالت و سرکشی کی تاریک رات مسلط تھی۔ اندھیری شب کی تاریکیوں میں قافلہ نسلِ انسانیت جادہ حق سے بھٹک چکا تھا۔ کشتِ اخلاق ویران تھی۔ انسانیت کا چمن پامال تھا۔ خدا کے بندے خدا سے غافل ہو چکے تھے۔ انسانیت سسک رہی تھی، کراہ رہی تھی، دم توڑ رہی تھی۔ حیران و سرگرداں تھی۔ آشفتہ سر تھی، سر بگریباں تھی، اس قدر دبیز تاریکی کہ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا تاریکی پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے، بگاڑ اس قدر عالمگیر تھا، کہ: ظھر الفساد فی البرّ و البحر بما کسبت ایدی الناس ۔ انسانوں کے اپنے ہی ہاتھوں سے خشکی و تری میں فساد برپا تھا۔ انسانیت کی قبا خود تراشیدہ خداؤں کے ہاتھوں تار تار تھی۔ تمیز بندہ و آقا میں سر سو موجود تھی۔ گمراہی اور ضلالت کی کوئی شکل ایسی باقی نہ رہی تھی جس میں انسان مبتلا نہ ہو چکا ہو۔ سرزمینِ حجاز کے شمال مشرق اور شمال مغرب میں اس وقت کی دو بڑی مملکتیں

★ مشیر صدر مملکت برائے مذہبی امور بلوچستان

رُوم وفارس موجود تھیں جن کے اثرات دنیا کے اکثر خطوں پر نمایاں تھے۔ ان کے اندر اخلاقی پستی اور جہانوں کے رب سے غفلت کا یہ حال تھا کہ فارس میں تو آگ کی پرستش ہو رہی تھی اور رُوم میں مسیحی عقیدہ تثلیث کا شکار ہو کر شرک کی آلودگیوں میں گم ہو چکا تھا۔ مریم علیہا السلام کی مورتیوں کو سجا کر اُن کے سامنے مراسم عبودیت بجا لائے جاتے، بادشاہوں کی زبان سے نکلے ہُوئے الفاظ حکم اور قانون کا درجہ رکھتے تھے، مذہبی اجارہ داروں کا کلام، کلامِ خُدا گردانا جاتا۔ وُہ چاہتے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے، خود عرب کی سرزمین فتنہ و فساد اور نافرمانی رب کی آماجگاہ بنی ہُوئی تھی۔

یہاں کوئی قانون نہ تھا رنگ، نسل، زبان اور وطن کے اختلافات کے ہاتھوں عرب، ایک دوسرے کا خُون بہا رہے تھے۔ اخلاقی پستی کا یہ حال کہ معاشی حالت دُرست رکھنے کے لئے اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں سے زندہ درگور کر دیتے۔ خُدا سے غفلت کی یہ صورت کہ اپنے ہاتھوں سے مورتیاں تراشتے اور اُن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے۔

یہ وُہ حالات تھے جب جاں بہ لب انسانیت کی نجات و ابدی فلاح کی گھڑی قریب آن لگی تھی۔ اس مُبارک ساعت کے انتظار میں چرخ نیلوفری نے انتظار کی کتنی بے تاب گھڑیاں کاٹی تھیں۔

رحمتِ حق دم توڑتی اور سسکتی انسانیت کے درد کے درماں کے لئے ایسے عظیم نجات دہندہ اور رہبر کامل کو زمین والوں کے لئے مبعوث فرمانے والے تھے جس کے لئے آذر کے موحد بیٹے ابراہیم اور اُن کے پیکر صبر و رضا لختِ جگر اسماعیل نے حرمِ محترم کی دیواریں اٹھاتے دُعا کی تھی:

ربنا وابعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتک و یعلّمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم ○

اے ہمارے رب خود انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمائیو، جو ان کو تیری آیات کی تلاوت سُنائے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کردار کرے۔

اب نوید مسیحا کی آمد کا وقت آچکا تھا اب موسیٰ علیہ السلام عمران کی خوشخبری کہ وُہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہو گا کے پورا ہونے کی ساعت آ پہنچی تھی

۱۲ ربیع الاوّل ۱۷۵ سنہ عیسوی کو وہ مبارک ساعت آپہنچی، جب ظلم و سرکشی کی رات کی سحر کے لئے خُدا کے عظیم پیغمبر اور آخری نبی محمدؐ اور احمدؐ کے مبارک ناموں سے آمنہؓ کی گود سے ہویدا ہوئے اور مُبارک زندگی کے چالیس طویل برس مکّہ کے کوچہ و بازار میں گزارے آپؐ کو اخلاق کے وہ جوہر خزینۂ غیب سے عطا ہوئے کہ مکّہ کے تمام باسی عبدالمطلب کے پوتے کے اخلاق کی بلندی کے گُن گانے لگے۔ الصادق اور الامین کے القاب سے نوازے گئے۔ چالیس برس کے بعد جب منصب رسالت پر فائز کئے گئے تو خود آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کی قوم کے سامنے برملا اعلان فرمادیا

فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون

غارِ حرا سے نبوّت کا تاج پہن کر نکلے تو خلقِ عظیم کے پیکر تھے، حق و صداقت کی تیغ جہاں دار ہاتھ میں تھی، صبر و رضا کی زرہ بکتر پہنے ہُوئے تھے۔ اور احسان و مروّت کی ڈھال تھامے ہُوئے تھے، یادِ الٰہی کی زادِ راہ ساتھ تھی : فاصدع بما تؤمر جو آپ کو حکم دیا گیا تو اعلانیہ دعوت حق سنائی۔ اس راستے کی مشکلات کا مقابلہ کیا، ایک ایک کرکے داعیان حق کا قافلہ تیار کیا۔ قافلے کے افراد کو حکم خداوندی سنایا۔ انہیں کتاب و دانش کی تعلیم دی ان کا کردار سنوارا۔ اور ان کو لے کر میدان میں نکل کھڑے ہُوتے، حالت یہ تھی کہ خود تو حامل پیغام رب و مجسّم قرآن ہیں اور ساتھی ہیں کہ ان کے دل اور اعمال قرآن کے احکامات سے روشن اور مزیّن۔

حق پرست ایک ایک کرکے آپؐ کے دست حق پرست پر بیعت کرکے حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے گئے۔ لوگ آتے گئے قافلہ بنتا گیا اور یہ قافلہ خُدا کی نصرت کے سایے میں آگے بڑھتا گیا۔

ہجرت کی، ــــــ مدینہ مرکزِ اسلام بنا، ــــــ مرکزِ اسلام مضبوط ہُوا ــــــ چاروں طرف سے یلغار ہوئی ــــــ لوگ ــــــ مقدس لوگ، ــــــ جاں نثار لوگ وار سہتے رہے۔ رجز پڑھتے رہے، قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھتے گئے۔ فتح مکّہ کی منزل بھی آگئی حق غالب ہُوا باطل مٹ گیا۔

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زھوقا

حق آیا ، باطل مٹ گیا ، بیشک باطل مٹنے والی چیز ہے ۔

اس عظیم محسن کا مشن پُورا ہوا تو خدا کا بلاوا آ گیا ، دنیا سے رخت سفر باندھا تو اپنے پیچھے اہلِ حق کا وہ مضبوط گروہ چھوڑ گئے جنہوں نے پچیس سال کے مختصر عرصے میں قیصر وکسریٰ کے تخت اُلٹا دیئے ، سرنگوں کر دیئے ، خدا کی عظمت کا ڈنکا بجایا اور مظلوم انسانوں کو شرف انسانیت سے آگاہ کیا ۔ آج بھی دنیا میں چار سُو حق پرستی کا نام اُنہیں کے دم سے اور ان ہی کی قربانیوں سے قائم ہے ۔

نبیؐ کی تربیت کا یہ حال ، ایسا خوفِ خُدا اپنے ساتھیوں کو عطا کیا کہ تاجِ کسریٰ بھی ایک لشکرِ اسلام کے ایک سپاہی کو ملتا ہے تو رات کو چادر میں چھپا کر امیر لشکر کی خدمت میں پہنچتا ہے ۔ ایثار اور بے غرضی ایسی کہ رات کا انتخاب اس لئے کرتا ہے کہ لوگوں کی ستائش نہیں چاہتا صرف رب کی رضا مقصود و مطلوب ہے ۔

ساتھیوں کے ایثار کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے پر جاں نثار کرتے ہیں ۔ اپنی ضرورت پر اپنے مسلم بھائی کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں ۔ یرموک کے میدان میں جاں بلب ، پیاس سے تڑپتے ہوئے مجاہدوں کو بھی اپنے بھائی کی پیاس کا زیادہ خیال ہے ، جان دے دیتے ہیں لیکن اپنے بھائی سے پہلے پیاس بجھانا گوارا نہیں ۔ بندہ و آقا کا فرق ایسے مٹا دیا ، سب کے آقا و نامدار نے اس طرح کہ عمر فاروق کو کبھی بلال سیدنا ، بلال ہمارا آقا کہنے پر فخر ہے ۔ بیت المقدس پہنچتے ہیں تو دنیا یہ عجیب لیکن بے نظیر منظر دیکھتی ہے ۔ کہ جس کے نام سے قیصر وکسریٰ کے ایوان کانپ اُٹھتے ہیں بغیر کر و فر ناقہ پر سوار چلا آ رہا ہے ۔

ذمہ داری کا یہ احساس اس ہادی اعظم نے اپنی اُمت کو عطا کیا کہ جسے مسلمانوں کی امانتوں کا امین بنایا گیا ہے ۔ پکار اُٹھتا ہے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کُتا بھی بھوکا مر جائے گا تو میرا خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا ۔

ایک مسلمان جرنیل براعظم افریقہ کو فتح کرتے ہوئے اوقیانوس کے پانیوں تک جا پہنچتا ہے تو پکار اُٹھتا ہے ، اے خُدا اگر یہ سمندر میرے راستے میں حائل نہ ہو جاتا تو میں تیرے نام کا چراغ

لے کر نکلتا۔ اور پوری دُنیا کو روشن کرتا۔ عدل و انصاف کا تصوّر اس پیکرِ عدلؓ نے اپنے چاہنے والوں میں اس قدر راسخ کر دیا کہ ایک ذمی کے استغاثہ دائر کرنے پر مصر کا گورنر اور اس کا بیٹا دربارِ خلافت میں حاضر کئے جاتے ہیں اور ذمی کے ہاتھ میں کوڑا دے کر اسے کہا جاتا ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کو مارے اس لئے کہ بیٹے نے ناحق ایک کوڑا ذمی کو مارا تھا اور باپ نے جو گورنر مصر تھا اس کی فریاد پر کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

ایسا کردار، ایسا پاکیزہ عمل، ایسی عظمت، ایسی عفت، نگاہ کی ایسی پاکیزگی صرف اور صرف محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلقِ عظیم کا فیض ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بھی زندگی کی تاریک راہیں روشن کی تھیں اور آج بھی آپؐ روشنی کا وہ عظیم مینار ہیں جن کی روشنی میں چلنے والے کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔

یاایھا النّبی انّا ارسلنٰک شاھدًا وّمبشّرًا وّ نذیرًا وّ داعیًا الی اللہ باذنہٖ وسراجًا منیرًا

اے نبیؐ! ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

رُخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

محمدؐ کی سیرت تو رحمت کی بارش ہے جس نے نسلِ انسانیت کے خزاں دیدہ چمن کو ایک نئی بہار سے ہمکنار کیا۔

دورِ حاضر اپنے جلو میں فتنہ و فساد اور نافرمانی رب کے لشکر لے کر آیا ہے، خونیں اندھیاروں کی آندھی ہر روشنی کو نگلتے جا رہی ہے، انسانیت کے باغ پر آج پھر ویرانی کے سایے امڈے چلے آ رہے ہیں۔

ایسے وقت میں آپؐ کی سیرت سے انسانیت کے درد کا درماں نہ کیا گیا تو اس کے زخم کبھی مندمل نہ ہوں گے۔ انسانیت کے ذگار جسم کا علاج شفا خانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کہیں اور نہیں۔ چشمِ بینا چاہیئے، آفتابِ ہدایت سے فیضیاب ہونے کے لئے۔

وقت کی پکار ہے اور یہی اس کا تقاضا ہے اور یہی ربیع الاوّل کا مبارک مہینہ مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ میٹھی نیند سونے والے بیدار ہوں۔ قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھیں، لب پر جہانوں کے ربّ کی حمد کے ترانے ہوں۔

قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمّدؐ سے اُجالا کر دے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

مظہرِ تکمیل نبوّت و رسالت

★ جسٹس (ریٹائرڈ) قدیر الدین احمد

عنوان کا تجزیہ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات کے بہت سے پہلو ہیں۔ ان میں ہر ایک پہلو پر مقالے بلکہ کتابیں لکھی جائیں تو لکھنے والے اپنا تھوڑا ہی سا حق ادا کر پائیں گے۔ ختمِ نبوّت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مقالے اور بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مگر اس ساتویں قومی سیرت کانفرنس کے لئے وزارتِ امورِ مذہبی نے جو عنوان تجویز کیا ہے وہ میرے خیال میں عام عنوانات سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ عنوان یہ ہے کہ "آنحضرت مظہرِ تکمیلِ نبوّت و رسالت تھے" اس کے تحت یہ عیاں کرنا درکار ہے کہ خود اس ذاتِ والا صفات سے یہ حقیقت کس طرح ظاہر ہے، کہ نبوت اور رسالت تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس زاویۂ نگاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ پیشگوئیوں اور اقوال کی

★ ریٹائرڈ چیف جسٹس سندھ۔

مدد سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا. کیونکہ وُہ تو معتبر گواہیاں ہیں، اُن بیانات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ خود مظہرِ تکمیل نبوت و رسالت تھے بلکہ اگر گواہیوں کی ضرورت ہو تو نتیجہ اُلٹ نکلتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ "عیاں را چہ بیاں" یا یہ کہ "مشک آنست کہ خود بو ئید نہ کہ عطار بگوید"۔ اس کے علاوہ اس عنوان کے تحت یہ بحث بھی زیادہ کار آمد نہیں ہو سکتی کہ اسلام کے اصُول دیگر ادیان کی اصولی ہدایات سے بہتر ہیں کیونکہ مقصد مقابلہ نہیں ہے. جو چیز بمقابلہ دیگر اشیاء بہتر ہو اس کا خود کامل بھی ہونا ضروری نہیں ہوتا. تیسری بات یہ ہے کہ تکمیل اور اختتام میں فرق ہے. ایسی تعلیم ہو سکتی ہے جو ختم تو ہو جائے مگر مکمل نہ ہوئی ہو مثلاً ہمارے ملک میں طالب علموں کی بہت بڑی تعداد تیسری چوتھی جماعت کی تعلیم کے بعد تدریس سے محروم ہو جاتی ہے اور ان طلبہ کی تعلیم تکمیل کو نہیں پہنچتی. انسان کی بہت سی نسلیں بھی ایسی گزری ہیں جن کو محض ابتدائی اخلاقی تعلیم میسر آئی اور اُن کی تعلیم وہیں ختم ہو گئی. ایسی نسلیں دُنیا کے ہر ملک میں گزری ہیں اور علم الانسان (ANTHROPOLOGY) کی تحقیق اس زمانہ میں بھی خاص کر افریقہ اور آسٹریلیا کی ایسی اقوام کی نشاندہی کرتی ہے جو باعتبارِ اخلاق نہایت پسماندہ ہیں کیونکہ جہاں اُن کی تعلیم رُک گئی اس سے بہتر تعلیم ان کو نصیب نہیں ہوئی. یہی اختتام اور تکمیل کا فرق ہے. یہ فرق افراد کی تعلیم میں بھی پایا جاتا ہے. اور اقوام کی تعلیم میں بھی. جب ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کی تعلیم کا ذکر کرتے ہیں، تو سارے کرۂ ارض کا تصور ہمارے ذہن میں آجاتا ہے. اسی طرح ان تمام اقوام کا خیال بھی آتا ہے جو اس زمانے میں روئے زمین پر موجود ہیں. یا آج سے پہلے تاریخ کے مختلف ادوار میں یہاں آباد تھیں. نبی اور رسُول اللہ کی طرف سے انسانیت کے معلّم ہوتے ہیں، چنانچہ خاتم النبیین کا ذکر کرکے ہم نے انسانیت کی تعلیم کا ذکر کیا ہے. کسی مدرسہ، کالج یا قوم کی تعلیم کا نہیں. چنانچہ اس مضمون کی وسعت قوموں کے وجود اور ممالک کی حدود سے وسیع تر ہے.

تعلیم کے لوازمات

مندرجہ بالا امور کو ذہن میں رکھنے کے بعد آگے بڑھیں تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ تعلیم کی کچھ دیگر صفات اور خصوصیات بھی ہوتی ہیں

جن کا تعلق ہر قسم کی تعلیم سے ہے۔ مثلاً ہر قسم کی تعلیم کی ابتدا اور انتہا ضروری ہوتی ہے کوئی طریقۂ تعلیم ایسا ذہن میں نہیں آسکتا جس کی ابتدا نہ ہو۔ اس طرح تدریس کا کوئی ایسا منصوبہ بنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ جس کی آخری حد نہ ہو۔ البتہ یہ تو ممکن ہے کہ اختتام کی ایک حد کی بجائے متعدد حدود ہوں، جیسا کہ آج کل تعلیم کے مدارج مقرر ہونے سے تعلیم کی ایک حد ابتدائی، دوسری حد ثانوی پھر اسی طرح اور حدود ہو گئی ہیں، مگر ایسا نظام تعلیم عقل سے بعید ہے جس میں شاگرد عمر بھر شاگردی ہی کرتے ہیں اور کبھی اس قابل نہ ہوں کہ اس علم کی مدد سے جو انہوں نے حاصل کیا ہو، خود آگے بڑھ سکیں، ایسی شاگردی تو معلم کی محتاجی ہے۔ البتہ طالب علمی اور شاگردی ایک ہی چیز نہیں ہے۔ شاگردی کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن طلب علم کے لیے مدرس کی موجودگی لازم نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے لئے یہ ممکن بھی ہے اور مناسب بھی کہ ساری عمر خود علم حاصل کرتا رہے کیونکہ تدریس کے بعد علم تجربے اور از خود تحقیق و تدقیق کرنے سے بھی حاصل ہوتا ہے، غور و فکر سے بھی ہوتا ہے لوگوں کو دیکھ کر اور سن کر ہوتا ہے لیکن کسی باشعور شخص کیلئے عمر بھر شاگردی کرنا نہ تو عام طور پر ممکن ہوتا ہے اور نہ ہی مناسب ہوتا ہے۔ ممکن اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ عمر بھر کی شاگردی تھوڑے ہی انسان کر سکتے ہیں، مناسب اس لیے نہیں ہوتا کہ جو شخص ایسا کرتا ہے پھر وہ کسی اور کام کا نہیں رہتا اور نہ ہی شاگرد کہلانے کا مستحق رہتا ہے کیونکہ یہ تو محض استاد سے عقیدت مندی اور اس کی پیروی ہو جاتی ہے۔ در اصل شاگردی حصول علم کے لئے اور صلاحیتوں کی تربیت کے لئے ہوتی ہے تاکہ شاگرد اپنے علوم کی حدود میں توسیع کرتا رہے اور جو کچھ اس نے سیکھا ہے اس میں چار چاند لگانے میں نقالی کا نام شاگردی نہیں ہے۔ استاد محض نقالی سکھاتے ہیں انکے شاگردوں میں عادت و اطوار خیالات بلکہ طبیعت تک میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے، یہ کیفیت بہترین تعلیم کے تصور کے منافی ہے۔ بہترین تعلیم دماغ کو معلومات سے پر ہی نہیں کرتی بلکہ زیادہ تر یہ کام کرتی ہے کہ ہر قسم کی صلاحیتوں میں بہتر قابلیت پیدا ہو جائے، اس بہتری میں سوچنا سمجھنا، غور کرنا، نتائج نکالنا حصول مقصد کے لئے نئے راستے تلاش کرنا، اچھے برے کو سمجھنا، باریک اور نازک جو فرق ہوتے ہیں ان کو پہچاننا، اصل اور فرع میں تمیز کرنا بکھرے ہوئے واقعات اور متفرق تجربات کو اصولوں کے رشتوں میں پرونا، دل و دماغ میں چمک اور دمک کا پیدا ہونا شامل ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بدلتے ہوئے حالات کے سامنے بے بس نہیں ہوتا بلکہ ان کو اچھی صلاحیتوں کے ذریعے اپنے قابو میں کرتا ہے۔

بنی نوع انسان کی تعلیم کا انتظام

طریقۂ تعلیم کے مندرجہ بالا کوائف اور خصوصیات کے بیان کے بعد جب ہم بنی نوع انسان کی تعلیم کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم کا انتظام روزِ آفرینش سے کر دیا تھا چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۳۱، ۳۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ " اللہ نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ ساری چیزوں کے ناموں کا علم سکھانے سے مراد علم اشیا کی تعلیم دینا ہے۔ جس میں رفتہ رفتہ دنیا کی ہر چیز کا علم شامل ہو جاتا ہے اس کے بعد جب حضرت آدم علیہ السلام کی نافرمانی کو معاف فرما کر انہیں اور ان کی بیوی کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا تو یہاں کے لئے بنی نوع انسان کی تعلیم کا ایک اور خاطر خواہ منصوبہ تیار کر دیا تھا بلکہ سورہ بقر کی آیت نمبر ۳۸ کے بموجب ان کو بھی مطلع فرما دیا کہ :

"پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو
لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے اُن کے لئے کسی
خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا"

تعلیم کا یہ منصوبہ اسی وقت سے کہ جب انسان کرۂ ارض پر بطور ایک اعلیٰ ترین مخلوقِ خدا یا خلیفہ ظاہر ہوا، بموجب مشیتِ ایزدی برابر پورا ہوتا رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ہزاروں ہادی نبی اور پیغمبر روئے زمین پر بھیجے اور ہم کو کلام پاک کے ذریعے بتا دیا کہ ان کا ورود ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر قوم میں ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت تاکید کے ساتھ جتا دی گئی ہے، مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ کیجئے

سورۂ یونس کی آیت نمبر ۴۷ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ :

ہر اُمت کے لئے ایک رسول ہے، پھر جب کسی اُمت کے
پاس اس کا رسول آجاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے
ساتھ چکا دیا جاتا ہے۔"

سورہ رعد کی آیت نمبر ۷ میں مزید خبر دی گئی ہے کہ :

"(اے نبی) تم تو محض خبردار کر دینے والے اور ہر قوم کے لئے
ایک رہنما ہو۔"

ہر ایک رہنما نے اپنی قوم کو تعلیم دی ہے لیکن کسی اور رہنما کی نظر کل بنی نوع انسان کی تدریس پر اور خدا کے اس تعلیمی منصوبہ پر نہیں تھی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت کو آگاہ کیا ہے کسی اور رہنما نے نہیں بتایا کہ خدائے تعالیٰ جو کائنات کا پرورش کرنے والا ہے ہر زمانے کے انسانوں کی تعلیم کا ذمہ بھی لے چکا ہے اس طرز کے برعکس سورہ فاطر کی آیات نمبر ۲۳ تا ۲۵ میں صاف فرمان موجود ہے۔

"اے نبیؐ! تم بس ایک خبردار کرنے والے ہو، ہم نے تم کو حق
کے ساتھ بھیجا ہے۔ بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا
بنا کر اور کوئی اُمت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی تنبیہ
کرنے والا نہ آیا ہو۔ اب اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو
ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، اُن کے پاس
اُن کے رسُول کھلے دلائل اور صحیفے اور روشن ہدایات دینے
والی کتاب لے کر آئے تھے۔"

انسان کی تعلیم کا ایک عظیم اور ہمہ گیر انتظام ہزاروں برس سے روئے زمین پر جاری ہے۔ جتنے نبی اور رُسول دنیا میں آئے ہیں اُن سب کے نہ تو نام اور نہ ہی ان کی تعداد ہم کو بتائی گئی ہے، بہت سے تو ایسے ہیں جن کا ذکر تک نہیں کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ :

"اے نبیؐ تم سے پہلے ہم بہت سے نبی بھیج چکے ہیں، جن میں سے
بعض کا ذکر ہم نے تم سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔"

(المومن آیت ۷۸)

جتنی خبر ہم کو دے دی گئی ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں ہادی اور رہبر نہیں آئے اس لئے یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کی تعداد ہزاروں کی ہوگی وہ سب اپنے وقت اور اپنے ملک کے حالات اور

اپنی قوم کی استعداد کے مطابق ابتدائی تعلیم بھی دیتے ہوں گے۔ اور ثانوی بھی اور اعلیٰ بھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سارے رسولوں کی شریعت ایک ہی ہوتی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اپنی معرکۃ الآرا کتاب حجت اللہ البالغہ کی جلد نمبر ایک کے سولھویں باب میں اپنے اندازِ خاص سے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

"کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَاْنٍ : (اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ)
ہر دن وُہ ایک نرالے رنگ میں جلوہ فرما ہوتا ہے۔ اس شان سے میری مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے تقاضے سے ادوارِ عالم میں تغیر آتا رہتا ہے اور ہر ایک دور کے احکام دوسرے سے جُداگانہ ہوتے ہیں۔ ہر دور میں حق تعالیٰ اسی دور کی مناسبت سے اپنے احکام نافذ فرماتا ہے۔
اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک نئی شریعت نازل ہوتی ہے، جو اُس وقت کے حالاتِ حاضرہ کے لحاظ سے عین مصلحت ہوتی ہے"

اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ جب دنیا کے حالات بدل رہے تھے تو شریعتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ تاکہ انسان کو اس کی حسبِ ضرورت ہدایت مہیا کریں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مجموعی طور پر انسان کے دنیاوی اور روحانی حالات بہتر سے بہتر ہو رہے تھے، دنیاوی ترقی کی شاہد تاریخ عالم ہے اور روحانی ترقی کا ثبوت یہ ہے کہ صنم پرستی کی طرف سے انسان خدا پرستی کی طرف آ رہا تھا۔ چنانچہ شریعتوں میں بھی تغیرات کے لحاظ سے تبدیلیاں ہو رہی تھیں، جب کہ کمالِ تدریس کا مانا ہوا اصول ہے۔ خدائے عز و جل نے تدریسِ انسانیت میں بھی تعلیم کی وہ ساری صفات اور شان برقرار رکھی ہے جو تعلیم کا حق ہے مثلاً یہ بھی اعلان کیا ہے کہ:

"اے نبیؐ! اُن سے کہو کہ میں تمھیں بس ایک نصیحت کرتا ہوں، خدا کے لئے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو۔"
سبا (۳۴) آیت نمبر ۴۶)

سچی اطاعت کے نتیجہ میں تکمیل تعلیم کا وعدہ بھی ان الفاظ میں فرمایا کہ :

" جو ظالم ہیں ان کی زبان کسی حال میں بند نہ ہوگی، تو ان سے
نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں"۔
سورہ البقر (۲) آیت ۱۵۰)

ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ یہ وعدہ زیب داستان کے لئے نہیں تھا بلکہ اس کو پوری احتیاط کے ساتھ پورا کیا گیا۔

بنی نوع انسان کی تعلیم میں ارتقاء کا تصور

یہ بنی نوع انسان کی تعلیم کا عالم گیر انتظام تھا جس میں ارتقاء کا تصور موجود تھا، دراصل ہر تعلیم میں ارتقاء کا تصور لازم ہے، کیونکہ تعلیم کی ابتداء سادہ اور مختصر ہوتی ہے۔ ہر ایک بچہ پہلے اب ت پڑھتا ہے اور پھر حروف کو ملاتا ہے اس کے بعد الفاظ سے واقف ہوتا ہے اور پھر ان کو ملا کر فقرے پڑھتا اور لکھتا ہے اسی طرح اس کا علم بڑھتا جاتا ہے۔ بنی نوع انسان نے بھی اسی طرز سے پہلے "علم اشیاء" حاصل کیا اور دنیا کے علم میں آگے بڑھتا رہا۔ جدید مؤرخین متفق ہیں کہ انسان کا علم بہت ہی کمتر درجے سے شروع ہو کر برابر بڑھتا رہا ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کے رہبر بھی اس کو ہر زمانے کے تمدن کے معیار کے مطابق ملتے رہے، روحانی تعلیم بھی اس کے ذہن اور اس کی صلاحیت کے لحاظ سے اس کو فطرت یا قدرت کی طرف سے بتدریج ملتی رہی۔ انسانی تہذیب کی تاریخ بہت سے مؤرخین نے لکھی ہے جن میں سے ہم بہ آسانی ابن خلدون، ٹوئنبی اور کرد بر کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ نسل انسانی نے کس طرح علم، ہنر، معاشرت اور صنعت و حرفت میں ترقی کی ہے۔ دنیا کا وجود لاکھوں برس سے ہے۔ لیکن انسان کی محض پانچ ہزار برس کی تاریخ کا ہم کو علم ہے اس سے پہلے کی تاریخ ایک خیالی کہانی ہے۔ جسے اہل علم نے سوچ بچار کے بعد تیار کیا ہے اور اپنے گمان سے ابتدائی تاریخ کو پتھر، تانبے اور لوہے کے زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کے بعد کی تاریخ میں مختلف قسم کے واقعات کا بیان ہے۔ پہلے قدیم ممالک جیسے مصر، بابل، چین، ہند، یونان اور روم

کا ذکر ہوتا ہے پھر تاریخی لحاظ سے مغرب کے تاریک زمانوں کا، جبکہ مشرق وسطیٰ میں اس وقت اسلام کی بدولت روزِ روشن کا سماں تھا۔

انسانی تہذیب و تمدن کی جو تاریخیں ہمیں ملتی ہیں ان کے ابتدائی حصے خیال آرائی۔ دفن شدہ عمارتوں، ٹوٹے پھوٹے برتنوں، زیورات اور ہتھیاروں کے ٹکڑوں اور مذاہب کی کتابوں کی مدد سے تیار کئے گئے ہیں، انہی تاریخوں میں انسان نے جو دینی اور دنیاوی علوم حاصل کئے ہیں، ان کی تاریخ بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتدا سے اسے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ جو تعلیم دی اس کی تاریخ بھی اسی میں ہے اور نہایت نامکمل حالت میں میسّر ہے ابتدا میں جو نبی اور رسول آئے اور اللہ کی طرف سے ہدایات لائے ان کی اصل کتابیں انسان نے ضائع کر دی ہیں۔ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہے کہ شروع میں انہوں نے کیا کیا ہدایات اور کیا کیا تعلیمات دیں۔ ان میں آپس کا کیا فرق تھا۔ اور ہر ہر ہادی کے زمانے میں کیا ترقی ہوتی رہی۔

ان کا ایک سلسلہ تو مشرق وسطیٰ میں ظاہر ہوا۔ جو حضرت آدم کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن بہت سے دیگر سلسلے دوسری اقوام، ممالک اور زمانوں میں پائے جاتے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی گوشۂ ارض ایسا نہیں رہا۔ جہاں ہادی پیدا نہ ہوتے ہوں، اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کیونکہ ہر باشعور انسان میں روحانی تلاش یا کم از کم امنگ اور اپج پائی جاتی ہے یہ آرزو خوف اور اُمید کے زیر اثر بڑھتی رہتی ہے ان احساسات اور جذبات کی رہبری کرنا انسان کی روح اور اس کے ضمیر کی مدد کرنا تھا۔ جس کی ذمّہ داری اللہ تبارک تعالیٰ نے لے لی تھی۔ اور جسے اس نے ہزاروں ہادی اور رہبر بھیج کر پورا کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں جو بھی قوم کسی ملک میں نمودار ہوئی اس کا رہبر ضرور رہا۔

ایشیا، یورپ اور افریقہ میں تو بڑے بڑے رہبر اور ہادی پیدا ہوتے۔ لیکن امریکہ اور آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کو وہ روحانی عروج حاصل نہیں ہوا۔ وہاں جو یورپین جا کر آباد ہوتے وہ اپنے اپنے اعتقادات میں مصروف رہے جب وہاں کی روحانی تاریخ لکھنے کا وقت آیا تو ان مصنفین کی دلچسپی روحانیت سے ہٹ کر علم البشریات اور حیاتیات کی طرف منتقل ہو گئی۔ اس کے برخلاف ہم مشرق وسطیٰ میں روحانی تاثرات اور اُن کی گہرائی کے لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ

حضرت داؤد حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت علیسیٰ اور حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم اور برگزیدہ شخصیتوں کی کارفرمائی دیکھتے ہیں۔ چین میں کنفیوشس، ہندوستان میں گوتم بدھ، سری کرشنا اور رامچندر، ایران میں زرتشت، یونان میں ارسطو سقراط اور بقراط کے اثرات موجود ہیں۔ یہ ان چند بزرگوں میں سے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ عظیم کتب الہٰی کے ظہور کا یا بڑے بڑے مکاتب خیال کی وابستگی کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان کو مقدس یا یا باکمال تصانیف مانا جاتا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ نہ بدھ مت اور نہ ہندومت، نہ زرتشت یا پارسی مت، نہ صحیفۂ ابراہیمی نہ داؤدی نہ سلیمانی نہ موسوی نہ عیسوی اب دنیا میں اصلی حالت میں موجود ہے صحیفۂ ابراہیمی داؤدی اور سلیمانی تو قطعی مفقود ہیں بعض کے اجزاء تیار کر کے اور ان کو ادل بدل کر جو کتب بنا دی گئی ہیں ان ہی کو ابتدائی کتابیں سمجھا جاتا ہے۔ ہندومت کی کتب مثلاً وید اور اُپنشد کے متعلق تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کو کس نے تیار کرایا تھا۔ زبور، توریت اور انجیل کے متعلق بھی پورے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی اصل شکل کیا تھی اور وہ کس زبان میں تھیں یہ بھی خبر نہیں کہ اصل کتابیں گئی کہاں۔ مختصر یہ کہ ساری کائنات اور سارے مذاہب کی تاریخ میں فقط ایک کتاب "قرآن" ہے جس کو شروع سے خدا کی کتاب کہا گیا اور جو اصلی زبان میں بلا ردّ و بدل اس وقت بھی موجود ہے بس اس کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اور جس کو آنحضرتؐ نے خدا کا پیغام فرما کر ہمارے درمیان چھوڑا ہے۔

یہ تو ان مذاہب کا ذکر ہے جو دنیا کے سب سے زیادہ مشہور مذاہب ہیں جو مذاہب مٹ گئے اور ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا ان کا تو ذکر ہی بیکار ہے وحشیوں کے وہ مذاہب جو محض توہمات اور رسوم کا مجموعہ ہیں وہ بھی قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ یہ ایک دلچسپ بحث ہے کہ اعلیٰ ترین مذاہب کون سے ہیں اور نچلے درجے کے کون سے سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ اس کی پہچان آسان ہونے کے باوجود اختلافات سے مفر نہیں ہے بعض مذاہب ایسے ہیں جن میں جادو ٹونے، لمبے لمبے رسوم، توہمات، ہر بات پر کفارے، ہر بات پر نذر لانے، سزا اور جزا کی بے یقینی کی وجہ سے اس قدر خوف وہراس کہ کسی اچھے عمل کی امید نہیں رہتی۔ روح کو کارخانۂ قدرت

سے ہم آہنگی نصیب نہیں ہوتی اس لئے نہ دل کو سکون ہوتا ہے اور نہ قادر مطلق سے ہم رشتگی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے مذاہب اعلیٰ درجے کے مذاہب کے زمرے میں نہیں آتے۔ بلکہ توہمات اور بے اصولی طریق زندگی کے نمونے ہوتے ہیں۔ ان کے برعکس جدید دنیا سائنسی رجحان رکھتی اور اسباب وعلل نیز دینی اور دنیاوی منازل کی تلاش میں رہتی ہے۔ اس خواہش اور ضرورت کو اہل مذاہب میں سے مغرب کے یہودیوں نے اور مشرق بعید میں بدھ مت کے جدید پیرو کاروں نے سب سے زیادہ سمجھا ہے۔ اس زمانے میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ اب روحانی تسکین کی تکمیل کے لئے دنیاوی عمل بھی ضروری ہے کیونکہ مشیت ایزدی اپنے بنائے ہوئے قانون یعنی قوانین قدرت کی جو کرامات ہوتی ہے۔ اس کے برعکس وہم اور وسواس ٹونے اور ٹوٹکے قوانین قدرت کی وقعت کو کھو دیتے ہیں۔ آئندہ زمانہ میں اُن کا مقام کم سے کم تر ہونا لازمی ہے اس جدید دنیا نے قوانین قدرت کی جو کرامات دیکھی ہیں ان سے بڑھ کر کوئی مُنی یا رشی کیا دکھائے گا۔ ریڈیو اور ٹی وی کے کمالات، چاند پر چل پھر کر واپس آجانا پانی کو اس طرح گرم کرنا کہ برتن ٹھنڈا ہی رہے۔ بڑے بڑے حسابات کی الجھی ہوئی یادداشتوں کے خلاصے ایک بٹن دبا کر بتا دینا۔ ان کے علاوہ ایسی بے پناہ طاقت جس کے آگے سینکڑوں دیو اور جنّ مجبور اور عاجز ہوں یکسر میسر ہوں۔ صدیوں پہلے کچھ بھی ہوا ہو۔ اس زمانہ میں کوئی مذہب خصوصاً کوئی نیا مذہب کسی بازیگری یا نظر بندی کے کمالات سے کامیاب نہیں ہو سکتا وہ طریقے قابل غور نہیں ہیں۔ آج کل اور آنے والے وقتوں میں جو چیزیں غور طلب ہو سکتی ہیں وہ اصل دین اور مقصدِ دین ہیں۔

فی الوقت غور وخوض کے لئے جو اعلیٰ درجے کے مذاہب ہیں ان کی تعداد تین ہے یہودیت، عیسائیت اور اسلام لیکن ہندو مت اور بدھ مت کے پیرووں کی اس قدر کثیر تعداد ان کو سچا مذہب مانتی ہے کہ ان کو بھی بڑے بڑے مذاہب میں شامل کر لینا مناسب ہے بعض لوگ سنتو طریقوں کو بھی مذہب کہتے ہیں مگر اس میں روحانیت سے زیادہ دیو مالا پایا جاتا ہے اور وطنیت کا تصور ہے۔ پارسی مذہب یا مجوسیت کا دنیا ئے اعتقادات پر بہت

گہرا اثر پڑا ہے اس لئے اس کو میں نے اپنی فہرست میں شامل کر لیا ہے اس طرح کل چھ عظیم ترین مذاہب اس وقت دنیا میں رائج سمجھے جا سکتے ہیں۔

(۱) ہندومت	جو	۳۵۰۰	برس ہوئے کہ دنیا میں آیا
(۲) یہودیت	جو	۳۴۰۰	" " " " " "
(۳) پارسی مذہب	جو	۲۶۰۰	" " " " " "
(۴) بدھ مت	جو	۲۵۰۰	" " " " " "
(۵) عیسائیت	جو	۲۰۰۰	" " " " " "
(۶) اسلام	جو	۱۴۰۰	" " " " " "

آخری پیغام ہونے کا دعویٰ اور اس کی نوعیت

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نہ کرتا ہے کہ اسلام دنیا کے اعلیٰ ترین مذاہب میں سے ہے، بلا مبالغہ ہر ایک فلسفی، ماہر مذہبیات اور مؤرخ اس حقیقت کا قائل ہے۔ کوئی انسائیکلو پیڈیا، کوئی مستند تاریخ عالم یا تاریخ مذاہب عالم اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں آپ کو یہ امر تسلیم شدہ ملے گا کہ اسلام دنیا کا عظیم ترین مذہب ہے۔ یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک سینکڑوں چھوٹے بڑے مذاہب دنیا کے مختلف خطوں اور گروہوں میں ظاہر ہوتے تھوڑے سے انسانوں اور گروہوں محدود علاقوں میں اثر پذیر ہو کر مفقود ہو گئے۔ فی زمانہ دنیا میں جن مذاہب کا بول بالا ہے ان میں مغربی اطلاعات کے مطابق معتقدین کی تعداد میں پہلا نمبر عیسائیت کا، دوسرا نمبر اسلام کا تیسرا ہندومت کا اور چوتھا نمبر بدھ مت کا ہے۔ باقی مذاہب کے پیروؤں کی تعداد مقابلتاً بہت کم ہے۔ لیکن موتمر اسلامی کی تحقیق کے مطابق مغربی اطلاعات اس معاملہ میں ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ جو تعداد ان سے ظاہر ہوتی ہے اس سے مسلمانان عالم کی اصلی تعداد بہت زیادہ ہے اتنی زیادہ کہ مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کے لگ بھگ ہے جوش و خروش کے لحاظ سے آجکل یہودیت اور اسلام سب سے آگے ہیں۔ یہودی

صدیوں تک سرنگوں رہنے کے بعد اب یکایک سیاست کے میدان میں ایک عیسائی ملک یعنی امریکہ کے ایجنٹوں کے طور پر کارنامے دکھا رہے ہیں۔ عیسائیوں نے مذہبی تعلقات سے درگزر اختیار کرلی ہے۔ کیونکہ اب ان کو مذہب سے زیادہ اپنی صنعت و حرفت میں کمال حاصل کرنے اور اپنے جمہوری طرز حکومت پر فخر ہے۔ بدھ مت سوائے چند فعال پیروؤں کے عام طور پر صدیوں سے خاموش تماشائی ہے۔ اور ہندو مت کا تعلق آج کل سوائے چند اقسام کے سماجی مسائل کے جیسے گاؤ کشی، اور فرقہ وارانہ فسادات باقی سب طرح سیکولرزم کو مناسب حال گردانتا ہے۔ یہودی مذہب کے مقابلہ میں کسی کا مدمقابل نہیں ہے کیونکہ ان کے عقائد میں مذہب کی تبدیلی کا اصول ہی نہیں ہے کوئی شخص جو یہودی نسل سے نہیں وہ یہودی نہیں بن سکتا۔ اس کے برعکس اسلام مذہبی لحاظ سے بھی سارے دیگر مذاہب کا مدمقابل ہے اور سیاست کے میدان میں بھی تمام مذاہب سے زیادہ سرگرم عمل ہے۔ بظاہر سیاست میں سب سے کامیاب عیسائی ہیں مگر ان کے نزدیک اور باقی ساری دنیا کی نظر میں یہ کامیابی عیسائیت کی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کی ہے۔ جس میں ان کے قریب ہی اشتراکی روس بھی ہے۔

مندرجہ بالا خصوصیات کے ساتھ تاریخی لحاظ سے اسلام سب سے آخر کا عظیم مذہب ہے اور اس نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ وہ اللہ کا آخری پیغام ہے یہ دعویٰ کھلے الفاظ میں کیا گیا ہے اور اس پر مسلمان فخر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب علامہ اقبال انہیں عمل پر آمادہ کرنا چاہتے تو ان سے کہتے ہیں کہ ؎

بے خبر تو جوہر آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

جب کسی مسلمان کو خداوند تعالیٰ کی یہ آخری امانت یاد آتی ہے تو اس کے دل میں احساس تشکر اور فخر کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں اور وہ اپنی ہستی کو دنیا پر اللہ کا احسان سمجھنے لگتا ہے اس کی زبان پر بے ساختہ وہ کلمے آکر الفاظ کی کم یابی سے رک جاتے ہیں جن کو اقبال

کی نوا سنجی اس کے اپنے ہی دل کی آواز بنا دیتی ہے وہ جھوم جھوم کر پڑھتا ہے ؎

دہر میں غارت گر باطل پرستی میں ہوا
حق تو یہ ہے حافظ ناموس ہستی میں ہوا
میری ہستی پیرہن عریانی عالم کی ہے
میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

اس سے پہلے کہ اس دعوے کی اسناد پیش کی جائیں یا وجوہ افتخار کو بیان کیا جائے یہ جتا دینا ضروری ہے کہ کسی اور مذہب نے جو دنیا میں آیا کبھی علانیہ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بنی نوع انسان کے لئے اللہ کا آخری پیغام لے کر آیا ہے کسی کے لئے اب سے چودہ سو برس پہلے یہ دعویٰ کرنا بھی ناممکن تھا۔ کیونکہ ہر قدو قامت کے مذاہب کی کثرت دیکھ کر کس کو ایسا خیال آسکتا تھا کہ اس کا مذہب آخری ہے۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا بھی تو جلد ہی دنیا کے واقعات اس کی تردید کر دیتے۔ بڑے سے بڑا مذہب بھی ایسا دعویٰ کرتا تو خود اسلام کا ظہور اس کو مٹا دیتا۔ ان سب باتوں کے علاوہ آخری مذہب ہونے کا دعویٰ کرنے سے کسی کو فائدہ بھی کیا تھا۔ جبکہ آخری ہونے کے اوصاف ہی کی مدعی کو خبر نہ ہو۔ میں نے اہل ہنود کو سب سے پرانے مذہب کے پیرو ہونے پر فخر کرتے دیکھا ہے۔ یہودی اس پر فخر کرتے ہیں کہ عیسائیت اور اسلام جیسے عظیم مذاہب اسی سرچشمہ سے سیراب ہوتے۔ اسلام اس سے کلیتاً انکار نہیں کرتا۔ مگر اللہ کا آخری پیغام ہونے کو اس سے بڑا وصف سمجھتا ہے۔ یہ ایک بڑا جرأت مندانہ اقدام تھا کہ آج سے ایک ہزار چار سو برس پہلے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب کبھی اللہ کا پیغام انسان کے لئے بذریعہ وحی نہیں آئے گا۔ کوئی دعویٰ اپنی سچائی کا خود ثبوت نہیں ہوتا۔ لیکن بعض دعوے نادر و نایاب ہونے کی حیثیت سے حیرت انگیز ہوتے ہیں یقین نہیں آتا کہ ایسا کرنے کی جرأت جو ایک پیشن گوئی بھی ہے۔ بغیر کسی مضبوط بنیاد کے کی گئی ہوگی۔ اگر تائید غیبی شامل نہ تھی تو اس کی ضرورت ہی کیا تھی ہاں ضرورت تھی تو اس لئے کہ مشیت ایزدی کو نوع انسان کے واسطے ایک آخری چارٹر اور خوش خبری کا اعلان کرنا تھا ورنہ خود رسولؐ خدا کو تو ان کے معتقد سارے گزرے ہوئے بڑے بڑے نبیوں اور رسولوں کے اُمتیوں کی

طرح سب سے بڑا ہادی مانتے ہی رہتے۔ یہ حقیقت اس حد تک عیاں ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ کے آنے کی خبر دے دی تھی پھر بھی یہودی اپنے ہی پیغمبر کو آخری رسول تسلیم کرتے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اطلاع دے دی تھی۔ پھر بھی عیسائی اپنے نبی کو ہی آخری نبی گردانتے ہیں ان حالات میں پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا قرآن کریم نے واقعی اپنے متعلق آخری پیغام خدا ہونے کا دعویٰ کیا بھی تھا کہ نہیں۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ دعویٰ کیا تھا اور صاف صاف الفاظ میں کیا تھا سورہ نمبر ۳۳ (الاحزاب) کی آیت نمبر ۴۰ میں ارشاد الٰہی ہے کہ :-

(محمدؐ) اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں

کتب احادیث میں بموجب متعدد روایات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایسے کلمات موجود ہیں جو اسلام کے اس مرتبہ کی تائید کرتے ہیں۔ ایک بہت صاف اور صریح روایت ترمذی میں یہ ہے کہ :-

" بیشک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی۔
میرے بعد نہ کوئی رسول اور نہ کوئی نبی ہے "

مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی تالیف "ختم نبوت کامل" میں ننانوے آیات قرآنی اور دو سو نو احادیث ختم نبوت کی تائید میں نقل کر کے دعوئے احمدیت کی تردید فرمائی ہے۔ احمدیت کے خلاف وہ طریقہ تکلم اس وجہ سے صحیح ہے کہ احمدی عقیدے کے لوگ کلام پاک اور رسالت دونوں کو سچا مانتے ہیں مگر اپنے نبی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان اسناد کو زیر نظر تحریر میں دہرا لئے کی اس وجہ سے ضرورت نہیں ہے کہ دعوے کی تائید میں مدعی کے اپنے کلمات دعوے کی تکرار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اس وقت ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ انسانیت کے لئے قرآن اللہ کا بھیجا ہوا آخری دستور ہے جس کو اس کا سب سے بڑا سفیر لے کر آیا اور خود ہم کو پڑھ پڑھ کر سناتا رہا اس کے بعد اللہ کا کوئی اور پیامبر نہ آیا اور نہ آئے گا۔ اسلام کے اس دعوئے کو دیکھ کر ایک یہ تعجب خیز حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایسا دعویٰ اسلام سے پہلے کسی اور اعلیٰ

مذہب یا اس کے رہبر نے نہیں کیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی کہ آخری پیغام کی جو صفات ہیں ان کا تصور بھی پہلے کے ادوار میں ودیعت نہیں ہوا تھا۔ ؟ نہ ایسے پیغام کی اہمیت کا احساس ہوا تھا نہ گزشتہ معتقدات انسان کے لئے آخری مذاہب تھے نہ اُن کے ماننے والوں کو ایسا خیال آیا۔

آخری پیغام کی چند خصوصیات

یہ کہنا تو آسان ہے کہ گزشتہ ادوار میں اس کی خبر ہی کسی کو نہ تھی کہ آخری پیغام کی کچھ صفات بھی ہونی ہیں۔ لیکن ان صفات کو پوری طرح سے پہچاننا اب بھی آسان کام نہیں ہے کیونکہ کوئی اس سے زیادہ نہیں سمجھ سکتا کہ جو وہ دیکھتا ہے جانتا ہے قیاس کر سکتا ہے اندازہ کر سکتا ہے اور تصور کر سکتا ہے۔ نیز ان ذرائع کی مدد سے جو نتیجے نکالے جاتے ہیں ان کی صحت کا بھی تو یقین نہیں ہوتا۔ مثلاً ہر مذہب کے اب بھی ایسے پیرو موجود ہیں جو سختی سے اپنے قواعد کی پابندی کروانے کو اپنے مذہب کی بقاء کے لئے ضروری سمجھتے ہیں' ان کو اس سے سروکار کم ہے کہ قواعد میں کوئی روح باقی بھی رہی ہے یا نہیں حالانکہ رسوم اور الفاظ پر اس قسم کا اصرار اعلیٰ روحانیت کی گواہی نہیں دیتا۔ جتنے ابتدائی مذاہب تھے ان میں لفظی اور رسمی پابندیوں کی فراوانی تھی وہ رسم و رواج، جادو ٹونے، الفاظ کو اس طرح اور اُس طرح دہرانے کے قائل تھے بلکہ اس کام میں بھی مشین کی طرح الفاظ اور رسوم کے اول و آخر کی پابندی قائم رکھنے کو اصل مذہب سمجھتے تھے اسلام کا ظہور ہوا تو اس افتاد فکر میں یکسر انقلاب آگیا آج سے چودہ سو برس پہلے خدائے علیم نے حتمی اعلان فرمادیا کہ :۔

> اللہ کو تمہاری قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری نیکیاں پہنچتی ہیں۔ الحج (۲۲) آیت نمبر ۳۷
>
> نیکی یہ نہیں ہے کہ تم (نماز کے لئے) اپنے چہرے مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف۔ البقرہ (۲) آیت نمبر ۱۷۷

اسلام کی شعائیں ہر ایک نمائش اور بناوٹ کو جلا دینے والی ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ میں عزت اور احترام حاصل کرنے کے لئے رنگ، پیشہ، نسل، جاہ، منصب وطن اور طرح طرح کی گروہ بندیوں سے جو امتیازات پیدا ہوتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے ٹوٹ کر پارہ پارہ ہو جاتے ہیں، کس قدر مختصر اور کھلا ہوا ارشاد ہے کہ:۔

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز

وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے   سورہ نمبر۴۹ آیت نمبر ۱۳

تقویٰ کو اصطلاحی حجتوں سے بلند کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہمیشہ بلند ترین تصور پیش کرتا رہے گا جس کو معتبر راویوں نے آنحضرتؐ سے منسوب کیا ہے اور جو بہ الفاظ مولانا حالی یہ ہے کہ:۔

تورع کا ہے ذات میں جن کے جوہر
نہ ہوں گے کبھی عابدان کے برابر
کرو ذکر اہل ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم

تورع کے معنی ہیں وہ پارسائی جس کا تعلق ارادوں سے اور باطنی کیفیت سے لے کر ظاہری اطوار تک ساری زندگی سے ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں عبادت بندگی کے آداب اور احکام کو پورا کرنے کا نام ہے۔ عبادت کا تعلق عمل سے زیادہ ہے۔ اور باطنی کیفیات سے مقابلتاً کم۔

غور فرمایئے کہ نیک اور پاک زندگی کا تصور بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے، رسوم، رواج، لفظی اصلاحی اور ظاہری پابندیاں کم سے کم تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ پاکی کا تصور زمان ومکان کی حدود سے بلند تر نظر آنے لگتا ہے۔ سب منزلیں اور مقاصد اسی نقطہ کی طرف راجع ہیں۔ جس طرف بڑھنے سے اختلافات مٹتے چلے جاتے ہیں اور راہیں سمٹ کر تفصیلات سے گزرتی ہوئی اس مرکز پر پہنچتی ہیں جہاں انسان اللہ کی مرضی سے بلا ظاہری رکاوٹوں کے قریب ترین ہو جاتے ۔

تعجب یہ ہوتا ہے کہ مذاہب کی اصطلاحی کشمکش اور جذباتی نفرتوں کے درمیان رسم و رواج کی تقلید، الفاظ پر اصرار اور حرکات و سکنات کی پابندیوں پر زور دینے کی دھوم دھام کے عالم میں ایک ایسا ہادی بھی اس دنیا میں ظاہر ہوا جس کی تعلیم نے مذہب کی روح اور اُس کے جسم میں صاف صاف تمیز کر کے دکھایا۔ بتا دیا کہ دین ایک چیز ہے اور شریعت دوسری چیز۔ دین اصل ہے۔ شریعت شاخ۔ دین مقصود ہے۔ شریعت منہاج، دین حاصل مطلب ہے شریعت طریقۂ اظہار، دین کعبۂ دل ہے، شریعت رہبری کا رُخ، اس فرق کو اس طرح بیان کر دیا کہ روئے زمین پر ازل سے جتنے دین آئے خواہ دنیا کے کسی خطّہ میں آئے اور کسی قوم کے لئے آئے اور کسی بھی زمانے میں آئے ان سب کو سرتاسر ایک لڑی میں پرو دیا۔ ارشاد ہوا کہ:۔

بلاشبہ یہ بات (جو کلام پاک میں ہے) اگلے صحیفوں میں تھی
یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ (سورہ نمبر ۸۷ (الاعلیٰ) آیت نمبر ۱)
اور یہی سارے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا۔ (سورہ نمبر ۲۶ (الشعراء) آیت نمبر ۱۱)
(اے محمدؐ) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے
جو تجھ سے پہلے آنے والے نبیوں سے کہا گیا تھا۔

(سورہ نمبر ۴۱ (حم السجدہ) آیت نمبر ۵)

مندرجہ بالا مضمون کی بہت سی آیات کلام مجید میں موجود ہیں جن سے عیاں ہے کہ روزِ ازل سے اللہ تبارک تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک ہی پیغام بھیجا ہے لیکن ہزاروں برس تک اس حقیقت کی خبر بنی نوع انسان کو پختہ طریقہ سے نہ ہو سکی اور نہ پہلے ہادی، نبی یا رسول اس کو صاف صاف بتا سکے کیونکہ وہ تو اپنے وقتوں اور خطوں میں جزوی خدمت انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ جب اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو ایسا مصحف لائے جس نے اس کل حقیقت کو جو ہزاروں برس سے اور سارے کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی تھی آشکار کر دیا۔ اُن ساری کڑیوں کو جو ہدایاتِ انسان کی تاریخ میں بکھری ہوئی تھیں ملا کر اُن کا ایک

سلسلہ دکھا دیا۔ بلکہ ان کا خلاصہ بھی کر کے دے دیا۔ وہ خلاصہ بلاشبہ وہی دین ہے جو سارے ادیان میں مشترک ہے۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ:۔

" اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اس پر اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب کی طرف اتارا گیا۔ اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اس پر اور جو کچھ سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان سب پر ایمان لائے "

(سورہ نمبر ۲ (البقرۃ) آیت نمبر ۱۶)

اگر دنیا کے مذاہب کی مشترکہ تعلیمات کا خلاصہ تیار کیا جائے اور ہر طرح کے دیگر اعلانات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ پھر اس خلاصے کو مقطر کر کے اس کا بھی عطر لیا جائے تو بس دو بنیادی ہدایات برآمد ہوتی ہیں:۔

ایک یہ کہ کل کائنات ایک ہی اعلیٰ ترین طاقت کے عمل کا نتیجہ ہے اور دوسرے یہ کہ اچھی زندگی بسر کرنے پر انسان کو آمادہ کرنا ساری تعلیمات کا مقصد واحد ہے۔ ان ہی دو عقائد کا نام توحید خداوندی اور تقوے کی زندگی کی اہمیت ہے۔ یہ آفاقی نظریہ بلند نگاہی اور تعلیمات کی غرض وغایت کی ایسی مختصر اور سچی کسوٹی انسان کو بخشا کسی ایسے مذہب کے لئے ناممکن تھا جو ساری انسانیت کے واسطے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ آیا ہو۔ توحید اور تقویٰ تو اصل دین ہے اس مقصد کو حاصل کرنے، اس کو قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے کے ہر زمانے میں حالات کے لحاظ سے مختلف راستے اور طریقے بتائے گئے ہیں۔ وہ طریقے ان خاص مذاہب کی شریعتیں ہیں۔ ان کا درجہ دینِ واحد کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر ہے۔

دین کے ایک ہونے کی تائید میں چند آیات اوپر درج کی جا چکی ہیں۔ مزید آیات جو اس اصلیت کی تائید کرتی ہیں اس قسم کی ہیں جیسی سورۃ بقر (۲) کی آیت نمبر ۶۲ جس میں

مختلف شریعتوں کی جو اصل ہے اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ الفاظ میں تاکید اور بیان میں جو پختگی نمایاں کی گئی ہے وہ غور و فکر سے تعلق رکھتی ہے۔ حکم ہوا ہے کہ:-

" یقین جانئے کہ نبی عربی کے ماننے والے ہوں یا یہودی
عیسائی ہوں یا صبائی جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور
نیک عمل کرے گا۔ اس کا اجر اس کے رب کے پاس
ہے اور اس کے لئے کسی خوف اور ملال کی وجہ نہیں ہے"

کوئی کسر اس بات کو جتا دینے میں نہیں چھوڑی گئی ہے کہ مقصد اول خدا کی پرستش اور نیک زندگی ہے۔ اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے جو اختلافات راستوں میں ملتے ہیں ان کی وہ اہمیت نہیں جو منزل مقصود کی ہے چنانچہ مذکورہ بالا سورہ کی آیات نمبر ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں جو صاف صاف اعلان ہے اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب اہل مذہب کو جتایا گیا ہے کہ:

" ان کا (یعنی یہودیوں کا اپنی بابت اور عیسائیوں کا ان
کی بابت) کہنا ہے کہ سوائے یہودیوں کے یا عیسائیوں
کے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ محض (ان کے دل
کی) خواہشات ہیں۔ ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو!
اگر تم سچے ہو (درحقیقت نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ
کسی اور کی) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنے آپ کو اللہ کی
اطاعت میں مصروف کر دے گا اور عملاً نیک روش پر
چلے۔ اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے
لوگوں کے لئے کسی خوف و ملال کی وجہ نہیں ہے"

مندرجہ بالا ارشادات میں دین کی اصل یا جڑ کو نمایاں کر دیا گیا ہے مختلف شریعتیں اس کی شاخیں ہیں جو زمان و مکان کی نسبت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ کے سارے

بندوں کی ایک ہی شریعت ہوتی اور ان کی کُتب مقدّس میں کہیں فروعی اختلاف نہ ہوتا اس فرق کو نہ پہچاننے سے آپس میں سخت اختلافات بلکہ دشمنیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ دین اور شریعت کو برابر گردان لیا گیا ہے حالانکہ دین روح ہے اور شریعت اس کا جسم ہے۔ جسم کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اللہ نے ایک جان اور متعدد قالب پیدا کئے۔ کیونکہ اس میں مصلحت جسم کے ارتقا کی تھی۔

دین کے ایک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ ہوتا اگر اہل مذاہب نے بلکہ اُن کے قائدین نے اس میں تبدیلیاں کر کے اپنے اپنے مذاہب کو اپنی حسب مرضی مسخ نہ کر دیا ہوتا اس زمانہ میں کوئی باخبر شخص اس واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندومت، بدھ مت یہودیت اور عیسائیت کی وہ دینی کتابیں اب اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں جن کو ان مذاہب کے اوّلین ہادیوں نے ان کو دیا تھا۔ قدیم ترین مذاہب کی اصلی کتابوں کی تو پُوری طرح خبر تک نہیں ہے۔ بعد کے مذاہب کی کتب جیسے بائبل کو جس میں توریت اور انجیل شامل ہیں جان بوجھ کر بدلا گیا ہے۔ بلکہ یہ عمل اب تک جاری ہے۔ جو کتابیں ان مذاہب کی اب تک موجود ہیں ان میں سینکڑوں تبدیلیوں کا ہونا تاریخ مذاہب سے ثابت ہے اور یہی کلام پاک کا ارشاد بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:۔

"ابتداءً سارے انسان ایک ہی اُمّت تھے بعد میں
انھوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لئے۔"
(سورہ نمبر ۱۰ ا یونس) آیت نمبر ۱۸)

سارے انسان ایک اُمّت اس طرح تھے کہ سب کسی نہ کسی صورت سے ایک ہی حاکم اعلیٰ کو ظاہر و باطن کا مالک و قادر تسلیم کرتے تھے۔ اور نیک زندگی بسر کرنے ہی کو صحیح طریقۂ حیات جانتے تھے۔ بعد میں جب کچھ تفصیلات کے ساتھ ہدایات آئیں تو اُن کے خیالات

میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان تبدیلیوں کی اصلیت یہ تھی کہ ہدایات میں طرح طرح کی جہتیں نکالی گئیں جو ان ہدایات میں آمیزش کا سبب بن گئیں۔ چنانچہ کلام اللہ نے اپنے آخری رسول کو اطلاع دی کہ:

"اور اے محمدؐ! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی (جس کے ساتھ یہ ماجرا نہ گزرا ہو) مگر جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اللہ اس کو دور کر دیتا ہے"۔

(سورہ نمبر ۲۲ (الحج) آیت نمبر ۵۲)

تعجب کی بات ہے کہ اختلافات نادانوں نے نہیں بلکہ خود ہدایت پانے والوں نے پیدا کئے یہ حقیقت بھی خدا پر خوب روشن ہے اسی کا یہ اعلان ہے کہ:

" اختلافات ان لوگوں نے کئے جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انھوں نے روشنی ہدایات پالینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکال لئے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے"۔

سورہ نمبر ۲ البقرۃ آیت نمبر ۲۱۳

یہ خرابیاں سارے عالم انسانیت میں پیدا ہو گئیں چنانچہ اُن کی درستی کے لئے ایک نبی آخر میں بھیجا گیا۔ اس نے کسی ایک قوم، ایک ملک یا ایک مذہب کی بات نہیں کی بلکہ ساری دنیا کو مخاطب کر کے ہدایات کی اصل اور فروعات بتا دیں جس سے وحدتِ دین کی استقامت اور شرائع میں تغیر و تبدل کا راز کھل گیا اور اُس کے ساتھ کل بنی نوعِ انسان کی تدریس کی حقیقت معلوم ہو گئی ۔

اختتامِ تدریس

یہ سب تیاری اُس منزل تک پہنچنے کی تھی. جہاں ساری گزشتہ تعلیمات کا جائزہ لے کر اُن میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی نشاندہی کر دی جاتے. بلکہ ان خرابیوں کے جو اسباب تھے ان کو بھی جتا دیا جاتے یہ بات صاف صاف بتا دی جاتے کہ دین کا خلاصہ ازل سے اب تک اور ہمیشہ کے لئے اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنا ہے تاکہ پاک اور اعلیٰ زندگی دنیا کا طریق ہو جاتے. اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے راستے مختلف زبانوں میں مختلف اقوام اور ممالک کے لئے حسب ضرورت اور حسبِ موقع بہت سے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ متعین فرمائے تھے. وہ سارا انتظام ایک ہی مالک قادر کی طرف سے نوعِ انسان کو تعلیم دینے کے لئے کیا گیا تھا. ممکن ہے کہ اس کے بھیجے ہوتے رُسولوں نے بعض اقوام کو بعض حالات میں وحدانیت کا سبق ظاہری علامات کے ذریعے بھی دیا ہو. کیونکہ ابتدا میں انسان کا ذہن ایسے خیالات کو اخذ کرنے کے قابل نہیں تھا جو قطعی بے اندام اور انسان کے تصّور سے بالاتر ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کا وجود حقیقت میں ہے اور ممکن ہے کہ اس ہدایت کو اہل شر نے مسخ کر کے بت پرستی اختیار کر لی ہو. اس بداندیشی سے یہ حقیقت نہیں بدلتی کہ نبی نوعِ انسان کو ہمیشہ وحدانیت اور تقوے ہی کی تلقین کی گئی اس ہدایت کی شہادت اب باقی نہیں رہی. کیونکہ سارے پُرانے مذاہب کی آسمانی کتابیں برباد اور مسخ ہو گئیں. آخر کار اب اللہ تعالیٰ نے خود یہ ذمہ لیا کہ قرآن مجید کو محفوظ رکھے گا. یہ وعدہ سورۃ الحجر نمبر ۱۵ کی آیت نمبر ۹ اور سورۃ القیٰمۃ (نمبر ۷۵) کی آیت نمبر ۱۷ میں کل کلام اللہ کے ساتھ اس وقت تک محفوظ ہے اور گزشتہ چودہ سو برس سے آپ اپنی سچائی کا ثبوت ہے جس کو سچے مخالف بھی نہیں جھٹلا سکے

وحدانیت کی تائید کے لئے جو تیاری پہلے سے ہو چکی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدِ اسلام کے بعد وہ ازلی اور ابدی سبق اپنی صاف، ستھری اور خالص حالت میں نوعِ

انسان کو از بر ہو گیا۔ بقول مولانا سلیمان ندوی:۔

"خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی۔ متفرق قومیں (تخلیق، تعلیم اور انجام کے رشتوں سے) پیوستہ ہو گئیں۔ زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے اور توحید کامل کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہو گیا (بتوں کے پوجنے والے بھی وحدت پرست ہو کر بتوں کو فقط توجہ کا مرکز کہنے لگے) اور خدا کے تمام رسولوں کو سچا اور صادق ماننے کا ولولہ (عام ہو کر) ترقی پانے لگا۔ یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں ان دونوں صداقتوں کو اصولاً تسلیم کر لیا"

سیرۃ النبی۔ جلد چہارم صفحہ ۶۲۸

سبق وہی ہے جو شروع سے دیا گیا تھا۔ اسلام دین بھی وہی ہے جو ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ داؤدؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا جا چکا ہے۔ فرق اس قسم کا سمجھنا چاہئیے کہ جیسا تاریخ کی ان کتابوں میں ہوتا ہے جو ایک ہی ملک کے متعلق چھٹی جماعت سے لے کر ایم اے تک کے طالبعلموں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ مضمون کی وسعت اور گہرائی بدلتی رہتی ہے لیکن مضمون وہی رہتا ہے۔

یہ فرق اہلِ ذوق اور اہل علم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اس فرق کی چند مثالیں یہ ہیں کہ قانون کے ایسے ماہرین جو ارسطو کی منطق کے نظریات سے متاثر ہیں الفاظ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ مگر اسلام کا مزاج یہ ہے کہ بڑے بڑے مسائل جیسے دین اور دنیا کے معاملات کے فرق کو بھی نیت کے فرق پر چھوڑتا ہے۔ یہ ایک مشہور مقولہ ہے کہ انما الاعمال بالنیات ان مختصر سے الفاظ کا معنوی اثر طریقۂ حیات پر بہت دور رس پڑتا ہے۔ یہ بہت بڑا فرق ہے۔ اسی طرح اسلام میں سزا اور جزا کا تعلق عالم غیب کی بے وجہ خفگی یا ناراضی سے نہیں

بلکہ اعمال کی نوعیت سے ہے مالک مطلق کا ہی بتایا ہوا یہ اصول بھی ہے کہ جو جیسا کرتا ہے اس کا نتیجہ ویسا ہی مرتب ہوتا ہے (سورہ نمبر ۱۷ آیت ۸۴) تیسری مثال یہ ہے کہ جنت کا بیان کلام پاک میں ایسا مکمل موجود ہے کہ آنکھوں کے سامنے ان کیفیات کا نقشہ پھر جاتا ہے لیکن وہ بیان عیش پرستی کی دعوت نہیں بلکہ اس راحت کو سمجھانے کے لئے ہے جن کا فقط روح ہی کو تجربہ ہوتا ہے ایسی مثالیں دی گئی ہیں جن کو انسان کا ذہن آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(سورہ نمبر ۴۷ آیت نمبر ۱۵)

یہی صورت دوزخ کی بیان کی ہے کہ اس کرب کا اندازہ بھی بغیر مثالوں کے مشکل ہے روحانی تسکین اور ایذا کی تصویر کشی کر کے کسی اور مذہب نے اچھائی اور برائی کا فرق نہیں سمجھایا اس کے علاوہ یہ بھی دین اسلام کی خاص تعلیم ہے کہ سارے انسان خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے حقوق انسانی میں برابر ہیں۔ ان میں برتری ہے تو بس اس کی کہ وہ کس قدر تقوے کی زندگی بسر کرتے ہیں (سورہ نمبر ۴۹ آیت نمبر ۱۳) اس قسم کی مساوات اور برتری کی اس صفت کا کسی اور مذہب میں تصور تک نہیں ہے ایک اور حیرت کی بات یہ ہے کہ دین اسلام میں جبر و اکراہ کی ممانعت اس حد تک ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے حبیب سے مندرجہ ذیل انداز میں خطاب کیا۔ آنحضرتؐ سے ارشاد ہوا کہ:۔

"کہ اگر تیرے رب کی یہ مشیت ہوتی (کہ زمین میں
سب مومن اور فرمانبردار ہی ہوں) تو سارے اہل
زمین ایمان لے آئے ہوتے پھر کیا تو (اے محمدؐ)
لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔"

(سورہ نمبر ۱۰ آیت نمبر ۹۹)

انصاف کی اس قدر تاکید ہے کہ دشمنوں اور دشمن قوموں سے بھی انصاف ہی کرنے کی تنبیہ ہے (سورہ نمبر ۴ آیت نمبر ۱۲۵ اور سورہ نمبر ۵ آیت نمبر ۸) حکم ہے کہ تم کو دشمنوں پر غصہ

ہو تو بھی ان پر نارواز یادتیاں نہ کرو (سورہ نمبر ۵ آیت نمبر ۲) اس روحانی خلوص کی تعلیم کے ساتھ قدم قدم پر غور وفکر کرنے کا حکم ہے۔ تفکر اور تدبر کی طرف سے بے پروائی برتنے والوں کے لئے ذات باری کی خفگی ان الفاظ میں موجود ہے:۔

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ اِن سے سوچتے نہیں
اِن کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔
ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ
جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔
یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں"

(سورہ نمبر ۷ آیت ۱۷۹)

غور وفکر کرنے کی تاکید حالات زندگی کے متعلق ہی نہیں ہے۔ کائنات کے متعلق بھی ہے بلکہ خود کلام اللہ کے متعلق بھی ہے اور اس قدر شدت سے ہے کہ خوف آتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:۔

"(مومن وہ ہیں کہ) جنہیں اگر رب کی آیات سنا کر نصیحت
کی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے"

(سورہ نمبر ۲۵ آیت نمبر ۷۳)

غور وفکر کرنے پر یہ اصرار اگر حصول علم کو فرائض کا درجہ نہیں دیتا تو اور کیا ہے۔؟ جو قوم ایسے دین کی پیرو ہو اور وہ دنیا کی علمی قیادت حاصل نہ کرے تو وہ یقیناً کہیں نہ کہیں کسی بڑی بھول میں مبتلا ہے اس کے قائدین کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ندامت کے آنسو بہانا چاہیئے۔

یہ سب اور اس کے علاوہ بہت کچھ سکھانے، جتانے اور بتا دینے کے بعد آنحضرتؐ نے ۱۱ھ مطابق ۶۲۳ء میں حج وداع ادا فرمایا۔ متعدد روایات ہیں کہ حضورؐ کو اندازہ ہو رہا تھا

کہ تلقین دین کا کام انجام کو پہنچ رہا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کے پاس جانے کا وقت آرہا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ارشاد کر دیا کہ شاید آنحضورؐ کو دوسرے حج کا موقعہ نہ ملے۔ اسی خطبہ میں سامعین کے جم غفیر کو گواہ بنایا کہ میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے تو جواب میں صحابہ نے عرض کی کہ ہم اللہ کے حضور میں کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔ اسی حج کے موقعہ پر عین عرفات کے میدان میں خدائے عزّوجل نے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری سنائی کہ:-

"آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کیا۔"

سورہ نمبر ۵ (المائدۃ) آیت نمبر ۳

اس آیت کریمہ کے نزول کا وقت عصر کا تھا، تاریخ ذی الحجہ کی نو اور سنہ ۱۰ھ تھا رسول اللہؐ کے سب رفقا کو جو اس وقت موجود تھے اس اعلانِ الٰہی کا علم ہوگیا۔ اُن میں حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے اس وحی کو سُن کر اُن کے آنسو نکل آئے اس پر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ تو خوشی کا وقت ہے کہ اللہ نے آج ساری نعمتیں ہم پر مکمل کر دی ہیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہیں رہیں گے۔ کیونکہ ان کے فرائض منصبی انجام کو پہنچ گئے ان کے یہ نتیجہ نکالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب کو حضور اقدس کی حیات بس ایک خدمت کی انجام دہی سے وابستہ نظر آتی تھی سب کو معلوم تھا کہ وہ دُنیا میں کسی اور غرض سے نہیں آئے تھے۔ صدیق اکبرؓ کا اندازہ صحیح نکلا۔ کیونکہ آنحضرتؐ اس کے بعد کل ۸۱ روز اس دُنیا میں رہے بعض علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ اس وحی کے بعد پھر کوئی آیت احکام سے متعلق نہیں آئی خود آنحضرتؐ اپنے کام کی تکمیل سے مطمئن ہو گئے تھے سنن ابن ماجہ میں حدیث مروی ہے کہ:-

"میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کی مانند ہے۔"

یقیناً اُس زمانہ کا امن وامان، آپس کی محبت اور خلوص، پر اثر حکومت، قوم کا دنیا بھر میں وقار اللہ سے لوگوں کے دلوں کا لگاؤ۔ افراد میں اطمینان، ہر طرح کی روزافزوں بہتری اسلام اور مسلمانوں کو ہر طرح کا عروج۔ یہ محسوس ہوتا ہوگا کہ سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کی کشتی میں سوار ہیں۔ وہ ایک سمندر میں رواں ہے جس کا پانی پرسکون اور ٹھنڈا ہے۔ فضا چڑھتے ہوئے آفتاب کی ضیاء سے روشن ہے اطراف کے سبزہ زاروں کے رنگ نکھر گئے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے ہوا معطر ہے اس کشتی کو دنیا حیرت سے دیکھ رہی ہے۔ اب آنحضرتؐ کو اس دنیا میں رہنے کی خواہش نہ تھی اب وہ وقت بھی نہ تھا کہ بدر کے میدان میں آپؐ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی تھی کہ:۔

"خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ (فتح کا) کیا ہے آج
پورا کر ... اگر (مسلمانوں) کے یہ چند نفوس آج مٹ
گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائیگا۔"

اب یہ وقت تھا کہ مولانا شبلی نعمانی سیرت النبی کے حصہ دوم میں کہتے ہیں کہ:۔

"آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ
نمودار ہوا۔ جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا۔"

اور آنحضرتؐ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ:۔

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔"

ختمِ نبوت کی ضرورت اور اثرات

اُوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ تعلیم اور تدریس میں فرق ہے۔ تدریس کے لئے اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو شخص استاد سے پڑھتا ہے وہ شاگرد ہوتا ہے۔ شاگردی کے بعد بھولنے کا زمانہ نہیں بلکہ اپنی کوشش سے علم حاصل کرنے کا زمانہ آنا چاہیئے۔ جو لوگ دُنیا کے کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں وہ بھی دُنیا کے تجربہ سے سیکھتے ہیں۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ ساری زندگی ایک

سبق ہے۔ طالب علمی جاری ہی رہتی ہے جن کا تعلق علم و ہنر سے ہوتا ہے وہ اپنا علم و ہنر بڑھاتے ہیں نئے تجربے اور قسم قسم کی ایجادات کرتے ہیں تاکہ اپنی، اپنی اولاد کی، اپنی ملت کی اور بنی آدم کی زندگیاں سنواردیں۔ یہ شرط ضرور ہے کہ اتنی تعلیم اور قابلیت حاصل کرلی ہو کہ پھر اپنے آپ غور و فکر کرسکیں اور راستوں کا کوئی نقشہ روایتی یا درایتی ذہن میں ہو اسلام کی راہ میں پہلی شرط اس طرح پوری ہوچکی ہے کہ کائنات کے پیدا کرنے والے نے اسلام کے نام سے انسان کو فارغ التحصیل ہونے کی یہ سند کھلے دل سے دے دی کہ :

" آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا "

راستوں کا نقشہ بھی اسی پروردگار نے سمجھا دیا۔ متعدد بار جتا دیا کہ :-

" کتاب ہم نے نازل کی ہے۔ یہ برکت والی ہے پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو "

(سورہ نمبر ۶ آیت نمبر ۱۵۶)

کوئی ہدایت اور کوئی سبق کافی نہیں ہوسکتا اگر انسان میں سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا شعور نہ ہو۔ اس شعور کو پیدا کرنا طرز تعلیم اور استاد کا کام ہے۔ جو شعور اُستاد ملت نے پیدا کیا اس کی روشن ترین مثال حضرت عمر فاروق ؓ کی حکومت، اُن کی دوربینی اور ان کی فقہ ہے ایسے بے مثل شاگردوں کی تعلیم اور تربیت سے زیادہ عظیم کارنامہ اس اُستاد اُمت، معلم انسانیت اور رسول خدا کا یہ ہے کہ اس نے خدا کی مرضی سے تدریس کی ضرورت ہی کو ختم کر دیا۔ تدریس کا یہ کمال ہے کہ حد تدریس تک تعلیم دے کر خدا تعالیٰ نے وحی کا وہ پرانا مدرسہ ہی برخاست کر دیا اب نہ وحی آئے گی اور نہ مزید رسول آئیں گے۔ اس لاجواب صفت کی حقیقت کا کچھ بیان ڈاکٹر اقبال کی زبانی سنیئے۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کے پانچویں باب میں فرماتے ہیں کہ :-

" اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہذا اس کا خاتمہ ضروری ہوگیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان

ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا اس کے شعورِ ذات
کی تکمیل ہوگی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے
..... اگر ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا عقیدۃً یہ بھی مان
لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا
تعلق چونکہ کسی مافوق الفطرت سرچشمے سے ہے اس لئے ہم
پر اس کی اطاعت لازم آتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے
تو خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے۔"

اختتام نبوت کے تصور سے ایک عظیم اور حسین آزادی اُمت مسلمہ کو ودیعت ہوئی ہے اب اُمت محمدی کا اپنا فرض ہے کہ اُس علم کو جسے خدائے قدوس نے آنحضرتؐ کے توسط سے اس کو بخشا ہے خود سمجھ سوچ کر استعمال کرے نئی راہیں تلاش کرے۔ نئی نئی بلندیوں پر گامزن ہو تا کہ نظر وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے۔ تدریس کی اس آزادی کی مدد سے جو اپنے آپ پر اعتماد اور ہمت خاص پیدا کرتی ہے دنیا کے لئے مثال بنے۔ یہ مثال ایمان میں۔ کردار میں علم و ہنر کی قیادت میں، طریقۂ حکومت میں حصول طاقت میں انصاف گستری اور تسخیر فطرت میں کارفرما ہو۔

جس رسولؐ نے خدا کے حکم سے یہ سب کچھ بخشا۔ بے مانگے بخشا، بے معاوضہ بخشا، مایوسی کو ناجائز قرار دیا۔ اور قانونِ قدرت پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔ مزید یہ کہ ان کاموں کے لئے جس خود اعتمادی کی ضرورت تھی اس کو بہم پہنچانے کے واسطے ہر طرح کے سبق دیتے پھر خدائے عزّوجل سے تدریس کے مکمل ہو جانے کی سند بھی دلوادی۔ اس طرح انسان کو سبق آموزی کی پابندیوں سے آزادی دلا کر پوری طرح ذمہ دار بنا دیا۔ اُس کو ہی ہر چیز کا چارج دلوادیا۔ اور خود عالم اعلیٰ کو اپنے رب کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے وقت خود اُمت ہی کو گواہ بنایا کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ اگر وہ رسولؐ مظہر تکمیل نبوت نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟

تاریخی ثبوت

تکمیل نبوت اور رسالت کا لازمی نتیجہ تھا کہ ختم نبوت بھی ساتھ ہی ہو جائے۔ تکمیل نبوت کا ثبوت تو معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق معیار سے ہے۔ مگر ختم نبوت ایک واقعہ ہے وہ تو بعد میں آنے والے نبیوں اور رسولوں کی عدم موجودگی سے سامنے آجاتا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ عظیم مذاہب کی تعداد جتنی اس دن تھی جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اتنی ہی تعداد آج بھی ساری دنیا مانتی ہے۔ نبوت اور رسالت کے بہت سے دعویدار پیدا ہوتے بہت سوں نے اسلام میں اور دیگر اعلیٰ مذاہب میں بھی فرقے بنا دیئے اور جو بھی اُن کے دائروں سے باہر رہا ان کو کافر و مرتد کہا۔ لیکن پچھلے ایک ہزار چار سو سال میں کسی نے کوئی ایسا نیا مذہب قائم کر کے نہیں دکھایا کہ آج دنیا اس کو مذکورہ بالا عظیم مذاہب کے زمرہ میں گن کر ساتواں عظیم مذہب تسلیم کر لیتی۔ یہ کام اگر ہو سکتا تو اس کے لئے وقت کم نہ تھا۔ کیونکہ مذکورہ چھ مذاہب کے ظہور میں ان کے آپس کا فاصلہ کبھی چودہ سو سال کا نہیں ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات بدل گئے ہیں اب تو فاشزم اور کمیونزم جیسے مادیت پسند عقیدے جنم لے سکتے ہیں۔ کوئی نیا روحانی مذہب وجود میں نہیں آسکتا کیونکہ روحانیت کی جو بلندیاں انسان کے لئے مہیا کی جاسکتی تھیں وہ سب میسر ہیں اور دین و دنیا کی حدود کو جس قدر ملایا جا سکتا تھا۔ اس قدر اسلام نے ملا دیا ہے اقبال کے بقول ؎

"در دنیا از کلید دیں بکشاد"

اس حکمت میں اب کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے گنجائش ہے تو اس کی کہ انسان اپنی عقل اور تجربہ سے روحانیت اور مادیت کے توازن کو سمجھے اور اس کو قائم رکھے۔ یہ توازن حالات کے مطابق بگڑتا اور سنورتا ہے اس کو قائم رکھنا یا نہ رکھنا دوراندیشی اور بداندیشی کا کام ہے ہر لحظ استاد کی ہدایت کا نہیں۔ اب تدریس نہیں بلکہ از خود تعلیم درکار ہے اور اس کا موقع اسلام نے بخشا ہے۔

آزادئ عمل

تکمیل نبوت، ختم رسالت، نوعِ بشر کو شاگردی سے کامل فراغت اور فقط چند اُصولوں کے ماتحت انسان کو پوری آزادئ عمل۔ یہ سب نعمتیں اُسی ایک رسول اور نبئ آخر کی بدولت میسر ہوئیں جس نے دنیا سے جاتے وقت ہم کو کسی پادری یا پروہت کے سپرد نہیں کیا بلکہ راہِ قرآن دکھا کر ہمارا ہاتھ براہِ راست اللہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ہم سے ہمارے ربّ نے کہا ہے کہ :۔

"لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کریں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔"

سورہ نمبر ۱۰ (یونس) آیت نمبر ۵۷

اُمّت محمدی نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے ہیں اب پھر کلام پاک اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے زیرِ آسمان کھڑی ہے اب خود اُسی پر منحصر ہے کہ کس طرف بڑھے، کس انداز سے اور کس رفتار سے بڑھے۔ خدا اور اس کے حبیبؐ نے اس کا مستقبل خود اسی کے عمل پر چھوڑ دیا ہے یہی سب سے بڑا ثبوت تکمیل رسالت اور سب سے بڑی نعمت ختم نبوت کی ہے ہاں یہ ضرور صحیح ہے کہ آزادیِ عمل بڑی ذمہ داری ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت طیبہؐ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسما و القاب کے آئینے میں

* ڈاکٹر سید عبداللہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سرور کائنات کی حیات پاک اور اسوۂ حسنہ کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے اور آپؐ کے فضائل و شمائل کی جزئیات و تفصیلات کو جمع کرنے کے لئے اتنی توجہ اور محنت صرف ہوئی ہے کہ آج تک کسی دوسرے فرد واحد کے لئے نہیں ہوئی۔ یہ بات عرصہ ہوا سپرنگر اور مارگولیتھ جیسے معاندوں نے لکھی تھی، اس قول پر ایک صدی کے قریب گزر گئی ہے اور اس عرصے میں وافر وسیع ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس بیان کی صداقت کا وزن اور بھی بڑھ گیا ہے۔

برصغیر میں قیام پاکستان کے بعد خصوصاً ماضی قریب میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحثیں ہوئیں اور ابھی بہت کچھ ہے جو توجہ طلب ہے۔

موجودہ شذرے میں میرا موضوع ہے: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، حضورؐ کے

---

* چیئرمین اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

اسمائے مبارک والقاب کے آئینے میں! ممکن ہے میرے علاوہ کسی اور نے بھی اس پر قلم اُٹھایا ہو لیکن ؎

مرا معنیٔ "تازہ" مدعا است
اگر گفتہ را باز گویم رواست

اس سلسلے میں ایک عمدہ کتاب الصالحی شامی (۹۴۲ھ) کی سُبُل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ہے۔ مصنف کا پورا نام محمد بن یوسف چھپوائی ہے۔ ۱۳۰ جلدوں میں ایک ہزار ابواب پر مشتمل ہے (ابھی چار جلدیں ہی آئی ہیں۔ اس ضخیم کتاب میں میرے آج کے موضوع کے قریب، ایک باب آنحضرتؐ کے اسما و القاب کے بارے میں ہے۔ پہلی جلد کے آخر میں (ص ۵۰۰) حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر کے تشریح کی گئی ہے اور اس سے قبل ایک فصل میں پانچ خاص اسمائے مبارک کا تذکرہ اور تشریح ہے (ص ۴۹۴) جن کے متعلق یہ حدیث ہے:

انا محمدٌ وانا احمد، وانا الماحی الذی یمحو اللّٰہُ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناسَ علی قدمی، وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبیٌّ۔

ترجمہ: میں محمدؐ ہوں، میں احمدؐ ہوں، میں وُہ مٹانے والا ہوں جس کے ذریعے اللہ کفر کو محو کرتا ہے۔ اور میں وُہ حاشر ہوں جس کے قدموں پر تمام لوگوں کا حشر ہوگا اور میں وہ عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

مگر یہ خاص اسماء اپنے خاص وجود سے ہیں، القاب اور ناموں کی کثیر تعداد ایسی ہے جو قرآن و حدیث میں ہے اور ان کو سامنے رکھ کر حضورؐ کی مکمل سیرۃ مرتب کی جا سکتی ہے۔

حضورؐ کے اسمائے مبارک کی فہرست مجمل بھی ہے اور مفصل بھی۔ لیکن میرے مدِّ نظر صرف وہ اسماء ہیں جو قرآن مجید اور حدیث میں مذکور ہوئے ہیں۔ یہ فہرست طویل ہے (ملاحظہ ہو ضمیمہ الف) اسم خاص محمدؐ کے علاوہ احمدؐ محمود اور حامد بھی معروف ہیں اور قرآن سے ثابت ہیں اور القاب میں رحمۃ للعالمین بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ میں اس وقت صرف چند القاب کو موضوع بحث بنا رہا ہوں۔ یہ بتانے کے

لیے کہ سیرہ رسول پاکؐ کے بنیادی مآخذ کا مستند ترین حصہ قرآن و حدیث میں اسما و القاب کی صورت میں موجود ہے۔ سب سے پہلے وہ القاب آ رہے ہیں جو درج ذیل آیت میں ہیں۔

یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ، سراجا منیرا۔ (الاحزاب - ۶)

اسمائے مبارک کی اس فہرست میں تین القاب مبارک شاہد مصدّق اور سراجًا منیرا کی اپنے مقصد خاص کے تحت تشریح کروں گا۔ حضورؐ کو شاہد کا لقب کیوں دیا گیا ہے۔ تفاسیر میں بہت سی تعبیریں ملتی ہیں۔ امام رازیؒ سے لے کر سید قطب اور مفتی محمد شفیع تک تقریباً سبھی یہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ قیامت کے روز اپنی اُمت اور اُممِ سابقہ کے اعمال کے بارے میں بلکہ انبیائے سابقہ کے بارے میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ بھی کہ کس نے کیا کیا عمل کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تعبیر بھی درست ہے۔ لیکن سیرت کے نقطہ نظر سے اگر ہم شاہد اور مصدق دو القاب کو یکجا کر کے غور کریں تو ہمیں دو خاص نکات ملیں گے۔ ایک تو یہ آپؐ قدیم اور جدید دنیا کے درمیان ایک رابطہ اتصال کا درجہ رکھتے ہیں اور دونوں کے شاہد اور تصدیق کنندہ ہیں کے علاوہ عقبی حیات موجودہ میں بھی آپؐ ایک معیار حقیقی ثابت ہوئے۔ یعنی پچھلی تاریخ نے انسانوں کے لیے جو اسباق اور عبرتیں مہیا کیں ان کی شہادت آپؐ نے دے کر دنیا کے لیے ایک اخلاقی و روحانی معیار کی تصدیق کی اور اپنے عمل سے اس کی شہادت دی جس کے سوا انسان نہ فوز و فلاح پا سکتے ہیں نہ سعادت سے بہرہ ور ہو سکتے۔ آگے چلیے لقب مصدق اور الحجۃ البالغہ کے بھی یہی معنی ہیں کہ حق و باطل اور کامیابی کے اُصولوں کی اور معیاروں کی آپؐ نے شہادت بھی دی اور اس کی تصدیق بھی آنے والی انسانیت کے لیے پیش کی۔ علامہ طہطاوی نے اپنی کتاب رسول اللہؐ فی القرآن الحکیم میں بھی کچھ اسی قسم کا ارشاد کیا ہے واضح ہے کہ ان دو لفظوں کے ارد گرد حضورؐ کی پوری سیرہ اور پورے احکام قرآنی لپیٹے جا سکتے ہیں۔

امام صالحی شامی نے (جن کا ذکر سطور بالا میں آیا ہے) القاب کی جو طویل فہرست دی ہے اس میں سے قرآن و حدیث کے مزید القاب، نبی الرحمہ، رسولؐ من انفسکم، داعی اللہ باذنہٖ، ارجح الناس عقلاً، الاعلم باللہ، اشجع الناس، الآمن، الاصدق، الحکیم، سید الناس، سید وُلد آدم، الفاتح، الکامل، القیم التقوی، اور

دیگر القاب درحقیقت سیرۃ رسول پاک کے وہ آئینے ہیں جن کے اندر حضور کی مکمل حیات پاک منعکس ہے اور ان القاب میں سے ہر لقب کو واقعات شمائل کے چوکھٹے میں چست کیا جاسکتا ہے لیکن اس وقت میں صرف دو القاب کے مزید تجزیے کی کوشش کروں گا یہ القاب ہیں قرآنی لقب سراجاً منیرا اور حدیث کا ایک لقب سیدالناس پہلے سراجاً منیرا کو لیجیے۔ سراج کے معنی ہیں چراغ اور مُنیر کے معنی ہیں روشنی دینے والا مفسرین کی اکثریت نے سراج کے معنی چراغ کیے ہیں جو لغوی طور سے صحیح ہیں۔ قرآن مجید میں آفتاب کو بھی سراج کہا گیا ہے اور چاند کو بھی اور منیر کا لفظ بھی دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس کے باوجود مجموعی طور سے دیکھا جائے تو خود قرآن مجید ہی کی شہادت کی بنا پر سراج کا خصوصی اطلاق سورج شمس پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قاری محمد طیب نے اپنی کتاب آفتاب نبوت میں لکھا ہے اور درج ذیل آیت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰت طباقاً ہ وجعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس سراجاً ہ

ترجمہ: کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو سراج بنایا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہوں میں چاند اور سورج اگرچہ دونوں سراج اور منیر بتائے گئے ہیں مگر خصوصیت سے سراج منیر آفتاب ہی ہے اور اس کا یہ مفہوم اور بھی واضح ہوتا ہے جب ہم سب متعلقہ آیتوں کے ساتھ اس آیت کو ملا کر پڑھتے ہیں۔

وبنینا فوقکم سبعاً شداداً ہ وجعلنا سراجاً وّھاجاً (سورہ ۱۷، آیت ۱۵،۱۶)

وّہاج کے معنی روشن بھی ہیں اور شدید گرم بھی ــــــ اور ظاہر ہے کہ یہ صفت صرف سورج کی ہے چاند تو صرف روشنی دینے والا جرم ہے ــــــ اور وہ بھی سورج سے مستعار لے کر۔

یہاں تک تو ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں، سراجاً منیرا یعنی آفتاب ہیں اور سراجاً منیرا آپ کا خصوصی لقب ہے۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ یہ لقب حضورؐ کے لیے کیوں مخصوص ہوا؟

ظاہر ہے کہ یہ حضورؐ کے بنیادی اور مرکزی کمالات و فیوض کی بنا پر ہے۔ کیونکہ سورج (اور نظام شمسی) کائنات میں ایک مرکزی افادیت و وسعت اثر کا منبع ہے۔ لہٰذا سورج سے تشبیہ دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انبیاء و رسل کے نظام نبوت و رسالت نیز کائنات (ارضی و سماوی) میں آپؐ کا وجود عظیم ترین مرکز فیوض و کمالات ہے۔ حضورؐ کے روحانی فیوض و کمالات کی پوری تفصیل کتاب آفتاب نبوت (از قاری محمد طیب) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ حضورؐ کی ذات پاک کے فیوض عقبیٰ کے علاوہ ہماری اس مادی دنیا کے لیے بھی مکمل و کامل ہیں سورج سے بھی زیادہ "بہت زیادہ

تھوڑی سی وضاحت کی خاطر یہاں ہم سورج کے متعلق فلکیاتی اور طبیعاتی حوالے سے، کچھ اشارے کرنے پر مجبور ہیں۔

طبیعیات سے یہ ثابت شدہ ہے کہ سورج ہماری تمامتر کائناتی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ یعنی زندگی کے سب لوازم سورج کی برکت سے مہیا ہوتے ہیں۔ آب رواں ہی کو لیجیے۔ اس کی تخلیق و تشکیل برف کی رہین منت ہے، جس سے چشمے اور دریا وغیرہ بنتے ہیں۔ سورج کی حرارت سے بخارات، پھر بادل، پھر پانی، پھر برف۔ لیکن اسی برف کو سورج کی حرارت پانی بنا کر آب رواں میں تبدیل کر دیتی ہے اور سب کو معلوم ہے کہ پانی سے دنیا کو کیا کیا فائدے پہنچتے ہیں، انسانی حیوانی خوراک کے علاوہ زراعت و باغبانی وغیرہ میں اس کا جو فیض ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں مگر اسی پانی سے ہم بجلی بھی حاصل کرتے ہیں جو آگے صدہا فوائد کا وسیلہ ہے۔

سورج کے فیوض کی اسی صف میں، پتھر کا کوئلہ پٹرول اور خود ہمارا لباس، ہماری خوراک پھل پھول کثافتوں کی صفائی، پھلوں کی رنگت غرض ہزارہا فائدے ہیں جن کی تفصیل نظام شمسی کی کتابوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ شمسی توانائی سے ہم شمسی مقطر، شمسی چولہے، شمسی بھٹیاں وغیرہ بے شمار وسائل آسائش و ضرورت پیدا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ ایک ہمہ گیر قوت و برکت ہے (ملاحظہ ہو کتاب شمسی توانائی از ڈاکٹر سلطان علی مشمولہ سائنسی موضوعات نمبر ۱ مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ص ۶، نیز مقالہ نظام شمسی از میجر شبیر احمد قاری، محولہ بالا کتاب میں)

اس وضاحتی گفتگو سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید کی اس تشبیہ یا لقب سے حیات پاک کے وسیع و محیط فیوض کو سمجھنے میں کتنی مدد ملتی ہے جن کے عملی نمونوں سے آپ کی سیرۃ پاک لبریز ہے۔

القاب کی اس طویل فہرست میں سے (جو میں نے ضمیمہ الف میں درج کی ہے) میں وقت کی مناسبت سے ایک اور لقب کا انتخاب کر کے اس پر مجمل بحث کرتا ہوں۔ یہ لقب ہے سید الناس (جو حدیث میں آیا ہے اور بدلی ہوئی صورتوں میں سید وُلدِ آدم سید الثقلین اور سید الکونین کی شکل میں بھی دھرایا گیا ہے۔

عام ترجمے کے لحاظ سے، اس کے معنی اُردو میں بنی آدم کے سردار اور انگریزی میں Leader of mankind کے آتے ہیں اور کبھی کبھی Hero (جیسا کہ امیر حسن صدیقی نے اپنی انگریزی کتاب "Heroes of Islam" میں اور کارلائل نے اپنے مقالہ Hero as Prophet میں اختیار کیا ہے) لیکن حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض Leader یا Hero قرار دینا زیادتی ہے اور میرا خیال ہے کہ ترجمہ کرنے والے حضرات کو اس معاملے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ دونوں اصطلاحات اپنے جدید مفہوم میں (خصوصاً جدید عمرانیات میں) بعض ایسے کرداری مفہوم رکھتی ہیں جو نبی اور رسول کے رتبے سے فروتر ہیں۔ آپؐ کا رتبہ تو بطور نبی اور رسولؐ کے دوسرے انبیاء سے بھی ارفع ہے چہ جائیکہ عام انسانوں کے حوالے سے ہو۔ اسی لیے آپؐ کو سید الانبیاء و خاتم النبیین بھی کہا گیا ہے۔ لیکن مغربی مصنفین اور ان کی تقلید میں ملکی سیرہ نگار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض لیڈر یا ہیرو کہہ کر، اپنی کم فہمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ نبی اور رسول کی شان فضیلت اور ہے اور محض لیڈر اور ہیرو کی حیثیت یا فوقیت دوسری طرح کی شے ہے۔

یہاں میں ایک بار پھر ایک وضاحتی تجزیہ کروں گا۔

عمرانیات کی کتابوں میں لیڈر کے کئی اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ عموماً اور قدرے ماضی میں خصوصاً لیڈر شپ، اعلیٰ النسب و حسب یا اقتدار یا کثرت مال و دولت پر منحصر سمجھی جاتی تھی۔ مغرب میں یہ منفرد شخصیتوں پر مبنی نظریہ تھا لیکن رفتہ رفتہ اجتماعی نفسیات میں (خصوصاً وہ جس کا تعلق مادی تصورات زندگی اور گروپ کی فلاسفی سے ہے) لیڈر وہ شخص قرار پایا جو کسی جماعت یا گروہ یا اجتماع کے مادی فوائد کا علمبردار ہو کر جماعت یا اجتماع کو مجتمع رکھنے یا اس کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

میں نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس میں لیڈر کے اوصاف کے متعلق کم و بیش تیس بیانات موجود ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں Prophet کے یہ عجیب و غریب معنی بھی نظر آتے ہیں —— کہ

Prophet is a leader but with no office لیکن حضورؐ کے بارے میں یہ قطعاً غلط ہے

حضورؐ کی جامعیت اور اکملیت تو اتنی مکمل تھی کہ دین کے علاوہ دنیا کے تمام مناسب ممکنہ آپؐ کی ذات میں مرکوز تھے۔ جیسا کہ سیرۃ النبی اور خطبات مدارس میں سید سلیمان ندوی نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ بہرحال دنیوی لیڈر اور ہیں اور نبی اور رسول جدا۔

لفظ لیڈر میں افادی تصور پایا جاتا ہے جو اپنی شخصیت کی مقناطیسیت سے یا اجتماع کے مفادات کی کامیاب وکالت سے لیڈر بن جاتا ہے لیکن نبی کے خصوصاً رسول اکرمؐ کے سلسلے میں تو یہ فائق امر واضح ہے کہ آپؐ خدا تعالیٰ کے فرستادہ تھے اور داعیاً الی اللہ باذنہ تھے اور ایک ایسے اجتماع میں آپ نے رسالت کا آغاز کیا جس کے خیالات وعقائد آپ سے مختلف تھے اور ان میں سے اکثر نے ابتدا میں آپ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن حضورؐ اللہ کی تائید سے کامیاب ہوئے۔ پس آپ ایک معنی میں لیڈر ضرور ہوئے مگر وہ عام عمرانیاتی تصور کے لیڈر نہ تھے۔ اللہ کے رسولؐ تھے اور انہیں پیغام رسالت کے سوا کوئی دنیوی غرض یا دنیوی فائدہ مدنظر نہ تھا۔

تو مقصود اس وضاحت سے یہ ہے کہ آپؐ محض لیڈر نہ تھے اور سید الناس کے وہ معنی نہیں جو اکثر ترجمہ کرنے والوں نے لکھے ہیں۔

یہی حال لفظ ہیرو کا ہے، جس کا کردار غیر معمولی تو ہوتا ہے لیکن ہمہ گیر اور ہمہ جہت نہیں ہوتا۔ اور اب تو فن ڈراما (یا زندگی کو ڈراما سمجھنے کے تصور) نے لفظ ہیرو کی وہ شان بھی گھٹا دی ہے جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ کارلائل نے حضورؐ کو محبت سے ہیرو کا لقب دیا ہوگا۔ لیکن اس کی کتاب نے بعض کم درجے کے ابطال کے ساتھ حضورؐ کو رکھا ہے جو ہمیں منظور نہیں۔

آخر میں دو گذارشات بے محل نہ ہوں گی۔ اول یہ کہ میرے تجویز کردہ موضوع کو قابل توجہ سمجھ کر حضورؐ کے اسماء والقاب کو سیرہ کے ساتھ مربوط کر کے اُس جگہ سے آگے بڑھانا مناسب ہوگا جس جگہ تک صالحی الشامی نے اسے پہنچایا ہے۔ کوئی نوجوان فاضل اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر ثواب اور اَجرِ عظیم کا مستحق بنے تو مبارک بات ہوگی۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ حضورؐ کی سیرہ پر لکھنے والے یا ترجمہ کرنے والے تصنیف و ترجمے کے وقت تقدس کی ان باریکیوں کو ضرور مدنظر رکھیں جن کی طرف میں نے اپنے مقالے میں اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ انگریزی اور مغربی زبانوں کا علمی محاورہ یا پس منظر سیرہ پاک کی ارفع فضا سے مختلف ہے۔

(آگے ملاحظہ ہو ضمیمہ)

ضمیمہ

مشتمل بر اسما و القاب مبارک

نمبر شمار	قرآنی نام		کیفیت
۱۔	محمدﷺ	مذکور ۳ (آل عمران) : ۱۴۴	ذاتی نام
۲۔	احمد	۶۱ (الصف) ۶	صفاتی نام
۳۔	محمود	ماخوذ از مقام محمود، (بنی اسرائیل) : ۷۹	صفاتی نام
۴۔	خاتم النبیین	۳۳ (الاحزاب) ۴۰	〃
۵۔	یٰسین	۳۶ (یٰسین) : ۱	〃
۶۔	طٰہٰ	۲۰ (طٰہٰ) : ۱	〃
۷۔	المزمل	۷۳ (المزمل) : ۱	〃
۸۔	المدثر	۷۴ (المدثر) : ۱	〃
۹۔	عبداللہ	۷۲ (الجن) : ۱۹	〃
۱۰۔	عبدہٗ	۱۷ (بنی اسرائیل) : ۱	〃

۱۱-	رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِهِم	۹ (التوبۃ) : ۱۲۸	صفاتی نام
۱۲-	عزیزٌ علیہ ما عنتّم	〃 〃 〃	〃
۱۳-	حریصٌ علیکم	〃 〃 〃 〃	〃
۱۴-	رؤفٌ رّحیم	〃 〃 〃 〃	〃
۱۵-	اولیٰ بالمومنین من انفسہم	۳۳ (الاحزاب) : ۶	〃
۱۶-	رسول اللہ اور الرسول	۳۳ (الاحزاب) : ۷، ۷ (الاعراف) : ۱۵۸	〃
۱۷-	النبی	۷ (الاعراف) : ۱۵۸	〃
۱۸-	الاُمّی	〃 〃 〃	〃
۱۹-	بشیر	بے شمار مقامات مثلاً ۲ (البقرۃ) : ۱۱۹	
۲۰-	مُبشّر	۳۳ (الاحزاب) : ۴۵	〃
۲۱-	نذیر	۲ (البقرۃ) : ۱۱۹	〃
۲۲-	منذر	۵۰ (قٓ) : ۳	〃
۲۳-	شاہد	۳۳ (الاحزاب) : ۴۵	〃
۲۴-	شہید	۲ (البقرۃ) ۱۴۳	〃
۲۵-	داعیاً الی اللہ	۳۳ (الاحزاب) : ۴۶	〃
۲۶-	سراجاً منیراً	۳۳ (الاحزاب) : ۴۶	〃
۲۷-	مبلّغ	ماخوذ از ۵ (المائدۃ) ۶۷	〃
۲۸-	اول المسلمین	۶ (الانعام) ۱۶۳	〃
۲۹-	البرہان	۴ (النساء) ۱۷۵	〃
۳۰-	بشراً رسولاً	۱۷ (بنی اسرائیل) : ۹۳	〃
۳۱-	مُزکّی	ماخوذ از ۳ (آل عمران)	〃
۳۲	معلم الکتاب والحکمۃ	〃 〃 〃	〃

۳۳۔	حُجَّۃ اللہ البالغہ	۶ (الانعام) ۱۴۹	صفاتی نام
۳۴۔	حٰمٓعٓسٓقٓ	۴۲ (الشوریٰ) : ۲	〃
۳۵	رحمۃ للعالمین	۲۱ (الانبیاء) ۱۰۷	〃
۳۶۔	رحمۃ الاُمّۃ	ماخوذ از ۲۱ (الانبیاء) ۱۰۷	〃
۳۷۔	صاحبِ کوثر	ماخوذ از ۱۰۸ (الکوثر) ۱	〃
۳۸۔	الفاتح	〃 〃 ۴۸ (الفتح) ۱	〃
۳۹۔	مُجتبٰی	ماخوذ از ۳ (آلِ عمران) : ۱۷۹	〃
۴۰۔	مُرتضٰی	ماخوذ از ۷۲ (الجنّ) : ۲۷	〃
۴۱۔	الآخذ الصّدقات	ماخوذ از ۹ (التوبۃ) : ۱۰۳	〃
۴۲۔	الاٰمر والناھی	ماخوذ از ۷ (الاعراف) ۱۵۸	〃
۴۳۔	البیّنۃ	۹۸ (البیّنۃ) ۱-۲	〃
۴۴	التالی	ماخوذ از ۲ (البقرۃ) :	〃

اسمائے مبارکہ حدیث

۱۔	الماحی	الذی یمحو اللہ بی الکفر	مسلم شریف حدیث ۲۳۵۴ البخاری ۸/۴۹۲ تفسیر سورہ الصف	صفاتی نام
۲۔	الحاشر	الذی یحشر الناس علی قدمی	(حوالہ جات مذکورہ)	〃
۳۔	العاقب	الذی لیس بعدہٗ نبی	(〃 〃 〃)	〃

۴۔ المتوکّل — البخاری ۸/۴۵۰، تفسیر سورۃ الفتح، باب انّا ارسلنٰک شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا
مسند احمد بن حنبل، ۲/۱۷۴

۵۔ نبیّ التوبۃ، — ابن قیم زاد المعاد، ۱: ۹، مطبوعہ کویت
۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء بحوالہ الترمذی، حدیث

۶۔ نبیّ الملحمۃ — فھو الذی بعث بجہاد اعداء اللّٰہ
زاد المعاد: ۱: ۹۵؛

۷۔ نبیّ الرحمۃ — ؍؍ ؍؍ ۱: ۹۶؛

۸۔ الامین — فھو امین اللّٰہ علی وحیہ ودینہٖ
وھو امین من فی السماء وامین من فی الارض زاد المعاد ۱: ۹۶

الضحوک القتال، فانہ ضحوک فی وجوہ المومنین: قتال لاعداء اللّٰہ۔ زاد المعاد، ۹۶؛

۹۔ سیّد ولد آدم — الترمذی، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۱۸، ابن ماجہ، حدیث ۴۳۰۸
مسند احمد، ۳: ۱۴۴/۱

۱۰۔ سید الناس — البخاری ۸/۳۰۰، کتاب التفسیر
باب ذریۃ من حملنا مع نوح
مسلم، حدیث ۴۹۱، کتاب الایمان
حدیث ۲۲۷۸، کتاب الفضائل

۱۱۔ اوّل شافع — مسلم کتاب الفضائل، حدیث ۲۲۷۸

۱۲۔ اوّل شفیع — ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

۱۳۔ المقفّی ای اتبع الانبیاء — البیہقی کتاب، دلائل النبوۃ، بحوالہ الزرقانی، شرح المواہب ۳: ۱۱۶

۱۴-	الابر باللہ	ای محسن او الصادق الوعد او خالق البر	مسلم، سیرت سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۱: ۵۱۶، الزرقانی ۳: ۱۱۹ ـ
۱۵-	الابطحی	منسوب بہ بطحا، مکہ۔ ابطح مکہ	الزرقانی ۳: ۱۱۹
۱۶-	اجود الناس		البخاری: ۱: ۶، کتاب ۱، باب ۱
۱۷-	احسن الناس		
	الاحسن	وھو افعل من احسن وھو تناسب الاعضاء علی ما ینبغی	سبل الہدیٰ ۱: ۵۲۱؛ حضرت حسان بن ثابت کا شعر ہے واحسن منک لم تر قط عینی واجمل منک لم تلد النساء
۱۸-	الابیض	سفید گوری رنگت والے	جناب ابوطالب کے اس شعر سے ماخوذ وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل الشامی، ۱: ۵۱۸
۱۹-	الابلج	وھو الطلق الوجہ المشرق او ذو الکرم والسماحت والمعروف او الواضح امرہ ومنہ صباح ابلج	سبل الہدیٰ ۱: ۵۱۷
۲۰-	التقی باللہ یا الاتقی	مسلم شریف	الزرقانی ۳: ۱۱۹؛ سبل الہدیٰ، ۱: ۵۱۸
۲۱-	الآخذ الحجزات	فانا آخذ بحجزکم	بخاری شریف، مسلم، ۴: ۱۷۸۸ تا ۱۷۸۹، حدیث ۲۲۸۳ تا ۲۲۸۵ ـ

۲۲- الاخشی للّٰہ — ماخوذ از حدیث واللّٰہ انی لارجو ان اکون اخشاکم للّٰہ
(ابوداؤد، کتاب الصوم ۲ : ۷۸۳، حدیث ۲۳۸۹؛
مسلم، کتاب الصوم، حدیث : ۱۱۱۰)

۲۳- ارجح الناس عقلاً — (ابونعیم، حلیہ، عن وہب بن منبہ؛ الزرقانی ۳ : ۱۲۱

۲۴- ارحم الناس بالعباد — //

۲۵- الازہر (النیر المشرق الوجہ) — (مسلم عن انس) الزرقانی، ۳ : ۱۲۱

۲۶- اشجع الناس — (مسلم ۴ : ۱۸۰۳، حدیث ۲۳۰۷)

۲۷- الاعز (ای کثیر العزہ) — (الزرقانی، ۳ : ۱۲۱)

۲۸- الاعلم باللّٰہ وبصفاتہٖ — (البخاری کتاب الایمان — مسند احمد بن حنبل
(الزرقانی ۳ : ۱۲۱)

۲۹- اکرم الناس یا
اکرم ولد آدم — (الزرقانی ۳ : ۱۲۱)

۳۰- الامام یا
امام الخیر یا
امام المتقین — (ابن ماجہ، موقوفاً : الزرقانی ۳ : ۱۲۱)

۳۱- امام الرسل یا
امام النبیین — (عن ابی بن کعب (مرفوعاً)، الترمذی ؛ الزرقانی، ۳ : ۱۲۲)

۳۲- الامن (الخالص النقی والشریف)
اور
امنۃ اصحابہ — (البیہقی ؛ الزرقانی ۳ : ۱۲۲)

۳۳- الامین یا — (مسلم ۲ : ۷۴۲ حدیث ۱۴۴، ۱۰۶۴)
امین من فی السماء

۳۴۔ اوّل من تنشق عنه الارض (مشکوٰۃ، حدیث ۶۱۲۳)

۳۵۔ اوّل المؤمنین (الزرقانی ۳: ۱۲۳)

۳۶۔ اوّل من یؤذن لہٗ السجود یوم القیامۃ (مشکوٰۃ، حدیث ۲۹۹)

۳۷۔ اوّل خروجا اذا بعثوا (مشکوٰۃ، حدیث ۵۷۶۵)

۳۸۔ البرّ (اسم فاعل من البرّ وھو الاحسان، والطاعۃ والصدق)؛ (الزرقانی ۳: ۱۲۳)

۳۹۔ الباطن " " "

۴۰۔ بشرٰی عیسٰی (بشارت عیسٰی؛ رفوعاً مستدرک حاکم؛ الزرقانی ۳: ۱۲۴)

۴۱۔ البلیغ الفصیح الذی یبلغ بعبارتہ کنہ ضمیرہ الزرقانی ۳: ۱۲۴)

۴۲۔ البالغ البیان (" " ")

۴۳۔ التہامی (نسبۃ الی تہامۃ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت
مظہر تکمیل نبوت و رسالت

رسول اوّل و آخر صلی اللہ علیہ وسلم

★ علامہ سید محمود احمد رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؕ

وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن وہ ہی سب کچھ جانتا ہے۔
سورہ حدید کی اس آیہ مبارکہ میں اللہ رب العزت جل مجدہ کی صفات عالیہ کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ اول ہے ہر شے سے پہلے بے ابتدا ہے کہ وہ تھا اور کچھ نہ تھا۔ یہ تھا تھی بھی نہ تھے اور وہ تھا۔ وہ آخر ہے، ہر شے کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا، ہر شے فانی ہے باقی تو صرف اسی کی ذات ہے۔ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام: زمین پر جو کچھ ہے، فنا ہونے والا ہے اور باقی تمہارے رب کی ذات ہے، عظمت و بزرگی والی۔

★ چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان و مہتمم دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

جن فرشتے، انبیاء، اولیا، اصفیا، غرضیکہ کل جہان اس کے فضل و کرم کا محتاج ہے کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے، عالم کا ذرہ ذرہ اس کے حضور سجدہ ریز ہے کیونکہ وہ آخر ہے، باقی ہے سارے جہانوں کی بادشاہی اسی کے لئے ہے۔ ——— وہ ظاہر بھی ہے، دلائل و براہین سے اس کا وجود ثابت ہے ہر شے پر غالب ہے، جو چاہتا ہے، جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اس کے چاہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ مالک الملک ہے، فعال لما یرید ہے اور علیٰ کل شیٍٔ قدیر اُسی کی شان ہے۔ وہ باطن ہے سننے سمجھنے، دیکھنے، سوچنے اور پرکھنے کی قوتیں اس کے ادراک سے اور وہم قیاس گمان اس کے حقیقی عرفان سے عاجز و درماندہ ہیں۔

وُہ بکلِ شیٍٔ علیم ہے اُس کے علم کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ عالم الغیب والشہادہ صرف اور صرف اسی کی ذات ہے۔ اُس کی صفت علم ازلی، ابدی، دائمی، ذاتی اور سرمدی ہے۔

حسن و جمال، فضل و کمال، قدرت و اختیار غرضیکہ ہر شے اور ہر چیز کا وہی تنہا حقیقی مالک و مختار ہے مخلوقات میں جس کسی کو جو بھی فضل و کمال اور قدرت و تصرّف حاصل ہے وُہ اس کی عطا ہی سے ہے اس کی مشیت کے خلاف بڑی سے بڑی شخصیت بھی ایک تنکا ادھر سے اُدھر نہیں کر سکتی

باہسہ گھٹے نہ تل بڑھے بن سائیں کی چاہ

لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ

تمام عظمتیں اور تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں۔ یہ جہاں اسی کی جلوہ گاہ ہے۔ تصویر کی تعریف مصوّر کی تعریف ہے۔ عالم امکان کی کسی بھی چیز کی تعریف کیجئے۔ تعریف تو خالق دو جہاں ہی کی قرار پائے گی۔ مگر اس خصوص میں بھی ہمارے رسول محترم نبی مکرم آسمان نبوت کے نیر اعظم، ذات و صفات خداوندی کے مظہر اتم، محبوب رب دوجہاں، قاسم علم و عرفان، ماحیٔ ظلم و طغیان، راحتِ قلوب عاشقان، سرورِ کشور رسالت، رونق منبر نبوت، چشمہ علم و حکمت، نازشِ مسندِ امامت، غنچہ رازِ وحدت، جوہر فردِ عزت، ختم دور رسالت، شمع بزم ہدایت، مخزن اسرارِ ربانی، مرکز انوار رحمانی مصدرِ فیوض یزدانی، قاسم برکات صمدانی، سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین

سیدِ عالم، نورِ مجسم، ہادیٔ سبل ختم الرسل، محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت و شان کی کیفیت یہ ہے کہ

جس کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں حسن و جمال
اے حسین تیری ادا اُس کو پسند آئی ہے

شیخ محقق سید المحدثین حضرت شیخ عبد الخالق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز مدارج النبوت کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ حدید کی یہ آیت حمدِ الٰہی بھی ہے اور نعتِ نبی بھی۔ جن صفاتِ خداوندی کا اس آیت میں ذکر ہے، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مظہر ہیں یعنی بقول علامہ اقبال

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی ایماں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اوّل بایں معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور کے نورِ پاک کو پیدا فرمایا، حضور فرماتے ہیں

اوّل ما خلق اللّٰہ نوری انا من نور اللّٰہ وخلق کلہم من نوری (مدارج)

تمام مخلوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا، میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے۔

کائنات کا افتتاح حضور ہی کے نورِ پاک سے ہوا۔ یہ نور نہ ہوتا تو چمن دہر میں مہر و انجم کی ضیا ہوتی، نہ بہاروں کی شمیم جانفزا، نہ کلیوں کا تبسم ہوتا نہ غنچوں کی چٹک نہ پھولوں کی مہک نہ ہواؤں کی دل افروزی، نہ بلبل کا ترنم نہ گلِ خنداں کی بہارِ دلکشا .... مختصر یہ کہ حضور نہ ہوتے تو نہ ہم ہوتے نہ آپ اور نہ یہ خطۂ پاک ؎

نہ شمع جلتی نہ پھول کھلتے نہ دن نکلتا نہ رات ہوتی
جو یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا وجودِ کون و مکاں نہ ہوتا

حضور ہی کی ذاتِ اقدس نورِ الٰہی، نورِ اوّل، نور الانوار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے طیّب و طاہر روشن و منوّر نور ہیں

قد جاءکم من اللہ نورٌ (سورہ مائدہ آیت ۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا[۱] اللہ تعالیٰ نے اطلاع فرمایا کہ کفار نور محمدی کو بجھانے کی کوشش کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو بجھنے سے محفوظ رکھے گا۔ اس نور کی روشنی بڑھتی ہی رہے گی۔ ظلمتیں بڑھ بڑھ کر پھونکیں مارتی رہیں گی لیکن چراغ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذرا بھی تھرتھراہٹ پیدا نہ کر سکیں گی

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ تو اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے۔ خواہ کافر برا ہی مانیں، پھونکوں سے چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جہان کا افتتاح اور بشریت کی ابتداء اور سلسلہ نبوت و رسالت کا آغاز ہی صبح ازل کے نور یقین اور شام ابد کے ماہ مبین خاتم الانبیاء علیہ التحیہ والثناء ہی کی ذات ستودہ صفات سے فرمایا

یہ عالم ہست و لبود ہوتا نہ زندگی کا وجود ہوتا
جہاں کی تخلیق ہی نہ ہوتی جو حاصلِ دو جہاں نہ ہوتا

عظمتِ وجودِ سید سرور کی معراج یہ ہے کہ آپ کو پیدا فرماتا چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قیوم ربانی شیخ سرہندی قدس سرہ الربانی نے مکتوبات میں حدیث قدسی درج کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول سے فرمایا

لولاک لما اظہرت الربوبیہ مکتوبات ص ج۲ ۲۳۲

ص۱ : مفسرین کرام نے نور سے حضور کی ذات کو مراد لیا ہے، دیکھئے تفسیر کبیر ص ۳۹۵ ج ۳ تفسیر ابن عباس ص۲، خازن ج ۱ ص ۴۱۳ مدارک ج ص ۲۷۰ روح المعانی ج ۶ ص ۷۸ روح البیان ج ۱ ص ۵۴۸ معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳ درمنثور ج ۳ ص ۲۳۱ مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، زرقانی، شفاء ج ۱ ص ۱۰ تفسیر جلالین، تفسیر ابن جریر، امداد السلوک ص ۱۸۵ از رشید احمد گنگوہی، نشر الطیب ص ۵، مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی۔

کہ اگر تمہیں پیدا فرمانا منظور نہ ہوتا تو ہم اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ فرماتے۔ یعنی

تیرے سر کے سوا سجتا بھی کہاں لولاک لما کا تاج بھلا
اے صلِّ علیٰ یہ شان تیری اے صاحب تخت و تاج نبی

رسولِ اوّل و آخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعظم خصائص سے ہے اور آپ کے ان دونوں مناصب پر ایمان لانا ضروری ہے، دنیا میں جس قدر انبیاء و مرسلین از آدم تا عیسیٰ علیہ السلام آئے وہ نبی و رسول ہی ہیں، مگر کسی نے اول النبیین اور آخر النبیین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ انبیاء سابقین پر اجمالی طور پر ایمان لانے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں لیکن حضورؐ پر ایمان لانے کے لئے آپ کو صرف رسول ماننا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ آپؐ کی رسالت کا اور نبوت کا ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آپؐ کے اس وصفِ خاص پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ آپؐ رسولِ اول بھی ہیں اور رسولِ آخر بھی، چنانچہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے۔

قَالَ تبارک و تعالیٰ جعلتك اوّل النبیین خلقاً و اٰخرھم بعثاً وجعلتُكَ فاتحاً وخاتماً (بزار، ابونعیم، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش کے لحاظ سے تم کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر بھیجا، نبوت کی ابتدا کرنے والا اور ختم کرنے والا تم کو ہی بنایا۔

آیۃ مبارکہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ کی تفسیر میں حضور علیہ السلام نے فرمایا

كنتُ اَوّلَ النبیینَ فی الخلق وَ اٰخرَھم فی البعث (ابونعیم، ابن جریر، کنز العمال ج ۶ ص ۱۱۳)

میں پیدائش کے اعتبار سے سب سے پہلے اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی ہوں۔

كُنْتُ اَوّلَ الناسِ فی الخلق و اٰخرھم فی البعث (ابن اسعد، کنز العمال ج ۶ ص ۱۰۶)

میں سب انسانوں میں بلحاظ پیدائش پہلا ہوں اور سب انبیاء میں باعتبار بعثت پچھلا ہوں۔

پس اولاً بالذات سب سے پہلے نبیؐ حضور ہی ہیں مگر چونکہ اس عالم کے لحاظ سے آپؐ کا ظہور آخر میں ہوا۔ اس لئے آپؐ آخر الانبیاء بھی قرار پائے۔ مگر اس معنیٰ سے نہیں کہ آپ کو نبوت سب سے آخر

ملی بلکہ اِس معنیٰ سے آپؐ کا ظہور سب سے آخر میں ہُوا ——— ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپؐ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر مبارک سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور آپؐ ہر دور اور ہر حال میں نبوّت و رسالت سے متصف رہے ہیں اور ہیں، چنانچہ شبِ معراج معنیٰ اوّل و آخر کا ظہور ہُوا۔ حضور امام ہوئے اور تمام انبیاء کرام از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام مقتدی

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سِر عیاں ہوں معنیٰ اول و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

الغرض سب سے پہلے خلعتِ وجود سے مشرف ہونے والے اور سب سے پہلے وصفِ نبوت سے متصف ہونے والے یومِ میثاق سے پہلے بلیٰ کہنے والے قبر مبارک سے سب سے پہلے اٹھنے والے جنت میں سب سے پہلے جانے والے، سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوانے والے، عرصات محشر میں بحضور رب سب سے پہلے سجدہ فرمانے والے اور امت کی سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے بھی حضور ہی ہیں، غرضیکہ ہر موقع پر اوّل ہونے کا سہرہ بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سر ہے علامہ اقبال عرض کرتے ہیں

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اگرچہ وجود عنصری کے لحاظ سے بظاہر سب سے پہلے ہونے والے رسول حضرت آدم علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ہے لیکن اولاً بالذات باعتبار خلق و اتصافِ نبوّت اولیت کا سہرا ہمارے ہی طیب و طاہر مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جس میں آپؐ کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے، حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و رسالت اور نفخ رُوح بھی نہ ہُوا تھا۔ حدیث ترمذی میں فرمایا

آدم بین الروح والجسد کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین

مجھے اس وقت نبوت مل گئی تھی جب کہ آدم رُوح و جسم کے درمیان تھے، میں اس وقت نبوّت سے سرفراز ہو گیا تھا جب کہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

حدیث بالا کا یہ مطلب لینا درست نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام علم الٰہی میں نبی تھے۔ کیونکہ نبوت ایک وصف ہے اور اس کے لئے ذات کا ہونا ضروری ہے۔ اب اگر ذاتِ نبوی کا ظہور ہی نہیں ہوا تھا تو وصفِ نبوت سے کیسے سرفراز کیا گیا؟

ثانیاً، مقام مقامِ مدح بھی ہے اور علم الٰہی میں تو سب انبیاء ہی نبی تھے پھر آپکی کیا تخصیص
ثالثاً، حقیقت جب متعذر ہو یا کوئی قرینہ صارفہ ہو تو پھر مجازی معنیٰ لیتے ہیں اور یہاں حدیث کے حقیقی معنیٰ ترک کرنے کے لئے نہ ہی کوئی قرینہ ہے اور نہ ہی کوئی مانع۔

رابعاً۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصریح فرمائی ہے کہ کُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِی الْخَلْقِ میں سب انسانوں سے بلحاظ پیدائش اوّل ہوں اس لئے حدیث بالا کا حقیقی معنیٰ ہی لیا جانا ماننا ضروری ہے لہٰذا حدیث بالا کا مفہوم صحیح یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبوت سے نوازے گئے تھے جب کہ آدمؑ میں نفخِ روح بھی نہ ہوا تھا یعنی خلعتِ نبوت اس وقت حضور کو پہنایا جا چکا تھا۔ جب کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام نے ابھی خلعتِ وجود بھی نہیں پہنا تھا۔ چنانچہ علامہ حافظ خفاش علیہ رحمت شرح شفا میں فرماتے ہیں حدیث کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین سے واضح ہوا کہ نبی کریم کو پیدائشِ آدم سے پہلے ہی نبوّت و رسالت سے حقیقتاً سرفراز فرما دیا گیا تھا اور جیسے صفتِ وجود میں آپؐ سب سے مقدم ہیں ایسے ہی صفتِ نبوت آپؐ سب سے اوّل و مقدم ہیں۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر بھی ہیں، سب سے آخر میں آپؐ کا ظہور ہوا۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس پر دین کی تکمیل ہوئی۔ آپؐ کا دین اسلام بھی آخری دین ہے اور آپؐ پر نازل شدہ وحی (قرآن) بھی آخری ضابطہ حیات ہے، قیامت تک آپؐ کے ہی دین کی بقا ہے۔

الیوم اکملتُ لکم دینکم (مائدہ) آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اب نہ کسی اور دین کی ضرورت ہے اور نہ شریعت کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، مجھے اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر آج جناب موسیٰ علیہ السلام بھی دنیا میں ہوتے تو میری پیروی کے سوا اُن کو گنجائش نہ ہوتی ماوسعہٗ الا ان یتبعنی

شب معراج جب حریم حق میں آپ کی رسائی ہوئی اور مقام قاب قوسین اوادنیٰ میں آپ کی باریابی ہوئی تو اللہ عزوجل نے بکمال لطف وکرم فرمایا ۔

حبیبی یا محمد قلت لبیک یاربّ قال ھل غمّک ان جعلتک آخر النبیّین قلت لا یاربّ قال حبیبی ھل غمّ امتک ان جعلتھم آخر الامم قلت لا یارب قال ابلغ عنّی الاسلام و اخبرھم انی جعلتھم آخر الامم کنزل العمال (ج ۲ ص ۱۱۱)

اے میرے حبیب! میں نے عرض کی حاضر ہوں اے رب! ارشاد ہوا اگر ہم تمہیں آخری نبی بنا دیں تو تم ناخوش تو نہ ہو گے۔ میں نے عرض کیا اے میرے رب! نہیں! فرمایا اگر تمہاری اُمّت کو آخری امت بنا دیں تو وہ ناخوش تو نہ ہو گی، میں نے عرض کیا نہیں! اے میرے پروردگار، فرمایا کہ اچھا تم اپنی امت کو میرا سلام کہنا، اور انہیں بتا دینا کہ میں نے انہیں آخری اُمّت بنا دیا ہے۔

یہ پیچھے آنا ہے ترا ختم نبوت کی دلیل
اور سایہ کا نہ ہونا تیری یکتائی ہے

سورہ احزاب میں فرمایا :

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّن (احزاب)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔

خاتم کے معنیٰ آخری رسول کے ہیں، حضور نے فرمایا میں عاقب ہوں

الذی لیس بعدہٗ نبیٌّ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (خصائص کبری ج ۲ ص ۱۹۳)

جس کے بعد کوئی نبی نہیں، میں انبیاء کا خاتم ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں

بین کتفی ادم مکتوب محمدٌ رسول اللہ خاتم النبیّن (خصائص کبری ج ۱ ص ۷)

شانوں کے درمیان لکھا محمد رسول اللہ خاتم النبیین۔

ذهبت النبوۃ وبقیت المبشرات (ابن خزیمہ) نبوّت تو ختم ہوئی البتہ مبشرات باقی ہیں
ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت رسالت اور نبوّت دونوں ختم ہو گئیں اب میرے
فلا نبی ولا رسول بعدی۔ ابویعلیٰ (ابن خزیمہ) بعد نہ کوئی نبی ہو گا نہ رسول۔

حدیث مسلم میں حضورؐ کا ارشاد ہے میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے مطلب حدیث یہ ہے کہ جیسے حضورؐ آخری رسول ہیں۔ حضورؐ کے بعد کوئی رسول نہیں، ایسے ہی انبیاء کرام کی تعمیر کردہ مساجد میں مسجد نبوی آخری مسجد ہے، چنانچہ دیلمی و بزاز کی حدیث سے امر کی تائید ہوتی ہے۔ نبیؐ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء
میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی بنائی ہوئی مسجدوں میں آخری مسجد ہے۔
اس لئے انبیاء کرام کی بنائی ہوئی مسجدوں میں مسجد نبوی خاتم المساجد ہے۔

کتاب وسنت کی ان تصریحات جلیلہ سے واضح ہوا کہ حضورؐ قصر نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ قصر نبوت اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے ساتھ مکمل ہو گیا، اس لئے ضروری ہوا کہ عالم کی ابتداء میں انبیاء کرام کی بعثت کی جو اطلاع دی گئی تھی، اس کی انتہا پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا جائے لہٰذا نعمتوں کا اتمام دین کا اکمال اور نبوت و رسالت کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے، جب وہ کسی چیز کو ختم فرماتا ہے تو کامل ہی ختم کرتا ہے، ناقص نہیں کرتا، نبوت اپنے کمال کو پہنچ گئی اس لئے یہ منصب ہی ختم کر دیا گیا اب نہ کوئی رسول پیدا ہو گا نہ نبی نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی اور ظلی و بروزی کی لایعنی اصطلاح کا تو دین میں تصور ہی نہیں ہے۔ غرضیکہ نبوت کا ختم ہونا۔ خدائی نعمت کا اتمام اور دین کا انتہائی عروج و ارتقا ہے جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کی عظیم و جلیل نعمت ہے، سلسلہ انبیاء میں حضورؐ آخری نبی ہیں یعنی آپؐ کی آمد ہی اس وقت ہوئی جب کہ جس قدر انبیاء کا آنا مقدر تھا ان کا ایک ایک فرد آ چکا۔ اب جبکہ نبوت ختم ہو گئی تو آپؐ اس کی دلیل بن کر آئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ رحمۃ اللعٰلمین بھی بنایا، جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ رسُول خاتم بذات خود تمام جہانوں کے لئے رحمت و

و برکت ہے اس لئے ختم نبوت سے رحمتِ الٰہی کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ بلکہ نبیؐ رحمت کے ذریعہ نزولِ رحمتِ باری کو حیاتِ سرمدی ملی ہے۔ اس لئے اب قیامت تک رحمتِ باری و انوار و برکات صمدی کا نزول ہوتا رہے گا، توحید کی شمع جلتی رہے گی، ایمان کے پھول کھلتے رہیں گے۔ انوار کی بارش ہوتی رہے گی۔ ایقان کا دریا بہتا رہے گا۔ حق و صداقت کے چراغ چمکتے رہیں گے۔ رشد و ہدایت کے تارے دمکتے رہیں گے، فکر کی تطہیر، دماغ کی تنویر، نفس کا تزکیہ اور روح کی آسودگی کے سامان مہیا ہوتے رہیں گے۔ فکر کی تطہیر، دماغ کی تنویر، نفس کا تزکیہ اور روح کی آسودگی کے سامان مہیا ہوتے رہینگے۔ خاتم النبیین و رحمۃ اللعٰلمین کے صدقہ اور طفیل بنی نوع انسان قیامت تک فیوض و برکات الٰہیہ سے مستفید و مستنیر ہوتی رہے گی۔ الغرض ہمارے آقا و مولا آئے، نبیوں کے امام اور رسولوں کے خطیب آئے وہ آئے جو ہدایت کی ایسی شمع ہیں جس میں دھواں نہیں، رسالت کا ایسا پھول ہیں جس میں خار نہیں اُن کی تابش خاکِ پا غازہ روئے قدسیاں ہے اور ان کی صورت حق نما آئینہ جمالِ کبریا ہے، وہ آئے اور تمامتر زیبائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ آئے۔ نیابت بھی آپؐ پر ختم ہوئی اور نبوت بھی، معرفت بھی آپؐ پر ختم ہوئی اور حکمت بھی ۔ حضور آئے تو مخلوقِ الٰہی کو حیاتِ سرمدی ملی، قلب و نگاہ کی تطہیر ہوئی، عظمت انسانیت کی تکمیل اور سرزمین بے آئین میں حکومتِ الٰہیہ کی تشکیل ہوئی

آئے جو یہاں حبیب رحمان پیچھے ۔۔۔ یعنی شہ مرسلان ذیشان پیچھے
کیا منکرو اس میں جائے حجت ۔۔۔ فوج آگے رہا کرتی ہے سلطان پیچھے

۲۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ظاہر بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور کو ایسا ظاہر فرمایا کہ قرآن نے کہا کہ حضور کی دُنیا میں تشریف آوری سے قبل حضور کے وسیلہ سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے اور کفار مکہ کی تو کیفیت یہ تھی یعرفونہٗ کما یعرفون ابناءھم وجودِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا یہ عالم تھا کہ چاند اشارہ سے دو ٹکڑے ہوا، سورج پلٹ آیا، درختوں، جانوروں اور پتھروں نے آپؐ کو سجدہ کیا اور بزبانِ فصیح آپؐ کا کلمہ پڑھا، حضور فرماتے رہیں۔

إنی لأعرف حجراً بمکۃ کان یسلم علی قبل أن أبعث انی لاعرفہ الان

میں مکہ کے اس پتھر کو آج بھی پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل بھی مجھے سلام کہتا تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے مسلم خصائص کبریٰ میں اس مضمون کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ جنت کی ہر چیز پر حوروں کی پیشانیوں پر جنت کے درختوں اور ان کے پتوں پر لآ اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے الفاظ مسطور ہیں۔ جناب آدم علیہ السلام آنکھ کھولتے ہیں تو عرش اعظم پر اللہ کے نام کے ساتھ حضور کا نام لکھا ہوا پاتے ہیں۔ غرضیکہ خطبات میں کلمہ میں اذان و امامت میں عبادات میں تمام اعمال خیر میں اور قلب مسلم میں آپؐ کا ہی ظہور ہے۔ علامہ اقبال عرض کرتے ہیں۔

در دلِ مُسلم مقامِ مُصطفٰے　　آبروئے ماز نامِ مُصطفٰے

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باطن بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ فکر انسانی حضورؐ کے مرتبہ و مقام اور آپؐ کے فضل و کمال کے اظہار و بیان سے عاجز ہے۔ قرآن نے جہان کی نعمتوں اور اس کے سازوسامان کو قلیل قرار دیا ہے۔ لیکن حضور کے خلقِ جمیل کو اور آپؐ کی ذات پر اللہ کے فضل و کرم کو عظیم بتایا ہے

انك لعلی خلق عظیمْ وکان فضل اللہ عَلَیكَ عظیما

بیشک آپ خلقِ عظیم والے ہیں اور اللہ کا آپؐ پر بڑا فضل ہے

جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ پیش گاہِ الٰہی سے حضورؐ کو وہ فضل و کمال اور مرتبہ و مقام عطا ہُوا ہے جو انسان کی حدِ عقل سے ماوریٰ ہے خود ان کا رب کریم انہیں مخاطب بنا کر فرماتا ہے کہ میں نے آدم کو صفی کے مرتبہ پر فائز فرمایا تو آپؐ کو خاتم النبیین کا اعزاز بخشا اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی ماخلقتُ خَلقاً اکرم منکَ عَلیّ (خصائص کبریٰ ج ۱، ص ۱۹۳) جو مجھے آپ سے زیادہ عزت و کرامت والی ہو۔

رسل ملائکہ کے سرخیل اور نوریوں کے شہنشاہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بحضور نبوی عرض کرتے ہیں قلبت مشارقَ الارض ومغاربہا فلم اجد رجلاً افضل من محمدٍ صلّی اللہ عَلیہ وسلّم ۔ میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو کھنگال ڈالا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہ پایا۔ اسی لئے غالب کو عرض کرنا پڑا کہ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم　　کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ ست

اور حکیم الاُمت علامہ اقبال عرض کرتے ہیں

کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست ... عبدہٗ جز سرِ الا اللہ نیست
عبدہٗ از فہم تو بالاتر است ... زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ علامہ اقبال کے یہ اشعار محض شاعرانہ تخیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہیں جیسے خاتم النبیین ہونا حضور کا ایک خصوصی وصف ہے ایسے ہی صفتِ انبیاء میں آپ ؐ کا عبداللہ ہونا بھی ایک مقام ہے۔ یعنی صرف معنیٰ ترکیبی کے لحاظ سے عبداللہ نہیں ہیں بلکہ انبیاء میں آپ کا عبداللہ ہونا بھی خاتم النبیین ہونے کی طرح ہے بموجب حدیث مشکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے ہیں جو اگرچہ سب کے سب عبدالٰہی ہی ہیں مگر قرآن مجید میں بطور لقب صرف حضور ہی کی ذاتِ اقدس پر لفظ عبداللہ کا اطلاق ہوا ہے ارشادِ باری ہے فلما قام عبداللہ اور حضور کا ارشاد ہے انی عبداللہ وخاتم النبیین میں عبداللہ ہوں اور خاتم النبیین۔ اس لئے آپؐ کے عبداللہ ہونے کی عظمت کا ادراک بھی فکرِ انسانی سے بالاتر ہے اور لفظِ عبداللہ کی عظمت و رفعت کا اندازہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز کے اس مکاشفہ سے لگایا جا سکتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:۔ "ایک مرتبہ مجھ پر مقامِ عبدیت سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تو اس کی تاب نہ لا سکا۔ قریب تھا کہ جل جاتا"

۵۔ بارگاہ الٰہی سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو علم و معرفت کی دولت بھی عطا ہوئی ہے اس لئے آپؐ علیم بھی ہیں، علوم اولین و آخرین سے آگاہ اور ذات و صفاتِ الٰہی کے سب سے زیادہ عارف، سورۃ نساء میں حضورؐ کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا وَ علمك مالم تكن تعلم اور سکھا دیا آپؐ کو جو کچھ آپؐ نہ جانتے تھے۔ تو حضور تلمیذِ رب العالمین ہیں، شاگرد استاد کی قابلیت کا نمونہ ہوتا ہے۔ استاد کامل ہو تو شاگرد میں استاد کے علم و فضل کی جھلک دکھائی دیتی ہے

حضورؐ فرماتے ہیں

علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی

مجھے میرے رب نے پڑھایا اور بہترین تعلیم دی' مجھے میرے رب نے آداب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز علمی کی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الم نشرح لك صدرك فرما کر آپؐ کو بے مانگے شرح صدر کی دولت عطا فرمائی اور انزل اللہ علیك الکتاب والحکمہ فرما کر کتاب وحکمت سے آپ کے سینہ اقدس کو ممتاز ومشرف فرمایا' آپؐ کے سینہ مبارک کو چاک کیا گیا اور قلب مبارک کو سنہری طشت میں غسل دے کر . . .

ثُمَّ مُلِیَ ایماناً وحکمۃ ثم اُعِیدَ مکانہ (خصائص کبریٰ ج ۲ صہ ۶۳)

ایمان وحکمت سے بھر کر سینہ اقدس میں رکھ دیا گیا

یہ شق صدر بھی عجیب انداز دلنواز سے ہوا نہ کوئی نشتر استعمال ہوا نہ تکلیف ہوئی اور نہ خون نکلا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے سینہ مبارک میں شگاف کے سیئے ہوئے نشان دیکھے، کنت اری اثر المخیط فی صدرہ : خصائص کبریٰ ج ۲ صہ ۶۴

شرح صدر کی اسی کیفیت کو حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت (تجلی) میں دیکھا' پھر اللہ نے اپنا ہاتھ (ید قدرت) میرے سینے کے درمیان رکھا اور اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میرے قلب نے محسوس کی۔

فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (مشکوٰۃ باب المساجد)

تو میں نے اشیاء زمین وآسمان کو جان لیا' الغرض یہ شان وعظمت ہے ہمارے طیب وطاہر سید ورہبر رسول کی کہ آپؐ رسولِ اوّل بھی ہیں اور رسولِ آخر بھی، آپؐ کی رسالت عالمگیر اور آپؐ کی نبوت جہانگیر ہے اور اب آپؐ کی اطاعت واتباع کے بغیر نجات ناممکن ہے اور پاکستان کی حفظ وبقا اور استحکام حضور ہی کے لائے ہوئے ضابطہ حیات دین اسلام کو دل وجان سے قبول کرنے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنے میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

٭ علامہ محمد سید رضی

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ
بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (۲۲ احزاب)

ترجمہ : اے نبیؐ ہم نے تمہیں لوگوں کا گواہ اور نیکوں کو خوشخبری دینے والا اور بدکاروں کو عذاب سے ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اسی کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

اس آیہ کریمہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ابتداً اس صفت سے کی گئی ہے کہ آپ اولین وآخرین کے اعمال کے گواہ ہیں، مولانا رومی نے اپنے اپنے شعر میں لفظ "شاہد" کی اس طرح تشریح فرمائی ہے۔

در نظر بودش مقامات العباد ‌‌‌‌‌‌ زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

٭ رکن مجلس شوریٰ و رکن قومی سیرت کمیٹی

یعنی حضورِ انور "شاہد" اس معنی سے ہیں کہ خدا نے اپنے بندوں کے تمام مرتبوں اور ان کی منزلوں سے آپ کو باخبر کر دیا ہے اور آپ بنی نوع انسان کے ہر فرد کے مرتبہ اور مقام سے واقفیت رکھتے ہیں اور اس کے گواہ ہیں پھر ظاہر ہے کہ ایسی کامل ترین ذات یقیناً سب ہی افضل و اکمل ہوگی۔ اس کے بعد آپؐ کے بشیر و نذیر ہونے کی صفت کا بیان ہے اور آخر میں آپ کو "سراجِ منیر" فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ روشنی ہے وہ سب اسی نورِ اقدس کا طفیل ہے اور صدقہ ہے اور اسی لئے متکلم لاہوت نے آواز دی تھی۔ "لولاک لما خلقت الافلاک" اے میرے حبیبؐ اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا

حضرت خاتم المرسلینؐ جس نیابت آلہیہ کے عظیم ترین کام کے لئے دنیا میں تشریف لائے اس کی تکمیل کے لئے دوسرے دلائل و براہین، معجزات اور آسمانی کتابوں کی بشارتوں کے علاوہ جن چیزوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، وہ خود آپؐ کی زندگی اور آپؐ کا قول و عمل ہے۔ نیز آپؐ کا اندازِ تکلم اور آپؐ کی سیرتِ طیبہ ہے۔ ایک طرف آپؐ کی پاک زندگی انسانی نسل کے لئے کامل ترین نمونۂ عمل ہے تو دوسری طرف آپؐ کی تقریریں، خطبات اور ارشادات اپنی جامعیت فصاحت و بلاغت اور اثر انگیزی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اور اس طرح اعلائے کلمۂ حق کے لئے جن مرکزی وسائل اور بنیادی وسائط کی ضرورت ہے وہ حضور انور کی ذاتِ گرامی میں اپنے اعمال پر موجود تھے

جہاں تک سرورِ کائناتؐ کے عظیم خطبات کا تعلق ہے ہمیں اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر خطیب اور ہر متکلم کی مختلف حیثیتیں ہوا کرتی ہیں اور اس کی فصاحت و بلاغت کا فطری تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ بدلتے ہوئے ماحول کے ساتھ اپنے طریقۂ خطاب کو بھی بدلتا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ مؤثر اور مفید بن سکے۔ ایک دشمن اور مقابلہ کرنے والے سے کلام کرنے کا انداز اور ہوتا ہے اور ایک دوست یا اپنے محبوب سے گفتگو کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے، صاحبانِ علم کو مخاطب کرنے کا ڈھنگ کچھ اور ہے اور جاہلوں کو سمجھانے کا طرز الگ ہے۔ غرض جس قدر ماحول میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے ایک باخبر اور ماہر خطیب ایک فصیح و بلیغ مقرر اپنی تقریر اور اپنے خطاب میں اثر انگیزی کی دوامی روح پھونکنے کے لئے اپنے اندازِ تکلّم اور طرزِ گفتار کو بھی بدلتا رہتا ہے۔

یہ تو عام خطیبوں کا ذکر تھا کہ چہ جائیکہ ولی و مرشد اور امام یا خلیفۃ اللہ اور پیغمبر یا رسول ، اس لئے کہ ان کی زندگی کا تو مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ بندگان الٰہی تک خدا کا پیغام پہنچا دیں اور پوری طرح اتمام حجت کر دیں اور یہ بات تو ممکن ہی نہیں ہو سکتی جب تک دنیا والے ان کے کلام اور ان کے باتوں کو اچھی طرح سمجھ نہ جائیں اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ وہ مخاطبوں کے فہم اور سننے والوں کی سمجھ اور عقل کے مطابق گفتگو کریں۔ اس لئے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبات گرامی پر بحث کرنے کے لئے ہمیں اس بات کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ حضورؐ کی ذاتِ اقدس کی مختلف حیثیات تھیں۔ وہ رسول تھے ، فاتح تھے ، ایک کامل ترین انسان تھے ، روحانی اور جسمانی امراض کے جاننے والے طبیبِ کامل تھے ، انسانی نفسیات کے ہر راز سے باخبر تھے ، وہ ایک عظیم مدبر تھے ، ایک عظیم مصلح تھے ، میدانِ جنگ کے بے مثال قائد اور امیر تھے ، وہ دینِ اسلام کے داعی تھے ، وہ ایک طرف محرابِ عبادت کے عابد شب زندہ دار تھے تو دوسری طرف محاذِ جنگ کے لاجواب سپہ سالار تھے ، غرض جو وقت آپؐ کسی مجمع سے خطاب فرماتے تھے تو آپؐ کا اندازِ کلام ویسا ہی ہوا کرتا تھا۔ جو اس ماحول کے تقاضوں کے مطابق ہو اور اسی وجہ سے آپؐ کے خطاب اور آپؐ کے کلام میں اثر انگیزی کی انتہا نہ رہتی تھی اور آپؐ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی اگر آپؐ کے کلام کو سن لیتا تھا تو پھر وہ آپؐ کی اطاعت اور محبت پر مجبور ہو جاتا تھا اور اس کے دل میں عداوت کی جگہ عشقِ رسولؐ اپنے قدم جما لیتا تھا۔ اکثر و بیشتر آپؐ کے خطبے بہت طولانی نہیں ہوتے تھے لیکن آپؐ کا ہر ہر لفظ فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا اور اثر انگیزی میں خود اپنا ہی جواب ہوا کرتا تھا۔ ہجرت کے موقع پر مدینہ میں سرور دو عالمؐ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہ ایک خاص پیغمبرانہ انداز میں تھا ، اس کے ایک ایک لفظ سے اسلامی کردار کی تشکیل ہو رہی تھی ، اسلامی نظریۂ حیات کی طرف رہنمائی فرمائی گئی تھی ، ایک ایک فقرہ معرفت الٰہی کا آئینہ دار تھا ، عام انسانی ذہن کو پہلی مرتبہ عظیم حقائق سے آگاہی عطا ہوئی تھی اور اسے ہر منفی رخ سے موڑ کر مثبت راستہ پر آنے کی دعوت دی تھی۔ مصلح عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لفظوں میں لوگوں سے خطاب فرمایا ، اَیُّھَا النَّاسُ فقدموا لانفسکم تعلمُنَّ واللہِ لیصعقنَّ احدکم ثم لیدعنَّ غنمہ لیس لھا راعٍ ثمَّ لیقولنَّ لہ ربُّہ ولیس لہ ترجمانٌ و لا حاجبٌ لحجبہ

دونہ، اَلَمْ یاتِکَ رسولی فبلغک و اٰتیتک و افضلت علیک فما قدمت لنفسک فلینظرن یمیناً و شمالاً فلا یری شیئاً ثم لینظرن قدامہ فلا یری غیر جہنم فمن استطاع اَن یقی وجہہ من النار ولو بشق من تمرۃ فلیفعل و من لم یجد فبکلمۃ طیبۃ فاِن بہا تجزی الحسنۃ عشرامثالہا الی سبعمأۃ ضعف والسلام علیکم و علی رسول اللّٰہ ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

لوگو! تم اپنے لئے پہلے سے آخرت کا سامان کرلو۔ اللہ کی قسم جب تم میں سے کوئی شخص موت کی بے ہوشی میں مبتلا ہوگا پھر وہ اپنی بکریوں کو چھوڑ جائے گا۔ جن کا کوئی چرانے والا اور نگہبانی کرنے والا نہ ہوگا پھر اُس کا وہ پروردگار جس کا نہ کوئی ترجمان ہے اور نہ اس کا کوئی دربان ہے جو کسی کو اس سے روکے، فرمائے گا ۔ کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا اس نے میرا پیغام نہیں پہنچایا؟ میں نے تجھے دولت عطا کی اور تیری ضرورت سے زیادہ دی تو پھر تو نے اپنے لئے پہلے سے آخرت کا کیا سامان کیا۔ اس وقت وہ شخص داہنے اور بائیں طرف دیکھنے لگے گا۔ مگر اسے کوئی چیز نظر نہ آئے گی پھر وہ اپنے سامنے نگاہ ڈالے گا تو جہنم کے سوا اُسے کچھ بھی دکھائی نہ دے گا۔ تو جسے قدرت اور استطاعت حاصل ہے وہ اپنے نفس کو آتش جہنم سے بچائے اگر ایک چھوہارے کے ادھے ٹکڑے ہی کے ذریعے سے کیوں نہ ہو اور جس کے پاس یہ بھی موجود نہ ہو تو ایک اچھی اور بھلی بات کے ذریعے سے۔ کیونکہ اس طرح ایک نیکی کا دس نیکیوں کے برابر بلکہ سات سو نیکیوں کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ سلامتی اور رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے تم پر اور اللہ کے رسول پر .....

اس خطبہ مبارکہ کو علامہ عبدالمالک بن ہشام حمیری نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویۃ" میں نقل کیا ہے پھر آپ کا دوسرا خطبہ بھی لکھا ہے جس میں حضور نے فرمایا: اِنَّ احسن الحدیث کتاب اللّٰہ قد افلح مَن زینہ اللّٰہ فی قلبہ و ادخلہ فی الاسلام بعد الکفر و اختارہ علی ماسواہ من احادیث النّاس انہ احسن الحدیث وابلغہ احبوا ما احبّ اللّٰہ ۔ اور پھر آپ نے فرمایا فاعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئاً واتقوہ حق تقاتہ واصدقوا اللّٰہ صالح ما تقولون بافواھکم وتحابوا بروح اللّٰہ بینکم اِن اللّٰہ یغضب اَن ینکث عھدہ والسلام علیکم۔

یقیناً بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بیشک وہی انسان دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگا جس کے قلب کو اللہ اس کلام پاک سے زینت بخشے گا اور اس کو کفر سے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا کرے گا، وہ ایسا شخص ہے جس نے اس کلام کو لوگوں کی تمام باتوں پر ترجیح دی ہے اور ان کے بجائے اسی کو اختیار کر لیا۔ بلا شبہ اللہ کا کلام سب سے اچھا ہے اور ہر کلام سے زیادہ بلیغ ہے اور اثر رکھنے والا کلام ہے۔ تم لوگ اسی چیز کو چاہو جسے اللہ پسند فرماتا ہے اور پورے خلوصِ دل کے ساتھ اللہ سے محبت رکھو۔ پھر کچھ اور نصیحتیں کرنے کے بعد فرمایا صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور اس سے اس طرح ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور جو اچھی باتیں تم اپنے منہ سے کہتے ہو انہیں اللہ کے سامنے سچ کر دکھاؤ اور اللہ کی عنایت و رحمت سے تم سب آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو بیشک وہ اس بات سے غضبناک ہوتا ہے کہ اس کا عہد و قرار توڑا جائے، تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت و برکت کا نزول ہو۔

سرورِ کائنات کے یہ وہ مبارک خطبے ہیں جو مدینہ میں آغازِ تبلیغ اسلام کے وقت لوگوں نے سنے تھے اور جن کے ایک ایک جملے میں معرفتِ الٰہی اور دیانت و حق پرستی کی قدروں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور یہ صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ایک شفیق مربی، ایک رحیم مصلح، ایک ماہر ترین طبیب امراض روحانی، روح و نفس کی بیماریوں کے لئے ایسے پہلو بتا رہا ہے جن میں سے ہر ایک شفائے کلی اور فلاحِ ابدی کی ضمانت ہے۔ ان میں آن روابط اور رشتوں کو کس حسن اور کیسے اختصار اور کتنے اثرانگیز طرزِ ادا میں سمجھایا گیا ہے جو عبد اور معبود، خالق اور مخلوق، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں اور جبکہ اللہ نے وہ تمام حق ادا کر دیئے جو بحیثیتِ رب اور پروردگار اس کے لئے مقرر تھے تو پھر ایک بندہ کو بھی اپنے معبود کے حقوق پورے کرنا چاہیئے یعنی یہ بھی اس کے ہر حکم کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیں اور وہی کریں جس میں اس کی خوشی اور رضامندی ہو۔

وہ قوم جو پتھروں کو سجدہ کر رہی تھی، جو رنگ، خطہ اور نسل و زبان کی کشمکش میں فنا ہو رہی تھی، جو اپنے دنیوی اقتدار کے گھمنڈ میں سرشار تھی جو ظلم و جور کو اپنا دین اور قتل و غارت کو اپنی زندگی کا مقصد جانتی تھی وہ اب ایک نئی آواز سن رہی تھی، ایک نیا تصور پا رہی تھی اور اب اس کو اس بات کا یقین ہو رہا تھا کہ وہ آزاد نہیں ہیں بلکہ اللہ کی نگرانی اور احتساب کے اندر ہیں۔

خطیب کے کلام میں تاثیر اس وقت بڑھ جاتی ہے جب اس کی پشت پر حسنِ سیرت اور خوبی کردار کی مستحکم بنیادیں بھی ہوں اس لئے سرورِ دوعالم کے کلام کی تاثیری طاقت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ کے خطبوں نے ساری قوم عرب کی ذہنیت ہی پلٹ دی اور وہ جن حرص و ہوس کے بتوں کو سجدہ کر رہی تھی انہیں خود اپنی ہی ٹھوکروں سے توڑنے لگی۔

اسلام کے دشمن کہا کرتے تھے کہ وہ تلوار کی باڑھ سے پھیلایا گیا ہے مگر کیا اُن کے پاس اس سوال کا جواب بھی ممکن ہے کہ یہ تلواریں کس چیز نے جمع کر دی تھیں ؟

بلاشبہ یہ تلواریں حضرت پیغمبر اسلام کی معجزانہ سیرت و کردار اور پیغمبرانہ طرزِ گفتار نے جمع کی تھیں اور یہ صرف اس لئے جمع ہوئی تھیں کہ ان سے بےگناہوں کے گلے کاٹنے کے بجائے۔ ان کے خون اور حقوق کی حفاظت کی جائے، پتھروں اور جانوروں کی حکومت کے بجائے، زمین پر اللہ کی سلطنت قائم ہو اور ایک انسان دوسرے انسان کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے ——— بےخبر دنیا کلامِ رسولؐ کو سحر کہنے لگی اس کی عقل کی رسائی اس سے آگے تھی ہی نہیں مگر اسے معلوم نہ تھا کہ یہ رسالت و امامت خلق کا وہ اعجاز ہے جس کے آگے دنیا والوں کے جادو ایک ہچکی بھی نہیں لے سکتے اور دم توڑ دیتے ہیں۔ یوں تو ہر قبیلہ کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا غرور تھا مگر درحقیقت قبیلۂ قریش اور قبیلہ بنو ہوازن کو اس میں وہ مقام حاصل تھا جس کی نظیر پورے عرب میں نہ تھی اور اس لحاظ سے حضورؐ کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہوئی جو کسی اور کو میسر نہ تھی یعنی یہ کہ آپ قریش کے قبیلۂ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے اور آپؐ کی پرورش قبیلہ بنو سعد بن بکر میں ہوئی جو بنو ھوازن کی ایک ممتاز شاخ تھا اس لئے آپؐ کے کلام میں فصاحت و بلاغت کے تمام جواہر جمع تھے اور آپؐ خود بھی فرمایا کرتے تھے، انا افصح العرب بید انی من قریش و رُبّیتُ فی الفخر من ھوازن بنی سعد بن بکر۔ میں تمام عرب میں سب سے زیادہ صاحب فصاحت ہوں کیونکہ میں قریش سے ہوں اور میری پرورش فخر ھوازن، قبیلہ بنو سعد بن بکر میں ہوئی ہے۔

جب کبھی حضرت سرورِ کائنات کسی مجمع کو خطاب فرمانے کے لئے تشریف لاتے تھے تو آپؐ کے جسم اطہر پر نہ تو لباسِ شاہانہ ہوتا تھا اور نہ آپؐ کے ساتھ خدمت گزاروں کی قطاریں اور زریں کمر

غلاموں کی صفیں ہوا کرتی تھیں بلکہ انتہائی سادہ مگر بے حد پر رعب اور پیغمبرانہ شکوہ و عظمت کے ساتھ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے۔

مسجد میں خطبہ کے وقت دستِ مبارک میں عصا ہوتا تھا اور میدانِ جنگ میں فوجوں کی تنظیم اور ان کے ولولۂ شجاعت کو ابھارنے کے لئے خطبہ ارشاد کرنے میں کمان پر سہارا لیا کرتے تھے۔ جمعہ اور عیدین کے معیّن اور مقرر خطبوں کے علاوہ جب کبھی ضرورت ہوتی تھی تو آپؐ خطبہ ارشاد فرماتے تھے جس کے لئے کوئی زمانہ معین نہ تھا۔

عموماً آپؐ کے خطبے سوال و جواب کے انداز میں ہوا کرتے تھے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ جب آپؐ خطبہ ارشاد کرتے تھے تو آپ کی سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی، غصہ میں غضب کی شدت پیدا ہو جاتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی جرّار لشکر کو حملہ کرنے کے ابھار رہے ہیں۔ فاتحانہ حیثیت سے آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ ارشاد کیا تھا جس میں آپؐ نے فرمایا تھا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وحدہٗ لَا شریک لہٗ صدق وعدہ ونصر عبدہٗ ھزم الاحزاب وحدہٗ اَلَا کلّ مأثرۃ او دم او مالٍ یُدّعٰی فھو تحت قدمیّ ھاتین اِلَّا سِدانۃ البیت وسِقایۃ الحاجّ"

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اپنے بندہ کی نصرت فرمائی اور کفر و شرک کے تمام گروہوں کو تنہا شکستِ فاش دے دی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اب تمہارے تمام فخر و ناز، خون اور مال کے تمام مطالبے اور تمہارے تمام خونبہا سب میرے ان دونوں پیروں کے نیچے ہیں مگر خانہ کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب اس بات سے مستثنیٰ ہو گا ——

یا معشر قریش اِنّ اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظّمھا بالاٰباء الناس من اٰدم من تراب" اے گروہِ قریش! اب زمانہ جاہلیت کا گھمنڈ اور نسل و خاندان کے فخر کو اللہ نے مٹا دیا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے خلق کئے گئے تھے۔ یوں آپؐ نے تعلیم دی کہ اسلام کے نزدیک رنگ و نسل اور خطیہ و زبان کی یا اس طرح کی دوسری تفریقوں کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ بھی ہے وہ آدمی کا حسنِ عمل اور اچھا کردار ہے جو اس کے شرف و عزت کا سبب ہو سکتا ہے۔ حضرت خاتم المرسلین کا آخری خطبہ وہ تھا جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد کیا تھا جس میں

آپؐ نے فرمایا تھا، اَیُّھَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی ۔ لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور یقیناً تمہارا باپ آدمؑ بھی ایک ہی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف پرہیزگاری کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: کُلُّ مُسْلِمٍ اَخُو الْمُسْلِمِ وَاِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ اِخْوَۃٌ۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَاءِ اِنَّ اَمْوَالَکُمْ وَدِمَاءَکُمْ حَقًّا وَلَھُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ بیشک تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔ آپؐ نے مسلمانوں کی عزت و آبرو اور مال و جان کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا: اِنَّ اَمْوَالَکُمْ وَدِمَاءَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا۔ تمہاری عزت و آبرو، تمہارے اموال اور تمہارے خون ایک دوسرے پر اس طرح حرام اور محترم ہیں جس طرح یہ دسویں ذی الحجہ کا عظیم دن محترم ہے، اس محترم شہر مکہ میں اور اس محترم مہینہ میں ــــــ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ۔ پھر آسمان کی طرف سرِ اقدس اٹھا کر کئی مرتبہ درگاہ خداوندی میں عرض کی۔ پروردگار! کیا میں نے تیرا حکم اور پیغام لوگوں تک پہنچا دیا! جب حضورؐ یہ یادگار خطبہ دے رہے تھے اس وقت بجائے کسی شاہانہ قیمتی مسند اور بیش بہا تخت سلطنت کے آپؐ ایک بہت معمولی فرش پر بیٹھے ہوئے تھے جو آپؐ کی اونٹنی "قصواء" کی پشت پر پڑا ہوا تھا اور اس کی قیمت اس زمانہ میں آج کل کے دو چار روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔

حضرت سید الانبیاء کا یہ آخری خطبہ اسلام کی پوری تعلیم کا نچوڑ ہے۔ اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ہر رخ کی طرف اشارہ موجود ہے حسن اخلاق اور حسن کردار کی تلقین ہے، مساوات انسانی کا مکمل درس ہے، اسلامی اخوت اور اتحاد و اتفاق کا سبق اور نصیحت ہے۔

بلاشبہ حضور انورؐ کے خطبات اور ارشادات پوری انسانیت کے لئے رشد و ہدایت کا ایک ایسا سورج ہیں جو کبھی غروب نہ ہوگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

"مظہر تکمیل نبوت و رسالت"

* صاحبزادہ سید فیض الحسن

تقدیر و ہدایت قانونِ فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو پیدا بھی فرماتے ہیں اور مدعا تخلیق کے حصول کا ذریعہ بھی بتاتے ہیں وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی انبیاء کے ذریعے وہ انسانوں کو خالق کی معرفت، تخلیق کی غرض و غایت اور باہمی تعلقات میں حسنِ روابط کا ضابطہ بھی عطا فرماتے ہیں لیکن اس آسمانی ہدایت میں، قانونِ ربوبیت کے مطابق تدریجی ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ "تا آنکہ مقصدِ تخلیق کی تکمیل ہو جاتی ہے اور کاروانِ حیات بتدریج وحی کی روشنی اور نبوت و رسالت کی رہنمائی میں کامیاب منزل اور فائز بمرام ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العلمین ہیں اور ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بتدریج ہر آغاز انجام تک اور ہر ابتدا انتہا تک پہنچ جائے۔

خلق و تدبیر و ہدایت ابتدا است
رحمۃ للعالمینی انتہا است (اقبالؒ)

---

* سجادہ نشین آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ،

تہذیب وتمدن انسان کے دورِ طفولیت میں مختلف اقوام اور اوطان کے لئے الگ الگ انبیاء و رسل آتے رہے اور معرفت، عبودیت اور تہذیب وتمدن کے کچھ اصول لوگوں کو بتاتے رہے لیکن تہذیب تمدن کے ارتقا اور انسانی روابط کی وسعت کے ساتھ ساتھ انسانی ضرورت کے پیش نظر، انبیاء کی شرائع میں بھی وسعت اور جامعیت پیدا ہوتی رہی، ایک نبی کا دور ختم ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا یا ایک نبی کی تعلیم میں تحریف ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کی اصلاح کے لئے مبعوث ہو جاتا چنانچہ ارشاد ہوا:

ثم ارسلنا رسلنا تترا (۲۳ : ۴۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔

وہ دین جو ہر نبی پر اترا اسلام تھا۔ لیکن ہر نبی کے بعد اس کی تعلیم میں عمداً یا سہواً تحریف کر دی گئی چنانچہ آج دنیا بھر میں کوئی بھی آسمانی کتاب اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں موجود نہیں۔ قرآن حکیم تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اُن کی تمام اصل اور حقیقی تعلیمات کو اپنا کر اُن کا مہیمن (محافظ) بھی بن گیا ہے۔

وانزلنا علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ (۵ - ۴۹)

تکمیلِ ہدایت کے لئے، ضابطہ حیات یا آسمانی کتاب کا تکمیلی صورت میں نزول ضروری تھا، تاکہ نبوت ورسالت کا عظیم مقصد تکمیل پذیر ہو سکے اور انسان ایمان وعمل، نفع وضرر اور ہدایت وضلالت کو، تفصیلی طور پر سمجھ سکے۔ چنانچہ حضور ختم المرسلین، رحمۃ العالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے آسمانی ہدایت کی قرآن حکیم کے رنگ میں تکمیل ہو گئی اور حضور ختمی مرتبت علیہ السلام پر نبوت ورسالت کا سلسلہ آئندہ کے لئے ختم ہو گیا، چنانچہ قرآنِ حکیم نے بار بار وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرما دیا

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ○ (۵ : ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اب ان تعلیماتِ قرآنی کی ترتیب یوں بنتی ہے۔

۱. ازل میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری ہدایت کے لئے رسول اور کتاب بھیجتے رہیں گے۔

۲۔ اس وعدہ کے مطابق اللہ کریم کی طرف سے ہدایت لے کر رسول آتے رہے اور مسلسل آتے رہے۔

۳۔ ان ہدایاتِ خداوندی کو سابقہ امتیں ضائع یا مسخ کرتی رہیں۔

۴۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ التحیۃ والثنا پر قرآنِ حکیم کے رنگ میں، مکمل آسمانی ہدایت نازل کردی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ یہ اللہ کی کتاب، اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور قیامت تک اس کے کسی بھی لفظ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

۵۔ حضور پیغمبر اسلام علیہ السلام خاتم النبیین ہیں جن پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوگئی، تعلیم الٰہی مکمل ہوگئی اور آئندہ کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہوگیا۔ انسانی استعداد کو بلوغ دے کر قرآنی ہدایت اور خاتم النبیینؐ کی قیادت میں بقا اور ارتقا اور تعلیم و ترقی کی انتہائی رفعتوں تک پہنچنے کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ انسان کو قیامت تک کے لئے وہ سب کچھ دے دیا گیا جس کی اسے ضرورت تھی۔ تکمیل کے بعد اور کوئی مقام نہیں اور قرآنِ حکیم کے بعد اور کوئی کتابِ ہدایت نہیں اور حضور ختم المرسلینؐ کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں۔

قرآنِ حکیم کی متعدد آیات اور کثیر احادیث جو کہ تواترِ معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں، حضور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے آخری نبی ہونے پر دلیلِ ناطق اور شاہدِ صادق ہیں اور اسی پر اجماعِ اُمت ہے۔ جس کا خلاف کفر و الحاد اور موجبِ خسران دارین ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ختمِ نبوت کا انکار ممکن نہیں اور یہ الیاسطے شدہ مسئلہ ہے کہ عہدِ رسالت میں جب مسیلمہ کذاب نے دعوائے نبوت کیا اور ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی تصدیق بھی کی۔ تو بھی اس کے کذاب ہونے میں ذرا بھی تامل نہ کیا گیا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کے خلاف انتہائی اور فیصلہ کن اقدام فرمایا۔

صاحبِ روح المعانی علامہ محمود آلوسی اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضور علیہ السلام کے خاتم الانبیاء ہونے پر قرآنِ حکیم دلالت کرتا ہے، سنت اس کی صراحت فرماتی ہے اور اُمت نے اس پر اتفاق کیا ہے۔

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں، تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں اور نبی کریم نے اپنی سنت متواترہ میں خبر دی ہے کہ رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا، آخری رسول ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

محقق حنفیہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے اور اس پر تمام اُمت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ خطباتِ جدید میں فرماتے ہیں۔ اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی ہے اور اس تکمیل سے اس نے خود اپنی خاتمیت کی ضرورت کو واضح کر دیا ہے اور اس میں یہ لطیف نکتہ بھی پنہاں ہے کہ انسان کو ہمیشہ عہدِ طفولیت کی حالت میں نہیں رکھا جاسکتا۔ پھر عقیدۂ ختمِ نبوت کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کی باطنی واردات کے متعلق ایک آزاد اور ناقدانہ طرزِ عمل قائم ہو گیا ہے۔ اب نوعِ انسان میں کوئی بھی شخص، کسی مافوق الفطرت اختیار یا پیغام کی بنا پر، دوسروں کو اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کرسکتا۔

بخاری اور مسلم کی متفقہ روایت ہے، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اور تمام انبیاء کرام اور رسلِ عظام علیہم السلام کی مثال یوں ہے جیسے کہ ایک محل ہو اور اس کی تعمیر بہت احسن طریقہ پر کی گئی ہو اور صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، نظارہ کرنے والے اس کے ارد گرد پھرے اور اس کے حسنِ تعمیر پر تعجب کرتے رہے، سوائے اُس اینٹ کی چھوڑی ہوئی جگہ کے پس میں نے اس اینٹ والی جگہ کو بند کر دیا۔ میرے ساتھ اس عمارت کی تکمیل ہوئی اور مجھ پر سلسلہ نبوت و رسالت کا اختتام ہوا۔ اور ایک اور روایت میں ہے "جس سے قصرِ رسالت و نبوت کی تکمیل ہوئی میں ہی وہ اینٹ ہوں۔ اور سب نبیوں سے آخری نبی ہوں"۔

حضرت ابوذر رضؓ سے روایت ہے، اے ابوذر! تمام انبیا کرام سے اوّل حضرت آدم ہیں اور آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ علیہ السلام ہیں۔

(اداره ابونعیم وابن عساکر والحکیم (الترمذی بروایہ کنز العمال)

ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تحقیق نبوت و رسالت میرے بعد منقطع ہو گئی ہے، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ کوئی نبی ۔

جو پیغام حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعے آیا، وہ عالمگیر اور دائمی بن کر آیا اور حضور علیہ السلام نے کافۃ للناس بشیراً و نذیراً کا مقام پایا۔ اس لئے یہ پیغام جب سے اب تک اور اب سے قیامت تک محفوظ ہے۔ اور محفوظ رہے گا۔ کیونکہ اس کے بعد اور کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی گزشتہ پیغام کے متعلق نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو گئی۔ اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں۔ دنیا کے باقی تمام صحیفے اپنی صحت اور اصلیت کے لحاظ سے گم ہو چکے ہیں اور ان کا گم ہونا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن قرآن حکیم میں اللہ کریم نے تکمیل دین اور اتمام نعمت نبوت کا بھی اعلان فرمایا ہے اور اس جامع اور مانع پیغام کی مکمل حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت، کالے گورے، اسود و احمر، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، شاہ و گدا، رنگ و فرنگ، سب کے لئے عام ہے۔ خدا تمام دنیا کے خدا اور رب العالمین ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ختمی المرتبت خدا کے آخری نبی اور رحمۃ اللعالمین ہیں حضور کو للعالمین نذیر بنایا گیا ہے اور آپ کے پیغام کو ذکریٰ للعالمین قرار دیا گیا۔ جہاں تک خدا کی سلطنت ہے، وہاں تک آپ کے پیغام کی وسعت ہے۔

قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ سارے مذاہب میں سے صرف اسلام نے اور سارے انبیاء میں سے صرف پیغمبر اسلام علیہ السلام نے آخری اور دائمی، کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے تاریخ کی علمی شہادت بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتی ہے۔ جامعیت، عملیت اور تاریخی حفاظت کے لحاظ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا پیغام ابدی، آپ کی نبوت و رسالت آخری آپ کا اسوۂ حسنہ مظہر جامعیت اور آپکی تعلیم تا قیامت محفوظ اور اپنی اصلی حالت پر قائم رہنے والی ہے۔ اور یہی تکمیل دین اور ختم نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حضور ختمی مرتبت علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کی جامعیت کو مولانا سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفۂ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف حضرت محمد مصطفٰے علیہ التحیّۃ والثنا کی ہی زندگی ہے۔ اگر دولتمند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شیب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مسافر کی حالت دیکھو، اگر فرمانروا ہو تو سلطان عرب کا اسوہ دیکھو۔ اگر محکوم ہو تو قریش کے ایک مظلوم فرد کی حالات زندگی پڑھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نظر ڈالو۔ اگر شکست خوردہ ہو تو معرکۂ احد سے تعلیم صبر و رضا لو، اگر تم استاد و معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد نبوی کے خطیب کے اسوہ اپناؤ۔ اگر یتیم ہو تو سیدہ آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر طفل معصوم ہو تو سیدہ حلیمہ سعدیہ کے نور نظر کو دیکھو۔ اگر نوجوان ہو تو بنو ہاشم کے پاکباز نونہال کی سیرت پڑھو، اگر مزدور ہو تو مسجد نبوی کے معمار کو دیکھو اگر جج اور منصف ہو تو نصب حجر اسود کے ثالث کو دیکھو، اگر شوہر ہو تو ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے شوہر نامدار کی مثال سامنے رکھو، اگر اولاد والے ہو تو خاتون جنت سیدہ فاطمہ کے والد محترم اور حسنین کریمین کے باوقار نانا کو دیکھو۔

آپ بیک وقت داعی الی اللہ اور سراج منیر ہیں۔ آپ کی تعلیم کو قیامت تک باقی رہنا تھا اس لئے آپ کی ذات کو مجموعۂ کمال اور دولت لازوال بنا کر بھیجا گیا۔ چونکہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہیں۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کی جامعیت، کاملیت اور تاریخیت سے نوازا گیا۔ آپ نے سب انسانوں کی سب حالتوں کے لئے دائمی اور جامع نمونہ پیش فرمایا۔ کیونکہ آپ ہی ختم نبوت و رسالت کے آخری اور جامع مظہر ہیں۔ اور آپ ہی کا اسوہ تاقیامت نوع انسانی کے لئے دائمی نمونہ ہے، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

آپ ہی مظہر تکمیل نبوت و رسالت ہیں:

خلق و تدبیر و ہدایت ابتداست، رحمۃ للعالمینی انتہاست،
ہر کجا بینی جہان رنگ و بو، آنکہ از خاکش بروید آرزو،
یا ز نور مصطفٰے او را بہاست یا ہنوز اندر تلاش مصطفٰے است،

اقبالؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت"

شفقت و رحمت

صاحبزادہ محمد فیض علی فیضی *

ہر انسان شفقت و رحمت کا محتاج ہے، ہر شخص چاہتا ہے کہ کوئی اُسے پیار اور نرمی کا برتاؤ کرے، اس کی دلجوئی کرے، اس کے دُکھ بانٹے، اسے زندہ رہنے کا حق دے، اس کی کوتاہیوں پر چشم پوشی کرے، اس سے عمدہ سلوک کرے۔ اس پر کوئی دوسرا سختی نہ کرے۔ اسے مشقت میں نہ ڈالے۔ لہٰذا اسی فطری تقاضے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے شفقت و رحمت فرماتا ہے اور نظام انسانی میں بھی شفقت و رحمت عطا فرمائی ہے۔ اگر شفقت و رحمت نہ ہو تو ماں اپنے بچے کی پرورش نہیں کر سکتی۔ باپ اپنی اولاد کو نہیں پال سکتا۔ بڑے اپنے چھوٹوں پر رحم نہیں کر سکتے۔ چھوٹے اپنے بڑوں کی عزت نہیں کر سکتے۔ اس شفقت و رحمت سے انسان ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے اور معاشرے کو سکون و اطمینان اور امن و امان حاصل ہوتا ہے۔

حضور پر نور، شافع روز نشور، احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اعلیٰ کمالات اور عمدہ اوصاف کے پیکر اتم ہیں، کوئی خوبی، کوئی حسن، کوئی کمال، کوئی صفت ایسی نہیں جو حضور میں نہ ہو۔ حضور منبع حسن و جمال اور مرکزِ وصف و کمال ہیں۔ حضور تمام اوصافِ حمیدہ کے منبع، معدن اور مخزن ہیں۔

---

* رکن مرکزی رویت ہلال کمیٹی، خطیب جامع مسجد راولپنڈی، سجادہ نشین داؤلی شریف (ضلع گوجرانوالہ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب العالمین اور حضورؐ کو رحمۃ اللعالمین فرمایا۔ یعنی جس جس چیز کا اللہ تعالیٰ رب ہے اُس اُس چیز کے لئے حضورؐ رحمت ہیں۔ حضور نبیؐ پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لیے اور سب انسانوں کے لئے رحمت ہیں مگر اُمّت پر خاص رحمت و شفقت فرمانے والے ہیں۔ اتنی رحمت و شفقت جو حضور کے شایانِ شان ہے۔ اور اتنی رحمت و شفقت جو نبوت کے کمالات اور اوصاف میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

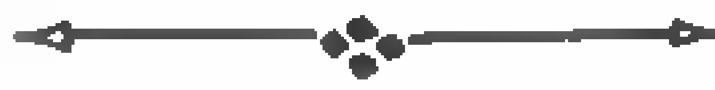
"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝"

آپ نے تبلیغ اسلام میں ہر قسم کی مصیبت، مشقت اور اذیت برداشت کی اور دشمنوں کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی، آپ کی شفقت و رحمت کی کیفیت یہ تھی کہ آسمان پر آندھی یا بادل کے آثار نمودار ہوتے تو حضورؐ متفکر اور مغموم ہو جاتے اور چہرۂ انور پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگتے آپ کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے۔ جب بارش ہو جاتی تو آپؐ خوش ہو جاتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے یوں دعا فرمائی: "اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی کام پر والی بنایا جائے اور وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو تو اس والی کو بھی مشقت میں ڈال اور جو شخص میری اُمت کے کسی کام کا والی بنایا جائے اور وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس والی کے ساتھ نرمی کر۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم نور مجسم سید عرب و عجم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تلاوت فرمائی: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا تلاوت فرمائی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ اور حضورؐ کی پیاری نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے حضور کے گلابی رخساروں پر گر پڑے۔

آنسو گرا ہے رُوئے رسالت مآبؐ پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کو فرمایا کہ "میرے محبوب کے پاس جاؤ اور اُن سے گریہ وزاری کا سبب دریافت کرو۔" حضرت جبریلؑ حاضرِ خدمت ہُوئے اور حضورؐ سے رونے کا سبب پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی بخشش و مغفرت کے متعلق اپنی بیقراری کا اظہار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے جبریل! حضورؐ کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم آپؐ کو آپؐ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے۔ اور غمگین نہ ہونے دیں گے۔" حضور کی شفقت و رحمت ہی کا باعث تھا کہ حضورؐ نے دین و دنیا میں اپنی امت کے لیۓ آسانی اور تخفیف کو پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ جب آپ کو دو کاموں میں سے کسی کام کا اختیار دیا جاتا تو حضور ان میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ آسان کام گناہ نہ ہوتا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت ہی تھی کہ شبِ معراج میں جب پچاس نمازیں فرض ہوئیں تو حضور بار بار اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اس حکم میں تخفیف کراتے رہے حتےٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے عورتیں بہت مظلوم تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفقت و رحمت سے معاشرے میں عورت کو باعزت اور بلند مقام عطا فرمایا؛ غرضیکہ حضور نبوت و رسالت کے تمام کمالات کی تکمیل کے مظہرِ اتم ہیں۔ شفقت و رحمت بھی انہی کے کمالات کا ایک حصّہ ہے۔ حضور نے شفقت و رحمت کا بھی ایک ایسا اعلیٰ نمونہ عطا فرمایا، جس کی مثال و نظیر نہیں ملتی۔ آج ضرورت ہے کہ حضور کی غلامی میں ہم اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے شفقت و رحمت سے پیش آئیں تاکہ اللہ اور اس کے محبوبؐ ہم سے راضی ہوں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ العلیم الحکیم و الصلوٰۃ و السلام علیٰ

رسولہ الکریم الرحیم و آلہ العظیم الفخیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

مظہر اکمل اور خاتم الانبیاءؑ

★ مولانا شبیہ الحسنین محمدی

ارباب عقل و فہم کا اتفاق ہے کہ انسان شکم مادر سے کچھ لے کر نہیں آتا، دماغ کی فضا بالکل محدود ہوتی ہے۔ آنکھیں بے نگاہ، زبان گنگ، کان بہرے، ہاتھ پیر بیکار، اچھے بُرے میں تمیز کچھ نہیں ہوتی۔ اپنے پرائے میں امتیاز نہیں ہوتا۔ چشم نیم وا دیکھتی ضرور ہے مگر بہن بھائی، ماں باپ عورت مرد کی شناخت اور پہچان سے خالی، کان بے شک سنتے ہیں لیکن صوت واحد کی صورت میں دست و پا بھی حرکت کرتے ہیں، آس پاس کی اشیاء کو مس بھی کرتے ہیں مگر احساس سختی و نرمی سے عاری۔ غرضیکہ دورِ حیات کی ابتدائی گھڑیاں انسانی کمزوری، جہالت اور لاعلمی کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ بچہ کچھ نہیں جانتا، کچھ نہیں سمجھتا، کیونکہ فطرت نے، قدرت نے اس کو تعلیم دے کے پڑھا لکھا کے نہیں بھیجا۔ ابھی وہ لاعلم محض ہے۔ ہاں فطرت کے نیاض ہاتھوں نے اس کے وجود میں حصول علم کے ضروری آلات ودیعت فرما دیئے ہیں۔ جہالت کے پتلے اور لاعلمی کے پیکر کو تحصیل علم کی

★ رکن مرکزی رویت ہلال کمیٹی ناظم منظر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور

استعداد عنایت فرمادی ہے: وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ (پ ۱۴ النحل آیۃ) تم کو علیم و حکیم ذات نے شکم مادر کی تاریکیوں سے عالم وجود کی نورانی آغوش میں ایسی حالت میں بھیجا کہ تم بھی کچھ نہ جانتے تھے، اس کارساز علیم نے تمہاری جہالت کے پردے کو چاک کرنے کے لئے کان بنا دیئے، آنکھیں عنایت فرمادیں، دل پیدا کر دیا تاکہ کانوں کے ذریعے ساز قدرت سے نکلنے والے مست کن نغمات کو سنو، آنکھوں سے حسینان فطرت کے جلوؤں کو ملاحظہ کرو اور دل سے اچھی بری بات کا فیصلہ کرو کہ کہیں کان، صوتِ ابلیس کو تو آوازِ الٰہی نہیں سمجھ رہے ہیں؟ آنکھیں، ظلماتی پیکروں کو صیاکل نورانی تو محسوس نہیں کر رہی ہیں.....؟ درست و غلط کا فیصلہ دل کے اختیار میں دیا گیا، مذکورہ آیت واضح طور پر اشارہ کر رہی ہے کہ انسان ابتدائے آفرینش میں جاہل اور لاعلم ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ماحول کے اثرات سے متاثر ہوتا ہوا، ارتقائے علمی کے زینوں کو طے کرتا ہے۔ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر گونگے، بہرے، اندھے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا فضائے کائنات کی کثیف ہوا قدرت کے حکم کے ماتحت حواس خمسہ ظاہریہ کو حصول علم کے ساتھ عمل کرنے کے لائق بناتی ہے۔ اس لئے عطائے حواس وقویٰ کا راز یہی ہے کہ وہ عالم مادیات و عقلیات مطالعہ کر کے اپنی معلومات کے تنگ دائرے کو وسیع بلکہ وسیع تر بنا دے۔ ذوق تجسس کی آگ جو فطرتاً ہر انسان کے دل میں روشن ہے وہ اسی لئے ہے کہ جو چیزیں وجودِ انسانی سے خارج اور غیر معلوم ہیں، ان کو اپنی کوشش و کاوش سے معلوم کر کے اپنے وجود کا جزو بنالے۔ بہر صورت یہ امر اپنے مقام پر بندھن ہے کہ انسان کا علم خارجی ہوتا ہے داخلی نہیں ہوتا۔ بچہ پڑھا لکھا ہوا پیدا نہیں ہوتا بلکہ زندگی کا معتدبہ حصہ گذار کر پڑھنا لکھنا شروع کرتا ہے۔ وہ صنعت و حرفت کا عالم نہیں ہوتا بلکہ طبیعت کا لگاؤ دیکھ کر ماں باپ کسی خاص پیشے کا اشارہ کرتے ہیں اور یہ اسی کو اختیار کر لیتا ہے۔ ابتداً اسے کوشش کے دریا میں ہاتھ پیر مارنا نہیں آتے، بحر تفکرات میں غوطے کھانا نہیں جانتا، یہ سب بعد کی باتیں ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں حاصل کرتا ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ یہ جو کچھ ایک بچہ کرتا ہے وہ دوسرے کو دیکھ کر کرتا ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کا ذرا سا بھی علم حاصل نہیں ہے اسے بغیر دیکھے کیونکر انجام دے گا، یہ تو اچھی خاصی تکلیف مالا یطاق ہو جائے گی، اسی لئے انسان اپنی زندگی کے تمام اجزاء میں کسی نہ کسی نمونے کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر نمونہ سامنے نہ ہو تو انسان کی پوشیدہ قوتیں جو فطرت نے اس کو عنایت فرمائی ہیں کبھی فعلیت اور ظہور کا جامہ نہیں پہن

سکتیں۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ ایک نمونہ تمام معاملات اور ضروریات میں کامل ثابت نہیں ہوتا بلکہ اختلاف ضروریات کے ساتھ نمونہ بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک بچے کے لئے سب سے پہلے اس کی ماں نمونے کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ ماں جو کام کرتی ہے بچہ وہی کام کرنے لگتا ہے۔ اتحاد حقیقتِ انسانیت کے باوجود، زبان، تمدن، لباس اور وضع قطع وغیرہ کا اختلاف، نمونے کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ماہیت واحدہ مثلاً آگ کو ایک اردو داں "آگ" انگریز "فائر" عرب "نار" اور ایرانی "آتش" کہتا ہے، حالانکہ حقیقت میں شے ایک ہے مگر چونکہ حار بالطبع شئے کا نام بچہ نے مختلف زبانوں سے الگ الگ سنا۔ اس لئے ایک مفہوم اور شئے کے لئے متعدد لفظ جمع ہو گئے۔ بہرصورت چونکہ ماں اپنے دلبند کے لئے نمونہ ہوتی ہے لہٰذا جو صفات اور اخلاقیات ماں کے ہوتے ہیں وہ بچے کی رگ و پے میں لہو کی طرح دوڑ جاتے ہیں۔ عالم طفلی میں جو نقش، لوحِ قلب پر ابھر آتا ہے۔ وہ مٹائے نہیں مٹتا، بچہ اپنے ابتدائی حالات میں ہو بہو ماں کی تصویر ہوتا ہے۔ ہم دو تین برس کا بچہ دیکھ کر اس کے لباس وغیرہ پر سرسری نظر ڈال کے بآسانی اس کی ماں کے اچھے اور برے خصائل کا پتہ لگا لیتے ہیں، اس لئے کہ ماں جیسی نالائق اور پھوہڑ ہوگی۔ بچہ اتنا ہی ناکارہ اور ہٹی ضدی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیب یافتہ ماں کی آغوش تربیت کا پلا ہوا بچہ اکثر و بیشتر اعلےٰ تہذیب کا مالک ہو جاتا ہے اور کندۂ ناتراشیدہ جاہل عورت کا پوت جہالت کی آغوش میں کرو میں بدلا کرتا ہے۔

ماں کے بعد بچہ کا باپ نمونے کی حیثیت رکھتا ہے اور باغ دل کا یہ نونہال، باپ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، تخم تاثیر صحبت کا اثر مشہور مثل ہے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، باپ کے بعد کنبہ خاندان والے، محلہ والے۔ شہر والے، ملک والے یہاں تک کہ دنیا جہان کے سکان ضروریات انسانی کی ترقی کے ساتھ نمونہ ہوتے جاتے ہیں جو حال ملک و قوم کا ہوتا ہے وہی اس نئی فرد قوم کا بھی ہو جاتا ہے۔

اب تک کی گفتگو زیادہ تر تمدنیات اور مادیات سے متعلق تھی۔ ہم مذہبیات اور روحانیات میں اور بھی زیادہ نمونے کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ مذہبی یا روحانی مسافر بغیر کسی دستگیر کے ایک گام راہ طے نہیں کر سکتا۔ فانوس دماغ میں جلنے والی شمع اس کے لئے نورانیت کے بجائے ظلمت کا اضافہ کرے گی۔ اگر کوئی رہبر ساتھ نہ ہو تو اس کو کیا معلوم کہ معبود کل۔ رب العالمین کی مرضی کس فعل میں ہے اور کس امر میں ناراضی کا خدشہ۔ استحسان و قباحت افعال و اعمال کا علم اس کو قدرت کی طرف سے بغیر کسی خارجی طاقت کی امداد کے نصیب نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انسان فطرتاً اپنی مذہبی زندگی کے واسطے ایک نمونہ تلاش

کرتا ہے تاکہ اس کے نقش قدم پر قدم رکھتا ہوا مالک کائنات کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرے۔ وہ بلوغت عقل کے بعد اپنے گردوپیش نظر ڈالتا ہے اور ماحول سے متاثر ہو کر ان نمونوں کو اپنا سچا رہبر تسلیم کر لیتا ہے جو اس کے خاندان، قوم اور شہر و ملک میں قابل احترام تصور کئے جاتے ہیں۔ اختلافِ مذہب کی وجہ یہی ہے کہ ماحول کا اثر غور نہیں کرنے دیتا...... !! حق وباطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا، بچہ میں دیکھی سیکھی باتیں واقع کا اباس اختیار کر لیتی ہیں۔ ورنہ اگر انسان اپنی نظر کو وسعت دے اور تنگ نگاہی سے کام نہ لے تو نقطۂ اتحاد تک پہنچ جانا کوئی مشکل کام نہیں وہ ایک سیدھی راہ پاکر، درست مذہب سے ہمکنار ہو کر ابدی نجات حاصل کر سکتا ہے کیونکہ معمولی سا تفکر اسے بتادے گا کہ عالم میں ہزاروں نمونے ہیں جن میں سے ہر ایک کمال کا مدعی ہے.... بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سب کامل ہوں؟؟ ظاہر ہے کہ کامل تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے باقی سب ناقص، لہٰذا اس کامل کی جستجو کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ متعدد خطوط میں خط مستقیم صرف ایک ہو سکتا ہے باقی سب منحنی اور ٹیڑھے، اسی طرح کامل اور اکمل نمونہ بھی صرف واحد ہو سکتا ہے، دو نہیں ہو سکتے، کجا کہ سو دو سو اور ہزار دو ہزار..... !!

نمونے کی ضرورت کو عالم امکان کے ہر مذہب کے افراد نے تسلیم کیا ہے۔ مذہبی آدمی اس کی ضرورت کے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے مذہب کی وہ کتابیں جن پر دین کی بنیاد قائم ہے، نمونے کی ضرورت پر روشنی ڈالنے کے بجائے خاموش اور ساکت ہیں۔ جس مذہبی کتاب کو جی چاہے دیکھ لیجئے نمونہ کی ضرورت کا کہیں پتہ نہیں ملتا حالانکہ راہ بقا کا مسافر نمونہ کا بہت زیادہ محتاج ہے ہم ریلوے کے تمام حالات سے واقف ہیں، گاڑیوں کی آمدورفت کے اوقات مقرر ہیں، لیکن پھر بھی اسٹیشن پہنچ کر ایک رہبر تلاش کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ بتلائے کہ کس پلیٹ فارم سے گاڑی چھوٹتی ہے؟ پھر پلیٹ فارم پر پہنچ کر بھی اطمینان نہیں ہوتا، تسلی کے لئے بیٹھے ہوئے مسافروں سے استفسار کرتے ہیں اور ٹکٹ چیکر سے دریافت کرتے ہیں، پھر بھی جب تک مطلوبہ شہر نہیں پہنچ جاتے پریشانی دور نہیں ہوتی۔ اب فرض کیجئے کہ کوئی صاحب کراچی کا ارادہ کر کے لاہور اسٹیشن پر جائیں اور کسی سے پوچھ گچھ بغیر، جو ٹرین سامنے کھڑی ہو اس میں سوار ہو جائیں، اگر اتفاقاً وہ گاڑی پشاور جا رہی ہو تو مسافر صاحب کا کیا حال ہوگا.....؟ وہ کراچی کے بجائے پشاور جا پہنچیں گے ٹکٹ الگ ضائع ہوگا اور دھکے کھاتے پھریں گے سو الگ.....!!؟ اسی طرح

ذرا سفر آخرت کو ملاحظہ فرمائیے، کوئی صاحب بغیر کسی کے پوچھے گچھے خود ساختہ عبادت فرمائیں، خود کوئی نبی یا امام چن لیں اپنے خیال سے تو راستہ درست ہی اختیار کیا ہے مگر ان کو کیا پتہ کہ یہ راہ دوزخ تک ہے

؎ کیں راہ کہ میروی بترکستان است

احتیاج رہبر کے باوجود کتب مقدسہ کی نمونے کے تعلق میں خاموشی بتلاتی ہے کہ ان کتابوں کے لانے والے تمام عوالم کے لئے نمونہ بن کر نہیں آئے تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ کسی طرح کا ذکر نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو پورا کیا ہے تو قرآن نے اور یہ ایک کامل کتاب کی شان ہے کہ ضروریات انسانی میں سے کوئی ضرورت رہنے نہ پائے۔ اس نے صاف فرمایا ہے، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ۲۱ الاحزاب آیۂ۲۱) "بے شک تم لوگوں کے لئے رسولؐ کی ذات ایک بہترین نمونہ ہے" یوں تو خالق عالم کی طرف سے جو لوگ بھی ہدایت کے لئے آئے وہ سب کے سب نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی تعلیمات ضرور قابل عمل تھیں لیکن سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے معلمین مذہب میں اتنا فرق ہے کہ دیگر ریفارمر تو کسی خاص قوم اور ملک کے لئے مبعوث ہو کر نمونہ بنے تھے اور سب کے بعد آنے والا نبی خاتم الانبیاء بن کر آیا جس کے بعد کسی نمونے کی دنیا والوں کو ضرورت نہیں رہی، وما ارسلناک الا کافۃ للناس (پ آیۂ) ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین (پ الاحزاب آیۂ) ہم نے آپ کو تمام افراد انسانیت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور چونکہ آپ تمام کائنات کے لئے یکساں نمونہ ہیں اس لئے خاتم الانبیاء بھی ہیں اب اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر جب رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل ہیں تو پھر کسی ناقص کی کیا ضرورت ہے؟

مکہ کی سنگلاخ سرزمین میں پیدا ہونے والا نبی کائنات کے ذرہ ذرہ کے لئے نمونہ ہے۔ گو آپؐ عرب میں پیدا ہوئے لیکن کسی سرزمین سے خصوصیت نہیں، رسول اللہ الیکم جمیعا (پ۹ الاعراف آیۂ۱۵۸) میں تم سب کی صرف بلا تخصیص، رسول الٰہی ہوں، بعثت الی الاسود والاحمر، میں ہر گورے کالے کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ملک اور قوم سے خصوصیت نہیں ہے: تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (پ۱۸ الفرقان آیۂ۱) برتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرما کر تمام عوالم کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا

اس میں شک نہیں کہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے افراد بھی آج کل اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا تسلیم کردہ نمونہ عالمِ امکان کے ہر گوشے کے لئے واحد نمونہ ہے لیکن ان کی کتابیں اس دعویٰ پر کوئی برہان یا دلیل قائم نہیں کرتیں..... !! آریہ صاحبان اب چند دنوں سے "وید" کو سب سے زیادہ قدیم کتاب اور اس کے لانے والے رشیوں کو سب سے پہلا اور کامل معلّم بتاتے ہیں مگر "وید" اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتی ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ سوامی دیانندجی سے پہلے ویدک تعلیم عام نہ بھی کی جاتی اور اس کی آواز کو معلومہ دنیا کے آخری کنارے تک نہ پہنچا دیا جاتا۔ اس کے برخلاف یہ ثابت شدہ بات ہے کہ ساری دنیا تو رہی درکنار خود بھارت ماتا کے اکثر فرزند وید کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل نہ کر سکتے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر ہاتھ لگانا اور دیکھنا بھی جرم تھا۔ برہمنوں کے سوا ہندوستان کے دوسرے باشندے وید کی تعلیم حاصل کرنے کے حق دار نہ تھے۔ حق تو یہ ہے کہ سوامی دیانند نے اسلامی تعلیمات اور اسلامی کتاب سے متاثر ہو کر یہ دعویٰ کیا کہ ویدک دھرم اور اس کے لانے والے تمام عالم کے لئے نمونہ ہیں ورنہ اس سے پہلے کے آریا ریفارمز کی تحریروں میں شہر خموشاں نظر آتا ہے ہم نہایت فراخ حوصلگی سے کہدینا چاہتے ہیں کہ ہم کو سوامی جی کی بات ماننے میں کوئی عذر نہ ہوتا، اگر وید کے ساتھ ساتھ معلمان وید کے حالات تاریخ کی روشنی میں نظر آتے، پھر ہمیں موقع تھا کہ ہم ان کے علم و عمل کا جائزہ لے کر اپنے لئے نجات کا راستہ معین کر لیتے، مگر ہمیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ رشیان وید کون تھے؟ کس شہر میں تشریف لائے؟ اپنے فرض کو کس حد تک انجام دیا؟ اور کب دنیا سے رخصت ہو گئے؟ ان کی زندگی کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں، آریہ آج تک ان کی ہسٹری کو منظر عام پر پیش کرنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر بتائیے کہ جب تک ہم تعلیم کے ساتھ ساتھ معلمین کی عملی جدوجہد کا نظارہ نہ کر لیں ان کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ مانا کہ ان کی تعلیم بہت اچھی تھی اور جس قوم، جس خطّے میں اس کو رواج دیا گیا وہاں قابل عمل بھی تھی مگر آفت تو یہی ہے کہ زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے، دس ہزار برس پہلے کے تمدن اور آجکل کی تہذیب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ضروریات کچھ سے کچھ ہو گئی ہیں۔ اب وہ تعلیم ہماری ضروریات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی پھر محض علم، رہبری کی منزل میں کام نہیں دے سکتا، ہر منزل میں تعلیم کے ساتھ عمل کر کے دکھانے کی ضرورت ہے، وید ناقص تعلیم کو تو ضرور پیش کر سکتی ہے مگر تعلیم کا جزو لاینفک عمل کہاں سے لائے گی؟ اس لئے کہ اوّل تو رشیان وید نے سوائے تپسیا کرنے اور انسانی قوت کو بیکار بنانے کے اور کچھ کیا ہی نہیں اور اگر کچھ کیا بھی ہو گا تو وہ انقلاب زمانہ کی نذر ہو چکا، وہ تعلیم بیسود ہے جو عمل سے خالی ہو جس کے ساتھ عملی نمونہ پیش نہ ہو، اس کے مقابلے میں قرآن کریم کو اوّل سے آخر تک

دیکھ جائیے جو کچھ اس میں مسطور ہے وہ سب معلمِ قرآن نے کر کے دکھا دیا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخِ پیدائش سے لے کر وفات کے دن تک کے جزو کل حالات تاریخ میں موجود ہیں ان حالات کا مقابلہ کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآنی الفاظ کو عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ رسولِ اسلام نے صرف تعلیم ہی نہیں دی جو نا قابلِ تسلیم ہو بلکہ ہر تعلیم کو عمل کے ساتھ پیش کیا، جو کچھ قرآن نے کہا وہ حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کر کے دکھا دیا اور اس کمال کے ساتھ کہ ہم قرآن کو رسولِ اسلام کی ہسٹری اور لائف کہہ سکتے ہیں۔

ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں بھی عذر نہیں ہے کہ سری رام چندر کرشن جی مہاراج اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ اپنے اپنے وقت میں قابلِ اتباع نمونے کی حیثیت رکھتے تھے اور آج بھی وہ بعض باتوں میں انسانی برادری کے سامنے نمونے کی حیثیت سے آسکتے ہیں لیکن ان حضرات میں سے ایسا کامل اور اکمل نمونہ جو ضروریاتِ زندگی کے ہر شعبہ میں مقتدا بن سکے کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ تو رسولِ اسلام ہی کی خصوصیاتِ خاصہ میں سے ہے جس میں آپ کا کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ اب آپ دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کے حالات پر نظر ڈالیں اور اس کے بعد پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہسٹری ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ کمال صرف آپؐ ہی کی مبارک ذات کو حاصل ہے بیشک اطاعتِ والدین، انسانی اخلاقیات کا بہترین جوہر ہے جو وجودِ انسان کے تاج کو چار چاند لگا دیتا ہے اور اس منزل میں جناب رام چندر ہمارے لئے نیک نمونہ بن سکتے ہیں کہ انہوں نے باپ کی بات رکھنے کے لئے ملک و مال پر ٹھوکر مار دی اور چودہ برس کا بن باس قبول کر لیا مگر اس صفتِ حسن کے بعد رام چندر جی کی تاریخ میں سناٹا نظر آتا ہے، ہمیں کوئی اور صفت ان کے اخلاقیات میں نہیں ملتی جس کو ہم نمونے کے طور پر سمجھ سکیں۔ آخر سخاوت، شجاعت، کرم، عدالت وغیرہ دوسرے اخلاقی جوہر بھی تو ہیں اس میں جناب رام، قابلِ اتباع نظر نہیں آتے، ان صفات کو حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے کے دامن سے تمسک ضروری ہے اب آیئے شجاعت کی منزل میں کرشن جی کو نمونہ سمجھ لیں کہ انہوں نے اپنی قوم کی آزادی کے لئے متعدد راجاؤں، مہاراجاؤں اور ان کی رعایا کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا مگر یاد رکھیں کہ کرشن جی کے افسانۂ شجاعت کے بعد ان کی اخلاقی دنیا میں کچھ بھی نہ ملے گا، حلم تو ان کے پاس پھٹکا نہیں، بردباری سے وہ آشنا بھی نہیں، انہیں قتل و غارت کے ساتھ رحم کی عادت بھی نہیں۔ چلیں حلم و بردباری میں جناب عیسیٰ کو نمونہ بنا لیا جائے کہ مقامِ حلم میں ان کی تعلیم بہت اچھی تعلیم ہے جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہیئے تو چوغہ بھی اسے پہننے دے اور کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں

لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا (انجیل متی باب ۵ آیہ تا ۴۲) بادی النظر میں کیسی پیاری تعلیم ہے لیکن جوہر شجاعت کو فنا کر دینے والی ہے ہاں اگر اس کے ساتھ ساتھ موقع و محل بھی بتا دیا جاتا تو کچھ نہ کچھ لائق عمل ہو جاتی لیکن ابہام محل کی وجہ سے خود عیسائی بھی جناب عیسیٰ کو نمونہ بنانے سے قاصر ہیں۔ بھلا گریٹ وار کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ عیسائی حضرات، جناب عیسیٰ کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ کی تعلیم پر کاربند نہ ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کیونکہ جب تعلیم ہی ناکارہ اور عمل کرنے کے قابل نہ ہو تو اس میں عیسائی و غیر عیسائی کیا کر سکتے ہیں۔۔۔!؟ اس لئے کہ فطرت انسانی مقتضی جنگ و جدال ہے بلکہ جنگ جزو فطرت انسانی ہے۔ الناس مفطورون علی المطامع ودابهم التخاصم والتنازع۔ انسانی فطرت میں طمع اور لالچ داخل ہے اور ان کی عادت جھگڑے اور لڑائی کی مقتضی ہے جب دو چار آدمی مل کر بیٹھتے ہیں مطمع نظر کا اختلاف جنگ کا سبب ہو جاتا ہے۔ ایک ہی شئی کو ایک گروہ پسند کرتا ہے دوسرا ناپسند، ایک شئی بعض کو مرغوب ہوتی ہے اور کچھ لوگوں کو نامرغوب، ایک کی دولت دوسرے کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے اور وہ اسے لوٹ لینا چاہتا ہے، دوسرا بھی انسان ہے اس کے لئے اپنے مال و دولت کی حفاظت ضروری ہے لہٰذا جلب منافع اور دفع مضار، جنگ و جدال کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ انسانی حرص و آز مشہور ہے۔

آن شنیدستی کہ در صحرائے گور — بار سالاری بیفتاد از ستور

گفت چشم تنگ دنیا دار را — یا قناعت پر کند یا خاک گور

ہاں اس موقع کے لئے قرآن کریم جو تعلیم اہل عالم کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ وہ اصول فطرت کے بالکل مطابق ہے اور دنیا اس پر عمل پیرا ہو سکتی ہے۔ وَجَزٰؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۲۵ الشوریٰ آیۃ ۴۰) اور بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے لیکن جو معاف کر دے یا صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، یقیناً وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا، آیت کا مطلب یہ ہے کہ امن عامہ میں خلل نہ پڑے، اگر شریر کی رسی دراز کر دی گئی تو پھر آتش فساد کا بجھنا مشکل ہوگا اس لئے جیسے کو تیسے کا حساب ہونا چاہیئے لیکن اگر یہ امن، معاف کرنے سے باقی رہ سکتا ہے اور اصلاح اثر انداز ہو سکتی ہے تو عفو و درگزر سے کام لینا ہی بہتر ہوگا۔

شخصی ضروریات تو کچھ نہ کچھ جنگ سے بچانے کا سامان مہیا کر سکتی ہیں لیکن قومیت و سلطنت کا سوال فوج رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ جنگ کا خطرہ سرحدوں کی حفاظت کراتا ہے، دشمن کے حملے کا خوف ہر وقت رہتا ہے، ایسی حالت میں کوئی عیسائی ہمیں بتائے کہ جناب عیسیٰ کی مبہم تعلیم بردباری کیونکر کارآمد ہو سکتی ہے؟ ایک طمانچہ کھا کر دوسرا رخسار ہر جگہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر کوئی عیسائی جرأت کر کے حضرت عیسیٰ کی تاریخ سے کچھ تلواریں خریدنے کا واقعہ پیش کر دے تو شاید چند جاہل اور سادہ لوح افراد دھوکے میں آجائیں کہ جناب عیسیٰ کی تعلیم میں اصول جنگ کی تعلیم بھی داخل ہے لیکن تعلیم کے ساتھ عملی نمونہ طلب کرنے والے کے لئے اعتراض کا راستہ صاف ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ صرف تلواروں کا خریدنا اصول سپاہ گری نہیں سکھا سکتا یہاں تو عملی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اصول حرب کا معلم تو وہی انسان ہو سکتا ہے جس نے دو چار معرکے جھیلے ہوں اور میدان جنگ میں اپنی فوج کی خود ہی کمان کی ہو۔ جناب عیسیٰ کی تاریخ دیکھ جائیے وہ کسی میدان میں ایک جرنیل کی حیثیت سے اپنے فرض کو ادا کرتے ہوئے نہیں مل سکتے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک جنگجو اور بہادر قوم، طالب نمونہ ہو تو جناب عیسیٰ کو کیونکر پیش کیا جائے۔۔۔!!؟ ہاں جو ہر شجاعت کا سچا نمونہ، اصول جنگ کا بہترین معلم تلاش کرنا چاہتے ہیں تو آیئے آپ کو بدر کی رزم میں خندق کے کارزار میں، احد کے میدان میں عالم امکان کا کامل و واحد نمونہ اپنی فوج کی بے مثل کمان کرتا ہوا ملے گا اور ایسی بے نظیر کمان کہ مسلمانوں نے میدان احد میں ذرا سی خلاف ورزی کی تھی کہ جنگ کا نقشہ الٹ گیا، فتح شکست کے قالب میں ڈھل گئی، بڑھتے ہوئے مسلمان پسپا ہو گئے بھاگتے ہوئے کافر امنڈ آئے، اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے، شیر خدا کی تلوار نصرت اسلام نہ کرتی تو چراغ اسلام گل تھا شمع توحید بجھ کر رہ جاتی، بہر حال میں جناب عیسیٰ کی زندگی میں جنگ کا کوئی عملی نمونہ نہ دیکھنے کے باوجود اپنی زندگی سنوارنے کے لئے ان کو اسوۂ حسنہ تصور کر لیتا لیکن عیسائی آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ آج وہ جس ہستی کو اس کی حدود تبلیغ و ہدایت سے بڑھ کر دائرہ کائنات کے لئے نمونہ منوانے کی سعی لاحاصل کر رہے ہیں وہ کسی وقت میں تمام نوع انسانی کے لئے یکساں طور پر نمونہ نہیں ہو سکتی۔ عالم امکان تو بڑی چیز ہے، خود عیسائی دنیا کے لئے حضرت عیسیٰ کچھ اچھا نمونہ قرار نہیں پا سکتے اور اگر عیسائی دنیا ان کی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو کر کمر ہمت چست کر ہی لے تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ دس بیس سال کے محدود عرصے میں ساری عیسائی آبادی ختم ہو جائے گی اس لئے کہ جناب عیسیٰ نے کسی وقت میں بھی ازدواجی زندگی بسر نہیں کی، انہوں نے صنف نازک کی کسی فرد کو اپنا شریک زندگی بنانا گوارا نہیں کیا بلکہ ساری زندگی تجرد میں بسر کر دی، اب

عیسائی ان کو نمونہ قرار دے کر شادی کرنا چھوڑ دیں پھر تماشہ دیکھیں، ذرا غور کرنا چاہیئے، سوچنا چاہیئے کہ ایک مجرد انسان، صاحبان اہل وعیال کے لئے کیونکر نمونہ ہو سکتا ہے؟ جناب عیسیٰ نے کس وقت شادی کی؟ کون سی اولاد چھوڑی؟ بیوی کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اولاد کے ساتھ کیسا رکھ رکھاؤ تھا؟ یہ وہ سوال ہیں جن کے جواب میں سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر انجیلوں میں تربیت اولاد کے لئے کوئی تعلیم موجود بھی ہو تو نا قابل تسلیم ہے اس لئے کہ تعلیم اور عمل دو ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں سے ایک کا عدم دوسرے کو کالعدم بنا دیتا ہے وہ تعلیم بالکل ناقص ہے جس کے ساتھ عمل نہ ہو، ہم تو تعلیم کے ساتھ عمل چاہتے ہیں، زبانی طور سے کسی کو کوئی چیز بتا دینا اور ہے اور عمل کر کے دکھانا اور ہے۔ تاہل کی زندگی بسر کرنے والے عیسائیوں کو رسول اسلام رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلّم کے دروازے پر اپنی حسین نیاز کو جھکاؤ دینا چاہیئے جنہوں نے متعدد اور مختلف عمر کی عورتوں سے شادی کر کے تمام بنی آدم کے لئے تعلیم کے ساتھ عملی نمونہ بھی چھوڑا۔ آپ نے بتایا خیرکم خیرکم لاھلہ تم لوگوں میں اچھا وہی ہے جو اپنے اہل کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا ہے۔ اگر جناب عیسیٰ بھی اس قسم کی تعلیم دیں تو بے کار اور بے سود سمجھی جائے گی اس لئے کہ عملی طور پر کوئی ثبوت نہیں ہے صرف علم کیا کر سکتا ہے؟ بات وہ کہنے کے قابل ہے جسے انسان کر کے بھی دکھا دے اور وہ تعلیم فائدہ مند اور قابل تقلید سمجھی جاتی ہے جس پر کاربند ہو کر، تعلیم دینے والا انسان اپنی قوتوں کی تعدیل کر چکا ہو، قرآن کریم معلّم بے عمل کی نسبت فرماتا ہے۔

لِمَ تقولون مالا تفعلون (پ۲۸ الصف آیۃ ۲) جو تم کرتے نہیں ہو اس کے کہنے کی ضرورت کیا ہے، مزہ تو جب ہے کہ ادھر کہا جائے اور ادھر کر کے دکھایا جائے، العالم من صدق قوله فعله۔ عالم وہ ہے جس کے افعال، اقوال کی تصدیق کریں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اکرموا اولادکم کا سبق پڑھاتے ہیں اولاد کی عزت کرنے کا درس دیتے ہیں تو ساتھ ہی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو کر بتا دیتے ہیں کہ تعلیم اس کا نام ہے کہ ہر تعلیم کے ساتھ فعل نمونہ موجود ہے۔ عن عائشۃ قالت کانت فاطمۃ اذا دخلت علی رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم قام الیھا فقبلھا واجلسھا فی مجلسہ (مطلب السؤل صد۲۲ منقول از بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی) جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بارگاہِ رسالت میں تشریف لاتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور پیشانی کا بوسہ لے کر اپنی جگہ پر بٹھا دیتے تھے۔ جناب عیسیٰ اہل وعیال کے تعلق میں کوئی قابل عمل تعلیم پیش نہیں کر سکتے یہ کمال تعلیم تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی کی ذات بابرکات سے وابستہ ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی ہندو مذکورہ منازل میں رام چندر جی کو نمونے کی حیثیت سے دکھانے کی کوشش کرے کہ انہوں نے لنکا کی جنگ بھی فتح کی، وہ اہل و عیال بھی رکھتے تھے اور اکثر حلم و بردباری سے بھی کام لیا۔ اگرچہ رام چندر کے متعلق جتنی باتیں بھی مشہور ہیں وہ اوراق تاریخ میں کسی اہمیت کے ساتھ درج نہیں ہیں بلکہ آج کل کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہندو، ان چیزوں کو خیالی فسانے اور مصنوعی داستان سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ اس کے باوجود ایک عقیدتمند ہندو کو حق حاصل ہے کہ وہ رام جی کے مفروضہ واقعات کو واقعیت کے جامے پہناوے مگر ان باتوں کی وجہ سے رام چندر جی کی مشہور اخلاقی کمزوریاں نہیں مٹ سکتیں.....!! ایک مذہبی ریفارمر، قومی لیڈر اور والیٔ ملک کے شایانِ شان نہیں کہ وہ محض ایک دھوبی کی نکتہ چینی کی وجہ سے اپنی پیاری بیوی کو گھر سے نکال دے جس نے بارہ سال تک جنگل کی سختیاں جھیل کر دادِ وفاداری دی تھی، سیتا سی وفادار بیوی اس قابل نہ تھی کہ اسے معمولی سے شبہ پر شہر بدر کر دیا جائے بلکہ رام جی کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ اپنی شریکِ زندگی کے حالات کی جانچ پڑتال کرتے اور اپنے فیصلے کو پوری پوری معلومات حاصل ہونے پر موقوف رکھتے اور شک بھی اتنا معمولی کہ جو خود ان کے دل میں نہ تھا۔ ورنہ ایک طویل عرصہ تک گھر میں کیوں رکھتے؟ نہ عام رعایا ہی کو بدظنی تھی ورنہ سیتا جی کے شہر میں داخل ہوتے ہی اپنے شکوک کو پیش کر دیتے!! اس لئے ہمیں یہ فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ اگر جناب رام، اہل و عیال والوں کے لئے نمونہ بن جائیں تو روزانہ بیچاری ہزاروں غریب سیتائیں گھروں سے اس طرح نکال کر پھینک دی جائیں جس طرح دودھ میں سے مکھی۔

جناب رام کے اس رویے کے مقابلہ میں حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق کار ہر صاحب عقل کی توجہ کا مستحق ہے کہ جب غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف فساد انگیز بہتان لگایا گیا تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عاجلانہ قدم نہیں اٹھایا۔ تحقیق و تفتیش پر اصحاب کرام نے جناب عائشہ کی عفت مآبی کی تصدیق کی اور خداوند عالم نے کلامِ پاک میں ان کی پاک دامنی کی توثیق فرمائی، بہتان بازوں کے خلاف حدِ قذف جاری فرمائی اور ہمیشہ کے لئے قانون بنا دیا گیا کہ جب بھی کوئی کسی خاتون کے خلاف بہتان بازی کا مرتکب ہو تو حدِ قذف جاری کی جائے گی۔

اب ایک نظر رام جی کی شجاعت پر بھی ڈالتے چلیے، صرف راون کی خطا پر ساری لنکا کو جلا دینا، دامن انسانیت کے لئے ایک بدنما داغ ہے۔ اس لئے شجاعت نہیں کہتے یہ انتہائی مغلوب الغضبی ہے۔ لنکا کے بے جرم باشندے سوکھی لکڑی کی طرح جلتے رہے اور رام جی ان کی فریاد سن کر ٹس سے مس بھی نہ ہوئے۔ بے کس عورتوں،

بچوں اور جانوروں کو پھونک دینا کوئی بات ہی نہیں۔ یہ عذر بارد ہوگا کہ رعایا بھی راون کے ساتھ تھی اور اس کے جرم کی شریک، کیونکہ رعیت مجبوراً اپنے بادشاہ کے اعمال وافعال پر راضی رہتی ہے ہے۔ سلطان کی مرضی کے سامنے اسکی خوشی اور ناخوشی کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر اگر فرض کرلیا جائے کہ راون کے ساتھ رعایا بھی شرارت پر تلی ہوئی تھی تو حملہ آور کا فرض تھا کہ بے خبری میں چھاپہ نہ مارتا۔ اپنے حملے کی اطلاع دے کر بے خبر لوگوں کو خبردار کردیتا کہ تم راون کا ساتھ چھوڑ دو، ورنہ اپنی دم میں ایک لاکھ گز کپڑا لپیٹ کر ساری لنکا کو آتشکدہ بنادوں گا۔ اس پر بھی رعایا راون کا ساتھ دیتی تو شاید کچھ آنسو پونچھ جاتے مگر تاریخ ہمیں کسی چیلنج اور الٹی میٹم کا پتہ نہیں دیتی ہمیں تو تاریخ اجدھیا کے مطالعے سے بس اتنا ہی معلوم ہوسکا کہ یک بیک عالم بے خبری میں لنکا کو آگ لگادی گئی اور ایک نفس کے لئے لاکھوں جاندار پھونک دیئے گئے۔۔۔!! مہذب دنیا خود فیصلہ کرے کہ ایسی حالت میں رام جی کسی شجاع اور بہادر قوم کے لئے نمونہ ہوسکتے ہیں۔۔۔؟ نہیں صاحبان بصیرت اس فتح کو شکست ہی کہیں گے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستانی مذاہب نے اسلام کی نقل اتارنے کی کوشش کی اور آریوں نے حقیقت کے حصول کے لئے قدم بڑھایا لیکن اصل؟ کے مقابلہ میں نقل کو کبھی کامیابی نہیں ہوسکتی وید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اے راجہ تو اپنے دشمنوں کو برباد کردے اور ان کو ایسے جلا جیسے سوکھی لکڑیاں کو جلایا جاتا ہے۔ اس ظالمانہ تعلیم کا انسانیت سے کہاں تک تعلق ہے، یہ آریہ صاحبان خود غور کرلیں۔

اب ذرا اس معلّم شجاعت کو دیکھیئے جس نے اپنے بے مثال جوہر شجاعت سے صرف ملک اور ملک والوں کو ہی فتح نہیں کیا بلکہ ان کے دلوں پر اپنی بے مثل شجاعت کا سکّہ بٹھادیا اور بہادری کی مہر لگادی۔ سورہ فتح کی تلاوت فرمایئے۔ انا فتحنالك فتحا مبينا۔ اے رسول ہم نے آپ کو فتح مبین دے دی۔

عرب کی سرکش آبادی میں بدترین بہیمیت کے مالک مکّہ کے رہنے والے تھے، جہالت، ظلم و جور، شرارت گویا ان کے اجزائے تخلیقی میں شامل تھے انھوں نے اپنی جہالتوں سے مکّہ کے فاتح کو ایسی تکلیفیں پہنچائی تھیں جن کی خونچکاں داستان آج تک رلائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ مکہ کے مظلوم فاتح نے جب مکہ کی فضا میں اپنی فتح کا جھنڈا لہرایا تو اس کے سامنے وہ لوگ تھے جنھوں نے اس کو عزیز اور محبوب وطن سے نکال دیا تھا، اس کے پرستاروں پر ایسے ظلم ڈھائے کہ تاب ضبط نہ لاکر ہجرت پر مجبور ہوئے۔ کوئی جناب جعفر کی سرداری میں حبشہ گیا اور کسی نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماتحتی میں مدینہ کی راہ لی۔ مشرکین مکّہ نے آپ کے اعوان وانصار کی اولاد عورتیں اور مال سب کچھ چھین لیا، بہت سے

غریبوں کو قتل کر دیا. سینکڑوں کو قید کر لیا، ہزاروں کو بے خانماں بنا دیا. تپتی ہوئی ریت اور جلتے ہوئے پتھروں پر لٹا کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں.... ! کیا فاتح مکّہ کی آنکھوں میں ان مظالم کی بھیانک تصویر نہ تھی جو تیرہ برس کے عرصہ میں متواتر کئے گئے ؟ ؟ کیا ان کو اپنے انصار و اعزّاء کے لٹنے اور قتل ہونے کا صدمہ نہ تھا ؟ اور کیا یہ مشرکین اس قابل نہ تھے کہ ان کے گھر کو جلا دیا جاتا اور انہیں ہر طرح کا عذاب دے کر قتل کیا جاتا، ان کی عورتیں کنیزی میں رکھی جائیں کیا ان کے ظلم و جور، ان کی ستم آرائیاں قابل معافی تھیں ؟ بے شک اگر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو سخت سے سخت سزا دیتے. ان کا گھر جلاتے، مال و دولت لٹوا دیتے تو مہذب دنیا کو دم مارنے کی جگہ نہ تھی، اگر صرف سیتا کے چھن جانے پر لنکا جلائی جاسکتی ہے، دشمنوں کو سوکھی لکڑی کی طرح پھونکا جا سکتا ہے اور معمولی سی نافرمانی پر ہزاروں لوگ گولی کا نشانہ بنائے جا ہیں تو یقیناً مکّہ کے وحشی صفت خونخوار انسان عبرت آموز تعزیر کے لائق تھے اور یہ سزا کسی فرد انسانی کی نظر میں قبیح نہیں ہو سکتی تھی مگر اے رحمتہ للعالمین ! اے تمام جہان کے کامل و اکمل نمونے ! آپ نے انک لعلی خلق عظیم کی تعلیم کو عملی جامہ پہنا دیا، ظالموں کو معافی کا پروانہ دیا، مجرموں کو بخش دیا. قابل قتل لوگوں سے درگذر کی، مظلوم فاتح، ظالم مفتوح سے پوچھتا ہے کہ تم مجھ سے کس قسم کے برتاؤ کی امید رکھتے ہو ؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا بخشش اور عفو کی ! خلق عظیم کے مالک نے جواب دیا میں نے بخشا، میرے خدا نے بخشا لا تثریب علیکم الیوم، کیا عالم امکان اس قسم کی بخشش، ایسے کرم، ایسے رحم کی مثال پیش کر سکتا ہے یہ ہے تعلیم قرآنی جزاؤا سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ کا عملی پہلو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے عمل سے اس آیت کو ممثل کر دیا اور اس کے قابل عمل ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی.

ممکن ہے کہ اس مقام پر کوئی ایسے فرد کو پیش کر دے جس نے اپنے آپ کو کمزور پا کر ظالم کو معاف کر دیا ہو لیکن یہ معافی مہر عفو کی چمک کو نہیں پا سکتی قابو پا کر معاف کرنا اور لاچاری میں لفظی معافی دینا زمین و آسمان کا فرق رکھتا ہے. عفو جیسے عظیم خلق کا اظہار اسی وقت قابل ستائش ہے جب دشمن گرفت میں ہو اور مظلوم پوری طرح بدلہ لینے پر قدرت رکھتا ہو ورنہ کمزوری اور مجبوری کی حالت میں عفو بے معنی چیز ہے ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست گدا گر تواضع کند خوئے اوست

اگر تہذیب و تعدیل قوائے انسانی کا نام مذہب ہے اور ارباب عقل کے نزدیک حقیقت مذہب ہے بھی یہی، تو بے شک رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اپنی تعلیم میں ان اصولوں کو پیش کر رہے ہیں جو قوائے انسانی کو اس نقطہ تک پہنچاتے کے ضامن ہیں جہاں نہ افراط کا گزر ہے نہ تفریط کا وہ کسی قوت کو معطل کرنا نہیں چاہتے اور نہ کسی طاقت کو بے لگام رکھنا پسند کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ہر طرح کی صلاح و رستگاری کا راستہ یہی ہے کہ ہر قوت سے اس کے محل مناسب میں ایک معین حد تک کام لیا جائے۔

شہوت و غضب وہ ایسی قوتیں ہیں جن کے مفہوم کو بعض مذاہب نے بھیانک اور خونخوار درندوں کی طرح خوفناک ظاہر کیا ہے، اس حد تک کہ آج بھی ان کا تصور ہمارے دل و دماغ میں ایک خوف آلود اضطراب پیدا کر دیتا ہے، مگر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ جسے تم سنکھیا سمجھ رہے ہو، وہ درحقیقت تمہارے تمدنی اور معاشرتی امراض کے لئے اکسیر شفا ہے۔ غضب و شہوت جہاں عدم تعدیل کی حالت میں حیوانیت و بہیمیت کا سرچشمہ ہیں وہاں عالم تہذیب میں عفو، رحم، شجاعت، عفت اور سخاوت وغیرہ جیسے اخلاقی جواہر کی کان بھی ہیں۔ تم ان کی ظاہری صورت سے نہ ڈرو بلکہ ان کو مسخر کر کے اور ان کا صحیح کام لے کر اپنی انسانیت کی تکمیل کر کے اس منزل تک جا پہنچو، جہاں جانے کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔

یہی وہ حقائق ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء ثابت کرتے ہیں اور ہر صاحب عقل کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپؐ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ آپ نے انسانی قوتوں میں سے کوئی قوت ایسی نہیں چھوڑی جس کی تعدیل کے اصول قوانین خود عمل پیرا ہو کر نہ بتا دیئے ہوں پھر جب ہر قوت کی تعدیل و تکمیل کے اسباب، تعلیم رسول عربی میں موجود ہیں تو کسی نبی کی حاجت تسلیم کرنے کے لئے عقل کیونکر تیار ہو سکتی ہے۔؟ دوا تو اس وقت دی جاتی ہے جب انسان بیمار ہو۔ آبیاری کے لئے زراعت میں خشکی کی نمود ضروری ہے، مکان کی مرمت کے لئے شکستگی لازمی ہے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت ہو تو دفع ضرورت کے اسباب کی حاجت ہو گی ورنہ نہیں، لہذا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کا تسلیم کرنا درحقیقت عقلاء کو مضحکے اور استہزاء

کا موقع دینا ہے۔ فصدق اللہ حیث قال:-

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین (پ۲۲ الاحزاب آیت۴۰) ومن اصدق من اللہ قیلا ، یہ ہے وہ حقیقت ثابتہ جو ہر رنگ میں ثابت رہتی ہے۔ بے شک رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حیثیت سے خاتم الانبیاء ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت

مظہر تکمیل نبوت و رسالت

٭ مفتی شجاعت علی قادری

الحمد للہ لم یزل حیًا قیومًا عالمًا سمیعًا بصیرًا ، الذی ارسل رسولہ
إلی الناس کافۃ بشیرًا ونذیرًا ، وداعیًا إلی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا
أصلی واسلم علیہ وعلی من صحبہ وتبعہ وقرہ توقیرًا :

حق سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو جسم و رُوح کا مجموعہ بنایا ہے، پھر اُس نے کچھ تقاضے رکھے اور روح کے بھی کچھ مطالبات و داعیات پیدا کئے اور اپنے فضل و کرم سے دونوں ہی کے تقاضوں ضروریات اور حوائج کی تکمیل کا سامان مہیا فرمایا۔ یہ پورا خاکدانِ عالم بلکہ آفتاب و ماہتاب، ثوابت و سیارگان

٭ مہتمم دارالعلوم نعیمیہ کراچی

افلاک وسموات، انسان کی خدمت میں مصروف ہیں، قرآن کریم میں جا بجا اس احسان عظیم کو دہرایا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی سب سے جامع آیت یہ ہے۔ وسخر لکم مافی السموٰت ومافی الارض جمیعا منہ (۱) "اور (اللہ ہی ہے) جس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے مسخر کیا ہے"۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کو خوب ادا کیا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند | تا تو نانے بکف آری بغفلت نخوری (۲)

جب انسانی معاشرے کی ابتداء ہوئی تو بڑی سادگی سے۔ اس لئے جسمانی ضروریات بڑی محدود تھیں معمولی سی غذا، رہنے کو سادہ سی جھونپڑی یا غار، پہننے کو مختصر لباس وغیرہ اس اعتبار سے زندگی کے دوسرے معاملات تھے، روحانی ضروریات کی تکمیل کے لئے اللہ تعالےٰ نے اس شخص کو پہلا انسان تھا۔ پہلا نبی بھی بنایا اور "وحی" ربانی روحانی ضروریات کی تکمیل کا پہلا ذریعہ قرار پایا اور آخری بھی، روح انسانی کی سیرابی، بالیدگی، شگفتگی و شائستگی سب کچھ اس ذریعہ سے وابستہ کردی گئی، یہاں بھی جسمانی اور مادی نظام کی طرح "تدریجی اور ارتقائی" عمل ہوا۔

ارتقاء روحانی

یہ "روحانی ارتقاء" عبادات اور معاملات میں ہوا، عقائد میں جو روحانی نظام کی بنیاد ہیں نہ تو ایسا ممکن تھا اور نہ ہی ایسا واقع ہوا۔ اس کی مثال آپ یوں سمجھ لیجئے کہ انسانی کی طبعی زندگی کے لئے کھانا لباس اور مکان ضرورت کی چیزیں تو ہیں مگر ان میں اس قسم کی گنجائش موجود ہے کہ انسان بجائے پکے ہوئے کھانے کے کچا کھانا کھا سکتا ہے پھلوں پر اکتفاء کر سکتا ہے لہذا ان تمام امور میں ارتقاء اور تدریج کا عمل جاری رہا۔ مگر ہوا اور پانی ایسی ضروریات ہیں جن کے بغیر انسان کی طبعی بقاء کا تصور بھی قائم نہیں ہو سکتا پھر ان میں بھی ہوا کی طرف بہ نسبت پانی کے زائد احتیاج ہے کہ پانی کے بغیر انسان ایک دو دن زندہ بھی رہ سکتا ہے مگر ہوا کے بغیر شاید چند سیکنڈ بھی نہ گزار

---

(۱) الجاثیہ : ۱۳ : (۲) شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ : گلستان

سکے۔ لہٰذا یہ دونوں ضروری اشیاء روز اوّل سے آج تک یکساں طریقہ پر چلی آرہی ہیں۔ اس پر نظام روحانیت کو قیاس کرنا چاہیئے کہ اس میں عقائد ہوا اور پانی کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے یہ تمام ادیان و شرائع الٰہیہ میں یکساں طور پر موجود ہے۔ "انَّ الدِّین عند اللّٰہ الاسلام" (۱) یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہے کہ عقائد و اصول دین" ہمیشہ سے وہی ہے جو اسلام میں ہیں، عقائد کے علاوہ شرائع میں تدریجی اور ارتقائی عمل جاری رہا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، عدۃ، جہاد، مال غنیمت، نظام معاشرت، معیشت سیاست وغیرہ میں تبدیلیاں اور یہ سلسلہ حضور اکرم نبی محترم، رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، جب انسانیت ہر اعتبار سے بلوغ کو پہنچ گئی تو خلاق فطرت کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ دین جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی اسکو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کامل و مکمل کر دیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ (۲) اللہ ہی جنے آپ رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا، تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دیں، پھر آپ نے خود فرمایا" بعثت لاتمم مکارم الا خلاق (۲) مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را
خدمت ساقی گری باما گذاشت
داد مارا آخریں جامے کہ داشت (۳)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

نوع انسان را پیام آخریں
حامل او رحمتہ للعلمین (۴)

(۱) آل عمران : ۱۹

خلاصہ یہ کہ نبوت و رسالت درحقیقت "شریعت" ہے اور شریعت کا کمال، کمال نبوت و رسالت ہے۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکمیل نبوت و رسالت کا مظہر قرار پاتے ہیں۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکمیل نبوت کا مظہر ہیں تو بعض اذہان اس شبہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ یہ آپؐ کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کچھ نقص تو نہیں تھا۔ کیونکہ کمال کی ضد نقص ہی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نبوت و رسالت جس نوعیت و کیفیت سے عطا ہوئی وہی ان کے شایان شان تھی اور وہ ان کے اعتبار سے کامل تھی لیکن جب اس کو نبوت محمدی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دونوں میں وہی نسبت ہو گی جو افضل و فاضل میں ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض (۱) یہ وہ رسول ہیں جن کو ہم نے ایک سے ایک کو افضل بنایا ہے۔

نبوت تو بجائے خود ایک کمال ہے جو ہر نبی کے لئے ثابت ہے، اب جو چیز ہمیں ذات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھنی ہے وہ اس کمال کا کمال ہے یا بالفاظِ دیگر اس کمال کی اکملیت ہے، امید ہے کہ اس تشریح کو تمام مقالہ میں ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

عموم نبوت

اب ایک اور حیثیت سے کاملیت نبوۃ محمدیہ پر نگاہ ڈالیئے اور وہ ہے آپؐ کی نبوت کا عموم و شمول، تمام انبیاء و رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم اپنی مخصوص اقوام کے ہادی بن کر تشریف لاتے ہیں اور محدود زمانوں کے لئے ان کی شریعت جاری و ساری رہتی ہے، فرمان الٰہی ہے ولکل قوم هاد (۱) ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی نبی ہوا ہے۔ نیز ولکل امة رسول (۲) نیز وان من امة الا خلا فيها نذير (۳) اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی ڈرانیوالا نہ گزرا ہو، ضمناً یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان آیات سے یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام نبی اور رسول صرف عرب ہی میں کیوں بھیجے؟ درحقیقت نبی اور رسول تمام اقوام عالم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اگرچہ ہمیں ان کے نام اور تاریخ کا علم نہیں، تاہم جس طرح دھوپ سے

سورج کے وجود کا علم حاصل ہو جاتا ہے اس طرح دنیا بھر کی اقوام میں جو سچائی، اچھائی اور اخلاقی اقدار پائی جاتی ہیں یقیناً تعلیمات انبیاء ہی کے نورانی عکوس وظلال ہیں۔ غرضکہ یہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام مخصوص اقوام کی طرف بھیجے گئے تھے۔ نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا اِنَّا اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ (۴) یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور ہود علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمۡ ھُوۡدًا (۵) اور قوم عاد کی طرف ان کی برادری والے ہود کو بھیجا۔ نیز فرمایا وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاھُمۡ شُعَیۡبًا (۶) اور قوم مدین کی طرف ان کی برادری کے شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ نیز فرمایا وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاھُمۡ صٰلِحًا (۶) اور قوم ثمود کی طرف ان کے برادر صالح کو مبعوث کیا۔ نیز " وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ (۷) اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم بیشک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاملیت کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے برعکس آپ کی نبوت کسی ایک قوم یا ایک قبیلہ یا ایک عہد کے لوگوں کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ زمان و مکان اور اقوام و ملل کی قید و بند سے آزاد تھی۔ چنانچہ قرآن کریم میں آپ کی نبوت و رسالت کا اس طرح اعلان ہوتا ہے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا " (۸) اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر ہی بنا کر بھیجا ہے۔ نیز فرمانِ الٰہی ہے۔ قُلۡ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا " فرمایا دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ آپؐ نہ صرف انسانوں کے بلکہ اللہ کی تمام مخلوق کے نبی اور رسول ہیں؛ چنانچہ آپؐ نے جہاں اپنی خصوصیات بیان فرمائی ہیں وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا وَاُرۡسِلۡتُ اِلَی الۡخَلۡقِ کَافَّۃً (۲) اور میں تمام "مخلوق" کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیثیت پر بعض لوگ متعجب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ مخلوق میں تو شجر حجر بحر و بر حیوانات وغیرہ سب چیزیں ہیں تو کیا آپؐ ان کے بھی رسول ہیں؟ میں عرض کرتا ہوں، کیا یہ درست نہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ یقیناً درست ہے۔ فرمان الٰہی ہے " وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ

الا یسبح بحمدہ۔ (۳) اور ہر چیز اللہ کی تسبیح و کرتی ہے۔ نیز فرمایا و للہ یسجد ما فی السموٰت وما فی الارض (۴) اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے ہر وہ چیز آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اب جبکہ ہر مخلوق کے لئے عبادت کرنا ثابت ہے تو عبادت تو اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں سے ممکن ہے، کیونکہ کسی مخلوق کو یہ حق نہیں کہ وہ عبادت کے طریقے خود وضع کرے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالےٰ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے۔ انبیاء کے واسطے سے طریق عبادت بتائے اور دوسری مخلوق کو بلا واسطے بتا دے، اس لئے لازماً عبادت کے یہ طریقے ہر مخلوق کو کسی نہ کسی نبی کے واسطے سے ہی ملے ہوں گے، مگر سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تو کسی نبی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ تمام مخلوق کا نبی ہے اور نہ ہی آپ کے سوا اللہ تعالےٰ نے کسی نبی کے بارے ایسا ارشاد فرمایا، پس کل مخلوق کی طرف آپؐ کا مبعوث ہونا آپؐ کی کاملیت کا ایک اور رُخ ہے۔

روحانی روشنی کا آغاز انسان اول "سیدنا آدم علیہ السلام" سے ہوتا ہے۔ پھر مادی دنیا کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ روشنی کا یہ سفر منزل بہ منزل آگے بڑھتا ہے۔ حضرت نوح، ہود صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، موسیٰ، ذکریا، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہم علیہم السلام، سب اسی روشنی کے نمائندے تھے، کوئی دیئے کی شکل میں چمکا تو کوئی شمع کافوری، کوئی لالٹین، کوئی گیس، کوئی بجلی کے قمقموں اور کوئی آسمان کے ستاروں کی مانند ضوفشاں ہوا، یہ سب روشنیاں انسانیت کی رہبری کے لیے ہی تھیں، ان سب کا مقصد تاریکیوں کو دور کرنا تھا، مگر ان کا دائرہ عمل محدود تھا ان کے اجالے وقتی تھے، چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات کا مصداق تھا، ذرا غور تو کیجیے اتنی اَن گنت روشنیوں کے باوجود بعثت محمدی سے پونے چھ سو سال قبل تک معمورۂ عالم کس درجہ تاریک تھا، اب ایسی کامل روشنی کی ضرورت تھی جس کے ساتھ تاریکی کا تصور بھی قائم ہوتا ہو، ایسی روشنی

---

(۳) الاسریٰ : ۴۴ ۔ (۴) الرعد : ۱۵

جو اندھیروں کو ہمیشہ کے لئے دیس نکالا دے ۔ وہ آخری روشنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روپ میں ظاہر ہوئی، تو اللہ تعالےٰ نے ان پر شکوہ الفاظ میں اس کا اعلان کیا
یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدًا و مبشرًا و نذیرًا و داعیا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا (۵) اے نبی! بلاشبہ، ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا ڈر سنانے والا اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشنی پھیلانے والا سورج بنا کر مبعوث کیا، اس عالم میں "سورج" سے زائد روشنی اور کسی کی نہیں اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کو اس نیر تاباں سے تشبیہ دی گئی ہے، امام محمد بوصیری فرماتے ہیں۔

فانک شمس فضل ھم کو اکبھا یظھرن انوارھا للناس فی الظلم (۱)

تو بلاشبہ آپ آفتاب نبوت ہیں اور وہ انبیا ستارے ہیں۔ جو لوگوں کیلئے تاریکیوں میں اپنی روشنیاں پھیلا رہے ہیں
خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ نے (المتوفی ۶۲۷ھ) اس نور کے بارے میں فرمایا ہے۔

نورِ او مقصودِ مخلوقات بود اصل معدودات و موجودات بود

پس نورانیت کاملہ یہ ذات محمدی کا کمال ہے اور اس کمال کی جہت وہی نبوت و رسالت ہے۔

رحمت عامہ ہر نبی اپنی امت کے لئے رحمت تھا، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات تمام عالموں کے لئے رحمت تھے۔ فرمانِ الٰہی ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین (۲) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کو زندگی ملی، غلاموں کے حقوق پہلی مرتبہ آپ نے متعین فرمائے، ورنہ غلاموں کو جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا تھا، عورتوں کے حقوق بتائے

---

(۵) الاحزاب : ۴۶ ، ۴۵ ۔ امام سبکی۔ بازی جلال الدین سیوطی بیدی علی الخواص، وغیرہم کی تصریحات ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل مخلوق کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو جواھر البحار فی فضائل النبی المختار

یہاں تک کے جانوروں کے حقوق بھی بتائے ان کو مارنے سے منع کیا، نیز فرمایا کہ جب جانوروں سے کام لو تو انہیں کھانے کو بھی دو، شیخ اسماعیل حقی نے روح البیان میں اس رحمت عامہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ وَقال بعض آلکبار وماارسلناك الا رحمۃ مطلقۃ تامۃ کامۃ عامۃ شاملہ جامعۃ محیط بجمیع المقیدات من الرحمۃ الغیبیۃ والشہادۃ و العلمیۃ والعینیۃ والوجودیۃ والشہودیۃ والسابقۃ والاحقہ وغیرذالک للعالمین (۳) ایک بڑے عالم نے فرمایا ہے " ہم نے آپ کو رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ ایسی رحمت جو مطلق ۔ تام ، کامل ، عام ۔ شامل ، جامع ۔ محیط رحمت کے تمام مقیدات کو یعنی رحمت غیبیہ ، شہادت علمیہ ۔ عینیہ وجودیہ شہودیہ سالقہ اور لاحقہ وغیرہ ۔ تمام عالمین کے لئے ۔

حق تو یہ ہے کہ دنیا میں کافر تک آپ کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ فرمان الٰہی ہے وَمَا کان اللہ یعذبہم وانت فیہم (۴) اور اللہ ان کو عذاب دینے کا نہیں جب تک آپؐ ان میں موجود ہیں۔ اب اسی مسئلہ پر فکر و نظر کے ایک اور زاویئے سے نگاہ ڈالئے۔ آپ اس انداز کو متکلمانہ کہہ سکتے ہیں۔

مقصود کائنات

جب ہم اس کائنات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو کچھ چیزوں کو مفرد یا بسیط ELEMENT پاتے ہیں، یہ درست ہے جو اشیاء پہلے علم کی کمی یا آلات کی ایجادات سے بسائط و مفردات کہلاتی تھیں اب سائنسی ترقی کے دور میں وہ بھی مرکب نکلیں، پہلے یونانی فلاسفہ آگ، پانی اور مٹی اور ہوا کو بسائط عالم طبیعی کہتے تھے مگر اب اسکول کا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ پانی خود ہائیڈروجن HYDROGEN اور آکسیجن OXYGEN سے بنا ہے۔ بہر حال بسائط ELEMENTS چار ہوں یا بے شمار یہ بات تو بدیہی ہے کہ وہ تخلیق عالم کا مقصد نظر نہیں آتے۔ اگر وہ عالم کی تخلیق کا مقصود ہوتے تو سلسلۂ ایجاد و تخلیق ان بسائط پر رُک جاتا اور مرکبات کی تخلیق نہ ہوتی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عناصر اربعہ سے تخلیق کا سلسلہ

آگے بڑھتا ہے اور نباتات کو وجود ملتا ہے۔ عناصر نبات میں آکر فنا ہو گئے۔ اب نباتات بھی مقصود نہیں اس لئے کہ وہ اپنا وجود حیوانات میں فنا کر رہے ہیں، یا یوں کہہ لیجئے نباتات، حیوانات کے لئے ہیں حیوانات نباتات کے لئے نہیں، پھر حیوانات بھی مقصود نہیں کہ ان کا وجود "انسان" میں فنا ہو رہا ہے تو جو کسی دوسرے میں جا کر فنا ہو جائے۔ اپنا تشخص و تعین کھو بیٹھے۔ اپنی انفرادیت سے ہاتھ دھو بیٹھے اس سے یقیناً کم مرتبہ ہوگا جس میں کہ فنا ہو رہا ہے۔ گم ہو رہا ہے۔ یہاں صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو کسی میں فنا نہیں ہو رہی ہے۔ کسی میں گم نہیں ہو رہی ہے اس کے لئے تو یہ سب کچھ ہے مگر وہ ان میں سے کسی کے لئے نہیں تو پھر کیا یہ بے مقصد ہے؟ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اینٹ پتھر، گھاس پھوس، کیڑے مکوڑے، گائے بھینس تو با مقصد ہوں اور یہ پیکر حسین، خلافت ارضی کا مسند نشین، شاہکار فطرت، یادگار قدرت پائندۂ فکر و آگہی نمائندہ امر الٰہی، مظہر رحمت رحمٰن یعنی حضرت انسان عبث اور بے مقصد پیدا ہو گیا ہو؟

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝ (۱) تو کیا تم اس گمان میں مبتلا ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟ اب اس کے مقصد کا کون تعین کرے اور اس کی منزل کی نشاندہی کون کرے؟ کیا یہ کائنات؟ جو خود اس پر قربان اور نثار ہو رہی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، اس کی منزل اور اس کے مقصد کی نشاندہی خالق کائنات کا حق ہے جو اس نے اس طرح ادا فرمایا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (۲) اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

عبادت کے معنی

اقصی غایۃ الخضوع والتذلل (۱) یعنی اظہار ذلت کی انتہا۔ اگر اس معنی کو درست تسلیم کر لیا جائے تو میری رائے یہ ہے کہ یہ عبادت کا ابتدائی درجہ ہے کہ انسان اپنے جسم کے سب سے محترم، ارفع و اعلیٰ حصے کو زمین پر

رکھ دے۔ بارگاہ قدوسی میں جبہ سائی اعلےٰ درجہ کا اظہار عاجزی ہے، اور عبادت کا اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو "اللہ" پر قربان کر دے؛ نثار کر دے اور اس کے لئے "فنا" ہو جائے یہ فنا" جسم و جان، عقل و خرد، ارادہ و اختیار کا اللہ کیلئے قربان کر دینا ہے۔ "شہادت" اور "ریاضت" فنا کے ہی مختلف انداز ہیں، ایک "جہاد اصغر" ہے۔ دوسرا "جہاد اکبر" ہے۔ انسان جب فنا کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو کائنات کے تمام واقعات اپنی مرضی کے عین مطابق نظر آنے لگتے ہیں۔ ذرا سوچیئے تو سہی آپ کا گھر جس میں آپ رہتے ہیں، اگر اس میں سب کچھ آپ کی مرضی کے عین مطابق ہوتا ہو، چھوٹے بڑے سب آپ کا اشارہ چشم کے منتظر رہتے ہوں تو آپ کو کتنا چین اور کتنا سکون نصیب ہوگا، گویا جنت آپ کے گھر میں اتر آئے گی، اسی پر ان جاں نثاروں کو قیاس کیجئے جنہوں نے عبادت کے ذریعے اس مقام کو پا لیا ہے جہاں ان کی مشیت، مشیتِ ایزدی کے تابع اور ان کا ارادہ، ارادۂ الٰہیہ کے ماتحت ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں اور ان کے ارادہ میں کسی قسم کا تدافع یا تعارض باقی نہیں رہا۔ "بہلول دانا" رحمۃ اللہ بڑے پائے کے بزرگ تھے، مزاج کے قلندر واقع ہوئے تھے، کسی نے ان سے دریافت کیا، حضرت کیا حال ہے؟ مسکرا کر جواب دیا اس کا کیا حال پوچھتے ہو کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے حکم اور ارادہ سے ہو رہا ہے۔ سائل کو تعجب ہوا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں، عرض کی حضور! ہم نے تو یہ سنا ہے کہ اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے۔ فرمایا ٹھیک ہے ہم نے اپنا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع کر دیا ہے لہٰذا جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ہمارے ارادہ اور اللہ کے درمیان کوئی مخالفت یا تعارض نہیں یہیں پہنچ کر انسان کو نفس مطمئنہ ملتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کا مقصود انسان ہے مگر ہر انسان نہیں بلکہ وہ انسان جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی "مومن صالح" کافر نہیں، اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو چیز اپنا مقصد پورا نہیں کرتی ہے۔ بے کار ہے، پھینک دینے کے لائق ہے۔ آپ بلب (BULB) روشنی کے لئے لاتے ہیں۔ اگر فیوز ہو جائے تو پھر بھی آپ اس کو جگہ پر لگا رہنے دیں گے؟ نہیں، اس لئے کہ اب یہ آپ کے مقصد کو پورا نہیں کر رہا ہے، بس کافر بھی "فیوز" بلب کی طرح ہے جو اپنا مقصد پورا نہیں کرتا لہٰذا وہ مقصود نہیں، جس طرح گائے بیل اور دوسرے جانور مقصود کائنات نہیں، شاید اسی مفہوم

کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اُولٰئِکَ کالانعام بل ھم اَضَلّ (۱) وہ تو چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زائد غافل ہیں، نیز والذین کفروا یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام (۲) اور وہ لوگ جو کافر ہیں مزے اڑاتے اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے۔ مقصود صرف "مومن" ہے۔ مگر مومن ایمان کے بغیر نہیں ہوگا اور ایمان بغیر نبی "کے مستحق نہ ہوگا لہٰذا تمام انبیاء علیہم السلام مومنین کے ایمان کے لئے واسطہ فی العروض" ہوئے اس حیثیت سے مومن بھی "مقصود" نہ رہا بلکہ "مقصود" انبیاء کرام و رسل عظام ہوئے، پھر مزید غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی نبوتیں اور رسل عظام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالتیں حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوۃ و رسالت کی رہینِ منت ہیں۔ جس طرح نبی مومن کے لئے واسطہ فی العروض ہے بالکل اسی طرح آپؐ تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے واسطہ فی العروض ہیں، جہاں تک میں نے غور کیا ہے اس کی دلیل قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ "وَمَا ارسلناك اِلّا رحمة للعلمین" (۳) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ اب یہاں نہ تو رحمت مقید ہے۔ اور نہ عالمین، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ماضی مستقبل اور حال تمام زمانوں کے لئے تمام زمینوں کے لئے تمام آسمانوں کے لئے اور تمام عالموں کے لئے جو بھی جیسی بھی رحمت ہے وہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہی مستفاد ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین عالمین میں ہی تھے اور نبوت رحمت ہے بلکہ تمام رحمتوں کا منبع اور سرچشمہ ہے

خلاصہ یہ کہ ہر نبی کی نبوت کا واسطہ فی العروض بھی آپؐ ہیں اور آپؐ کی نبوت کا واسطہ فی العروض کوئی نہیں لہٰذا کل کائنات میں مقصود آپ ہی ہیں، کیا اس کمال سے بھی بڑھ کر اور کمال ہو سکتا ہے بلکہ "وجود" جو ایک نعمت اور کمال ہے اس کا واسطہ فی العروض بھی حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، وجود کا کمال ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وصف ہے اور تمام

(۱) سورۃ الاعراف : ۱۷۹ : (۲) سورۂ محمدؐ : ۱۲ : (۳) الحج ۱۰۷ :

موجودات ممکنہ کا نعمت وجود میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رہین منت ہونا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے عن ابنِ عباسؓ مرفوعاً اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنّۃ ولولاک ما خلقت النار فی روایۃ ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا (۲) یعنی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے محمدؐ اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور آپ نہ ہوتے تو جہنم کو پیدا نہ کرتا اور ابن عساکر کی روایت میں ہے اگر آپ نہ ہوتے تو کل دنیا کو پیدا نہ کرتا

حدیثِ لولاک پر کلام اس حدیث پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام صنعانی نے اسے موضوع بتلایا ہے۔ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جہاں صنعانی کا یہ قول مذکور ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے، لکن معناہ صحیح (۱) یہ حدیث اپنے معنیٰ اور مفہوم کے اعتبار سے صحیح ہے" مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ کہتے ہیں قلت نظیر اول ما خلق اللہ فی عدم ثبوتہ لفظا معنی ما اشتہر علی لسان القصاص والعوام والخواص من حدیث لولاک ما خلقت الافلاک (۲) میں کہتا ہوں اول ما خلق اللہ نوری کے معنیٰ ثابت ہونے اور لفظاً ثابت نہ ہونے کی نظیر لولاک ما خلقت الافلاک ہے جو زبان زد خاص وعام ہے، پھر امام دیلمی احمد قسطلانی، شیخ عبدالحق محدث اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا اور اس سے مسائل کو مستنبط کیا۔ جو بجائے خود اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے (۳) علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں" والتعین الاوّل المشار الیہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ما خلق اللہ نور نبیک یا جابر، و بواسطۃ حصلت الافاضۃ کما یشیر الیہ

---

(۱) ملا علی قادری: موضوعات کبیر ۱۵۹ : (۲) عبدالحیٔ لکھنوی: الآثار الموضوعہ: ۳۵ :

لولاک لما خلقت الافلاک " (۱۱) اور "تعین اوّل" (حضور ہی ہیں) جس کی طرف آپؐ کے قول اول ما خلق اللہ میں اشارہ ہے اور "فیضانِ وجود" آپ ہی کے وسیلہ سے ہوا، جیسا کہ حدیث لولاک سے معلوم ہوتا ہے، بس حضور اکرم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم تعینات میں تعین اوّل ہیں. امام بوصیریؒ فرماتے ہیں.

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدنیا وضَرَّتَہَا : وَمِنْ علومِكَ علمَ اللوحِ والقلمِ

تو بلاشبہ دنیا و آخرت آپ ہی کے جود و سخا سے معرضِ وجود میں آئے ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم شریف کا ایک حصہ ہی ہے.

انسانیت کاملہ

جو کامل واکمل نبی ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ انسان کامل نہ ہو یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان کے نبی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی نظر کے سامنے ہے دنیا میں تمام انسانوں پر جو احوال و کیفیات طاری ہوتی ہیں وہ سب حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو نظر آئیں گی یا یوں کہہ لیجئے کہ آپؐ دنیا بھر کے تمام انسانوں کی سیرت کا الگ الگ مطالعہ کریں یا صرف سیرت محمدیہ پڑھ لیں ایک ہی بات ہے. آپ کا بچپن ہمارے سامنے ہے، ایام رضاعت جوانی اور اس کے کارنامے اعلانِ نبوت، دعوتِ حق میں جدوجہد، قید و بند، ہجرت، معاہدے، صلح و جنگ، دوستوں کی محفل آرائی، دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک، رشتہ داروں سے صلہ رحمی تجارت، گلہ بانی، فقر و فاقہ، زہد و تقویٰ، خلوت گزینی و عزلت نشینی، قضایا و احکام، حکومت و امارت، عارضی شکست اور فتح ، سب کچھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں موجود ہے، آپؐ سوتے بھی تھے جاگتے بھی تھے، ہنستے بھی تھے روتے بھی، آپ نے جانی دشمنوں کے ساتھ اگر عفو درگذر سے کام لیا. تو دوسری طرف اعداء اللہ سے انتقام لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، یہ درست ہے کہ جو بھی آپؐ پر ایمان لایا تھا وہ آپؐ کے ساتھ انتہائی ادب سے پیش آتا تھا، مگر خود آپؐ بھی دوسروں کا ادب کرتے تھے. آپؐ اپنی رضاعی بہن کے لئے جو عمر میں آپ سے بڑی تھیں، اٹھ کھڑے

ہوئے اور اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی، ازدواجی زندگی کا پورا نقشہ آپ کے سامنے ہے، آپؐ نے فرمایا "تم میں سب سے بہتر وہ ہے۔ جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور میں تم سب میں اپنے گھر والوں کے لئے بہت اچھا ہوں۔ بچوں سے محبت و راحت کا یہ عالم تھا کہ عین حالت نماز میں اُمامہ بنت زینب کو گود میں اٹھا لیا تاکہ بچی رونے نہ پائے، جب رکوع میں گئے تو بٹھا دیا اور جب قیام کی طرف لوٹے تو پھر گود میں اٹھا لیا، گھر کا کام کاج اپنے دست اقدس سے کرتے تھے اور اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں فرماتے تھے، پھٹے ہوئے کپڑوں کا سی لینا، بکری کا دودھ دوہنا وغیرہ آپؐ کے معمولات عالیہ میں شامل تھا جوانمردوں کی طرح تیر اندازی، شمشیر زنی اور شہسواری آپؐ کے محبوب مشاغل تھے۔ آپؐ کے دوست اور بہی خواہ بھی تھے اور دشمن بدخواہ بھی مگر آپؐ کی دوستی اور دشمنی سب اللہ ہی کے لئے تھی، صحت اور مرض دونوں احوال آپؐ پر آئے۔ دعا اور دوا دونوں سے آپؐ نے کام لیا۔ جن لوگوں نے آپؐ کو پیوند لگے ہوئے لباس میں دیکھا تھا انہی لوگوں نے آپؐ کو رومی اور یمنی عبا میں ملبوس بھی دیکھا، اگر آپؐ نے خشک کھجوریں، جو کے ان چھنے آٹے کی روٹیاں تناول فرمائیں تو بکری کا بھنا ہوا دست بھی مزے مزے لے کر کھایا اور فرمایا کیا اور ہے؟ آپؐ نے خاندانوں اور قوموں کے امراء سے بھی ملاقات کی اور بین الاقوامی تعلقات بھی قائم کئے، دنیا بھر کی متمدن حکومتوں کے سفراء آپؐ کے دربار میں حاضر ہوتے اور اس دربار، دربار کے بے مثال پُرشکوہ ہونے کی سچی شہادتیں اپنی اپنی حکومتوں میں ادا کیں، مجھے یہ نہیں کہنا ہے کہ آپؐ انسانِ کامل تھے۔ بلکہ یہ کہنا ہے کہ انسانِ کامل صرف اور صرف آپؐ ہی تھے، اس لئے کہ یہ تمام متشابہ، متماثل بلکہ متضاد احوال و کیفیات کبھی بھی کسی فرد واحد کی زندگی میں جمع نہ ہوئے، اگر مجھے خوف بے ادبی نہ ہوتا تو میں ایک ایک قوم کے مقتدا اور پیشوا کی زندگی بطور تقابل پیش کرتا۔ مگر مجھے اپنے مفہوم کی ادائیگی کے لئے

اس مصرعہ پر اکتفاء کر لینی چاہیئے۔ ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت کاملہ کا جو تصور ہم نے پیش کیا ہے، یا جو ہمیں مستند اور ناقابل تردید تاریخی حوالوں سے ملا ہے وہ اظہارِ عقیدت

یا مداح سرائی نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے ایسی حقیقت جس کو نہ صرف آپؐ کے معتقدین بلکہ سخت ترین دشمنوں تک نے تسلیم کیا ہے۔ ایسے مواقع پر اہل علم، مستشرقین اور دورِ جدید کے محققین کے حوالے پیش کرتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اس سے کہیں بہتر یہ ہے۔ کہ ہم ابوجہل ابولہب، امیہ بن خلف، ابوالبختری، ولید، عقبہ وغیرہ کی رائے دیکھیں کہ یہ لوگ آپؐ کے ہمعصر تھے اور ان کے اقوال ہماری انہی کتب میں موجود ہیں جن سے ہمارے عقائد اور ہماری عبادات ثابت ہیں۔ جب ہم ان لوگوں کا رویہ معلوم کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہیں سوائے آپ کے وصف نبوت و دعوائے رسالت کے آپؐ کا ہر فضل وکمال مسلم تھا اور یہ آپؐ کی کاملیت کی ایک اور دلیل ہے ع والفضل ما شہدت بہ الأعداءُ کیا یہ اعزاز دوسری اقوام کے پیشواؤں کو حاصل ہے۔

ختم نبوّت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم صرف نبی اور رسول ہی نہیں بلکہ "خاتم النبیین بھی ہیں فرمانِ الٰہی ہے، ما کان محمّد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّٖن (۱)" محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں اور لیکن اللہ کے رسول خاتم النبیّین ہیں"۔

اس آیت کی تشریح اور مقام ختم نبوت مسلمانوں میں بطور عقیدہ طے شدہ امر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ پر نہ صرف یہ کہ نبوت ختم ہوئی بلکہ اس کائنات میں جو کمال بھی ہے وہ آپ پر ختم ہوا۔ اور یہ آیت مبارکہ آپؐ کے کمال بلکہ اکملیت کی واضح دلیل ہے۔

وصلی اللہ علی حبیبہٖ، خیر خلقہٖ وقاسم رزقہٖ سیدنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مظہر تکمیل نبوت و رسالت

سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں

عقیدت و نیازمندی کے چند الفاظ

★ مولانا محمد اطہر نعیمی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سید المرسلین سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ الطاہرین الطیبین و صحابہ المہتدین وجمیع المومنین فی کل حال و حین آمین یارب العالمین

خالق مالک نے جب خطۂ زمین کو شرف و عزت سے ہمکنار فرمانا چاہا تو عالم اسباب میں اس کے لئے سبب مقرر و مہیا فرمائے، فرشتوں سے فرمایا میں خطۂ ارضی پر اپنا نائب اور خلیفہ بنانا چاہتا ہوں

اذ قال ربك للملٰئكة انى جاعل فى الارض خليفة ۱۲

میں خطۂ زمین پر (خلیفہ) مقرر کرنے والا ہوں۔

★ رکن ذیلی رویت ہلال کمیٹی و خطیب جامع مسجد آرام باغ، کراچی

اس فرمان کے جواب میں فرشتوں نے کیا کہا اور ربّ کریم نے کیا فرمایا وہ اس وقت موضوع گفتگو نہیں اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ خلیفہ کس کو کہتے ہیں اور انسان کو منصب خلافت سے کیوں سرفراز کیا گیا موجودہ اصطلاح میں خلیفہ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص کسی کی مملکت میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام پر عمل درآمد کرائے۔

منصب خلافت کے لئے حضرت انسان کے انتخاب کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے اس کی استعداد، اور اس کا دائرہ عمل محدود ہے اور جس کے محدود ہونے کا یہ عالم ہو تو وہ ایسی ذات کا خلیفہ و نائب نہیں بن سکتا جس کا علم ارادہ، احکام اور تصرف لا محدود ہوں۔

لیکن جو انسان ابتدا ہی سے ضعیف بھی ہے اور جہول بھی لیکن اس میں استعداد بھی رکھدی گئی اور عقل وفہم کی وہ قوتیں ودیعت فرمادی گئی ہیں جن کے تصرفات کی حد نہیں۔ اس لئے تمام مخلوقات میں صرف یہی ایک مخلوق ایسی ہے جو منصب خلافت کی اہل ہے۔ علمائے ربانیین نے اس مشت خاک کی پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اٹھایا ہے۔ نفسیات انسانی کے ماہرین اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکے
عارف کامل جناب اسماعیل حقی فرماتے ہیں، انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے اس کی صورت کا تعلق تو عالم محسوس ہے اور اس کی روح کا تعلق عالمِ غیب ملکوتی سے ہے۔ صورت و روح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوار ربانی کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے اعلےٰ تربیت سے وہ عالم محسوس سے ترقی کرکے عالم غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے (رسالت مآب) کی سچی پیروی سے اس پر عالم جبروت وعظمت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس اطاعت و پیروی سے جو نور الہٰی اس کو حاصل ہوتا ہے۔ اس سے وہ جمال وجلال کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن خالق ومالک منصب نبوت ورسالت کے لئے لباس بشری میں تشریف لانے والی مقدس ہستیوں میں سے ایسی برگزیدہ اور معصوم شخصیت کو یا شخصیتوں کو منتخب فرماتا ہے جو اپنے ظاہر وباطن قلب وقالب روح وجسد غرضیکہ ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہو، اس کو ایسا پاک طینت اور سعید الفطرت متولّد فرماتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات رضا رب اور مشیت الہٰی کے تابع ہوتی ہیں۔
ردائے عصمت ان کے زیب تن ہوتی ہے اور خالق ومالک کی قدرت کاملہ ان کی ہر دم نگرانی فرماتی ہے اس مقدس

شخصیت کے ہر ہر حرکت و سکون پر حفاظت خداوندی کا پہرہ ہوتا ہے تو وہ نفس و شیطانت کے تسلط و استیلاء سے بالاتر ہے۔ ایسے نفوس قدسیہ سے گناہ و معصیت اور نافرمانی کا صدور ناممکن ہوتا ہے اور منطقیوں کی کی اصطلاح میں محال و ممتنع۔

خلاصہ کلام یہ کہ نبوت و رسالت کے عظیم منصب کے لئے خالق و مالک اسی شخصیت کو منتخب فرماتا ہے جو حسب و نسب، اخلاق و اعمال، عقل و بصیرت، عزم و ہمت اور دوسرے فضائل میں ممتاز ترین ہو۔ نبی و رسول جسمانی اور روحانی کمالات میں منفرد اور یکتائے زمانہ ہوتے ہیں اس طرح غیر نبی کو کسی معتد بہ کمال میں اس پر فوقیت نہیں ہوتی۔ اس کو ہم شرعی اور قرآنی اصطلاح میں اس طرح کہہ سکتے ہیں (کہ یہ بات ظاہر و باہر ہے) کہ خالق و مالک کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ ہر چیز ظاہر و باطن سب اس پر عیاں ہیں۔ ماضی حال و مستقبل کے واقعات اس کے علم میں ہیں۔ جب وہ با اختیار و اقتدار عالم الغیب و الشہادۃ کسی شخصیت کو منتخب فرمائے گا اور کسی شخصیت پر اس کی نگاہ قدرت پڑے گی اور تمام انسانوں میں سے نبوت و رسالت کے لئے جس کا انتخاب فرمائے گا وہ اپنے دور کی کامل و اکمل، جامع اعلےٰ اور موزوں ترین شخصیت ہوگی۔

خالق و مالک نے اس منصب کے لئے جناب آدم علیہ السلام سے ختم المرسلین امام الانبیاء افضل المرسل صلی اللہ علیہ وسلّم تک ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء و رسل کو منتخب اور مبعوث فرمایا۔ ان نفوس قدسیہ نے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ دین فرمائی بندگان خدا کو اللہ کی وحدانیت کے اقرار اپنی نبوت و رسالت کی تصدیق اور اعمال خیر کی طرف توجہ دلائی۔

ان انبیاء و رسل کو اللہ تعالےٰ نے خصوصی اختیارات اور اعلےٰ خصائل سے نوازا اور بعض کو خصوصی فضائل و کمالات سے نوازا۔

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (پ ۳) یہ رسول ہیں ہم نے انہیں ایک دوسرے پر افضل کیا کسی کو صفی، کسی کو نجی، کسی کو خلیل، کسی کو کلیم اور کسی کو روح فرمایا۔ یہ تمام نفوس قدسیہ نفس نبوت و رسالت میں برابر ہیں لیکن فضائل و کمال، مراتب و مقام اور معجزات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں لیکن ان تمام انبیاء و رسل میں

ایک ذات خاتم النبییّن صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایسی ہے جو مظہر تکمیل نبوت ورسالت ہیں. تمام مراتب وکمالات جلالی وجمالی جو دوسرے انبیاء ورسل علیہم السلام کو انفرادی طور پر عطا ہوئے وہ سب اپنی اعلےٰ اور اکمل صورت میں سیدالمرسلین خاتم النبییّن صلی اللہ علیہ وسلّم کو عطا ہوئے. ان کے علاوہ ایسے بے شمار مراتب اوران گنت معجزات بھی عطا فرمائے جن میں کوئی نبی ورسول ہمسری تو درکنار محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا.

جُدا جُدا جو کمالات انبیاُ میں تھے | وہ سب حبیب خدا یعنی مصطفٰے میں تھے

حسن یوسف دم عیسٰی ید بیضا داری | آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

سیدالمرسلین خاتم النبییّن صلی اللہ علیہ وسلّم کو ساری نوع انسانی بلکہ ساری کائنات زمینی وآسمانی کے لئے نبی بنایا گیا. آپ کی نبوت محدود وقت کے لئے نہ تھی بلکہ آپ کا دورِ نبوت قیام قیامت تک کیلئے مقرر کیا گیا ختم نبوت ورسالت کا تاج زیب سر فرمایا. قرآن کریم جیسی کتاب ہدایت اور منشور انسانیت عطا فرمائی آپ کے دین کو خیرالادیان فرمایا. آپ کے دین کو پسندیدہ ترین قرار دیا.

(۱) ان الدین عندالله الاسلام ۳/۱۹ — بے شک دین اللہ تعالٰے کے نزدیک اسلام ہی ہے.

(۲) ومن یبتغ غیرالاسلام دینا فلن یقبل منه ۳/۸۵ — اور جو تلاش کرے گا اسلام کے سوا اور کوئی دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا.

اس نبی مکرم ھادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جس کسی کو منصب نبوت ورسالت سے نوازا گیا تو ان سے عہد لیا اور ان انبیاء نے اپنی قوموں سے عہد لیا کہ اگر ان کی حیات میں سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوں تو آپ ان پر نہ صرف ایمان لائیں بلکہ آپ مدد بھی کریں اس سلسلہ میں سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ واذا اخذالله مثاق النبیین شاہد ہے.

اس آیت کے تحت علامہ محمود آلوسی نے اپنی مشہور تفسیر روح المعانی میں جو تحریر فرمایا ہے. اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے. " اسی لئے عارف حضرات نے فرمایا ہے کہ نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شریعت لانے والے نبی مکرم محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور دیگر انبیاء علیہم السلام حضور علیہ التحیہ والثناء کے تابع ہیں.

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر تکمیل نبوت ورسالت کا موضوع ایسا ہے جس پر جتنا بھی لکھا جائے وہ کم ہے اور بلاخوف تردید یہ کہا جاتا ہے کہ انسان میں وہ طاقت وصلاحیت نہیں جو صفات مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء پر قلم اٹھا سکے انہیں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ خالق ومالک نے کائنات بنائی لیکن عالم انسانیت کے بسنے والوں پر احسان نہیں جتایا انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اس کو ولقد کرمنا بنی آدم کے تاج سے مزین فرمایا لیکن اس نعمت پر بھی رب نے احسان کو یاد نہ دلایا۔ صحیح اور سالم الاعضاء بنایا عقل سلیم عطا فرمائی لیکن اس نعمت پر بھی احسان نہیں جتایا چاند سورج پانی، ہوا، جسم انسانی اور اس پر بیشمار بال اور ہر بال میں لاتعداد نعمتیں اور ان نعمتوں کو کہاں تک شمار کیا جاتا ہے جبکہ خود خالق کائنات نے فرما دیا ہے۔ ان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا احصاء کرنا چاہو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے۔ ان بیشمار نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا رب کریم نے تذکرہ نہ فرمایا اور مومنوں کو ممنونِ احسان نہ فرمایا تذکرہ فرمایا تو اپنی عظیم اور گرانقدر نعمت کا اور وہ بھی کس پیارے انداز میں

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم	یقیناً مومنوں پر رب کریم نے احسان عظیم فرمایا
رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیتہ	جبکہ ان سے انہیں میں سے ایک رسول ان میں
ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ	مبعوث فرمایا جو انہیں آیات ربانی سنا کر ان کا تزکیۂ نفس
وان کانوا من قبل لفی ضلال	فرماتے ہیں ان میں کتاب (قرآن مجید) کی تعلیم دیتے اور اس
مبین ۳/۱۶۴	پر عمل کرنا سکھاتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

رب کریم نے آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک مبعوث ہونے والے انبیاء ورسل کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا۔ لیکن نبی مکرم ہادی اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا جس طرح حکم دیا وہ اپنی نظیر آپ ہے چنانچہ سورہ النساء کی آیت ۶۴ سے ۶۰ اس کی شاہد ہیں۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول۔ ان آیات میں رسول معظم ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت اور آپ کے اتباع کو نہایت واضح موکد اور موثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں "و" کو قسم کے طور پر لایا گیا ہے

اور نفی ایمان کے اظہار کے "لا" نافیہ کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ ایک بار قسم سے پہلے اور دوسری بار قسم کے بعد اگر اس لا کو ایک بار بھی لایا جاتا تو لغوی اعتبار سے عبارت تو درست ہی رہتی لیکن وہ زور بیان پیدا نہ ہوتا جس کی یہاں ضرورت تھی۔ امام ابن جریر اور دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ سابقہ آیات کے احکام کی طرح یہاں بھی یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک کے لئے نہیں ہیں بلکہ قیام قیامت تک کے لئے ہیں اور یہی ایمان کی اساس ہیں کیونکہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنا فیصلہ قسم کے ساتھ موکد کر کے جاری فرما دیا ہے۔ کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اللہ کے یہاں وہی اطاعت قبول ہو گی جو اس کے رسول کے اتباع میں ہو اور اس بات کو رب کریم نے بانداز دگر بھی فرمایا ہے کہ رسول کی اطاعت میں میری اطاعت مضمر ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلنٰک علیھم حفیظا (سورہ نساء رکوع ۱۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی لیکن جس نے احکام رسول سے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو اس کے بچانے کے لئے نہیں بھیجا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نے اطاعت نبوی کا جو مظاہرہ کیا ہے اس کی نظیر ادیانِ عالم میں نہیں ملتی۔ انبیاء سابقین کے رتبوں کے حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے نبی و رسول پر ایمان لانے کے بعد اس عقیدت و نیازمندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جیسا کہ ہونا چاہیئے تھے جب بھی ایسا موقع آیا تو انہوں نے اپنی جان پہلے بچائی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کو جنگ کے لئے لے کر نکلے تو ان لوگوں نے کہہ دیا۔ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون اس کے برخلاف نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی اطاعت و فرمانبرداری ہمیشہ سے ضرب المثل رہی ہے۔ اس کی مثالیں غزوات میں بھی ملتی ہیں لیکن مِلت مسلمہ کی خوش قسمتی اور نیازمندی یہ بھی رہی ہے کہ صدیاں گزرنے کے بعد افرادِ ملت آج بھی ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں قربان کرتے ہیں اور اس کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ کہ ایک یہودی اور ایک منافق فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیصلہ چاہتے ہیں تو یہودی عرض کرتا ہے اے عمر یہ منافق اس معاملہ کا فیصلہ نبی کریمؐ

اور جناب صدیق اکبر سے بھی کرا چکا ہے اور ان کے فیصلہ سے مطمئن نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی اور اس منافق کا سر تن سے جدا کرتے ہوئے فرمایا جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو اس کا فیصلہ تلوار ہے۔ اس کے بعد اطاعت گزاروں کو بشارت اور نوید سے سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم (آیت ۶۹ سورہ النساء) اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالٰے نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین شہداء صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور کافی ہے اللہ تعالٰے جاننے والا۔

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون ۰ ۲/۱۰۱

جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے جو تمہیں ہماری آئتیں پڑھ کر سناتے اور تمہارا تزکیہ فرماتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں سکھاتے ہیں جن کو تم جانتے نہ تھے۔

مذکورہ بالا آیت اور کتاب ہدایت کی اور دوسری آیات میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ اس بات کا آئینہ دار ہے کہ اللہ تعالٰے نے تمام انبیاء و مرسلین کو صفات وخصائل سے نوازا ان کی قوموں کو ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا پابند بنایا اطاعت کرنے والوں کو نوازشوں سے نوازا اور نافرمانوں کو عتاب و عقاب کیا لیکن جو انعام واکرام نبی آخر الزماں مظہر تکمیل نبوت و رسالت احمد مجتبٰے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس دور کی انسانی دنیا پر نہیں بلکہ قیام قیامت تک کے انسانوں پر فرمائے اس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی اور نہ مستقبل میں مل سکتی ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے حضرات کے حافظہ میں یہ بات محفوظ ہو گی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور بعثت و اعلان نبوت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا صدیوں طویل عرصہ جس کو تاریخ دور فطرت کے نام سے یاد کرتی ہے کیسا دور تھا اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ایسے تاریک اور پر فطن دور میں رحمت الٰہی جوش میں آئی اور نبی برحق کو ایسے ماحول میں مولد مبعوث فرما کر

اعلان عام فرمادیا وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے صرف رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

مشہور سیرت نگار جناب قاضی عیاض نے الشفاء میں فرمایا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے جو فائدے کائنات کو ہوئے ہیں۔ اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ سرکار دو عالم مومن کے لئے تو اس لئے رحمت ہیں کہ آپ کی وجہ سے معرفت رب اور دولت ایمان نصیب ہوئی ہدایت ملی نجات دینوی واخروی کی ضمانت نصیب ہوئی۔ منافقین کے لئے اس لئے رحمت ہیں کہ آپ کی ذات اقدس کی وجہ سے قتل سے امان ملی اور کفار و مشرکین کو رحمت سے یہ فیض نصیب ہوا کہ آپ کی وجہ سے عذاب مؤخر ہو گیا۔

تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ بعثت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دور فترت میں دنیا کا کیا حال تھا ایسے ناگفتہ بہ دور میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر حیات کائنات کے بسنے والے مسلمانوں کو ممنون احسان فرمادیا وہاں عالم انسانیت کے بسنے والوں کو یہ بھی بتایا اس کس مپرسی اور پسماندگی کے عالم میں عالم انسانیت کی رہبری اور رہنمائی ایسی ہی شخصیت کر سکتی ہے جو خود ہر طرح کامل و اکمل ہو اس کے خالق کائنات نے سورہ مائدہ کی چودھویں آیت میں اس طرح ارشاد فرمایا،

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول تشریف لایا جو واضح طور پر ایسی چیزیں جن کو تم کتاب الہٰی سے چھپایا کرتے تھے۔ ظاہر فرمائے گا۔ جو بہت سے باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالےٰ کی جانب نور اور ایک کتاب مبین آئے ہیں۔ پیروی اور اتباع کرنے والوں کو ان کے ذریعہ خوشنودی اور سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور انہیں توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ تاریکیوں سے نورانیت کی طرف مائل ہو کر راہ راست اختیار کریں۔

رب کریم خالق کائنات نے کسی نبی و رسول کو بیک وقت اتنی صفات سے ایک کلام (آیت) میں متصف نہیں فرمایا جن صفات سے مظہر تکمیل نبوت و رسالت جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کو خطاب ہوا چنانچہ سورہ احزاب کی آیت ۴۵ ، ۴۶ میں اس طرح ارشاد ہوا۔

یاایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا ٥ وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا ٥ (۳۳ / ۴۵-۴۶)

اے نبی ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر بروقت ڈرانے والا اور اللہ کے اذن سے اس کی صرف بلانے والا اور روشن کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس پیارے انداز میں مخاطب فرما کر ان جلیل القدر خطابات کا تذکرہ فرمایا ہے جن سے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان القاب سے اس رسول مکرم کی اظہار شاں بھی مقصود ہے۔ دوسری جانب ملت مسلمہ کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ اے افراد ملت اسلامیہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ اور نہ ان تیز و تند لہروں سے خوفزدہ ہو۔ یہ گرداب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کی سپرد نہیں کیا ہے جو کم ہمت دوں حوصلہ اور ناتجربہ کار ہو۔ بلکہ ملت مسلمہ کی کشتی کا ناخدا وہ نبی برحق ہے جس کو ہم نے ان صفات سے متصف فرمایا ہے۔ تم صبر و استقامت سے ان کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو، یقیناً تمہیں ساحل مراد تک رسائی نصیب ہوگی۔

ان صفات کی مکمل تشریح و توضیح تفسیر کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

سورہ احزاب کے علاوہ سورہ سبا میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر کے القاب سے ملقب کیا گیا۔

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون ٥ (۳۴ / ۲۸)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو تمام انسانوں کو محیط ہے خوشخبری دینے اور ڈرانے والا لیکن اکثر بے خبروں کو ان صفات کی کیا خبر،

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات آپ کی اکملیت و اولویت پر کچھ لکھنے اور کہنے کی جرأت اس وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ کوئی حقیقت محمدی علیہ التحیۃ والثناء سے پوری طرح

واقف ہو خود سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس سلسلہ میں ناطق فیصلہ ارشاد فرمادیا ماعرفنٹے حقیقتی غیر ربی ۔ اب کس میں تاب اور کس کو مجال کہ وہ صفات محمدی کا احاطہ کر سکے اس لئے ہر فرد نے اپنی اہلیت وصلاحیت کے مطابق کچھ کہنے اور لکھنے کی جسارت کی ہے۔

اختتامی طور پر چند کلمات اور اضافہ کرنے کی جسارت کروں گا کہ سبق آیت میں ارشاد ہوا ہے ۔ ولکن اکثر الناس لا یعلمون کہ اکثر بے خبروں کو ان صفات کی کیا خبر ان بے خبروں کو خبردار کرنے کے لئے رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحمتوں سے ایک رحمت کا اور تذکرہ کروں گا۔

اس انقلاب کے داعی نے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب آفرین تبدیلیاں فرمائیں اور عالم انسانیت پر جو احسانِ عظیم فرمایا وہ وحدتِ انسانی اور وحدت ملی کے تصوّرات تھے ،بعثت نبوی سے پہلے انسان قوموں برادریوں ،ذات پات ، رنگ ونسل اور اعلےٰ وادنیٰ کے فرق اور طبقات میں منقسم تھے وحدت ومساوات کا کوئی تصوّر نہ تھا آقا غلاموں کے ساتھ ، حاکم ومحکوم کے ساتھ جانوروں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔اس فرق کو دور کرنے اور وحدت کو قائم کرنے کے جو منشورِ انسانیت آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد فرزندانِ توحید کے سامنے پیش فرمایا اس سے نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے اور اس کے سایہ میں نسل انسانی کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے۔اس منشور سے اشتراکِ عمل اور باہمی تعاون کے اصولوں پر انسانیت کی نشاۃ ثانیہ کر سکتے ہیں۔آج کے متمدن دور میں بہت سے لائحہ عمل اور CHARTER پیش کئے گئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ اپنی افادیت کھو بیٹھے۔ اقوام متحدہ UNITED NATIONS نے بھی HUMAN RIGHTS CHARTER پیش کیا لیکن اس غیر متمدن دور میں احترام انسانیت اور انسانی قدر وقیمت کا جو تصور معلم انسانیت ھادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا آج چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہ درخشاں تاباں اور قابل عمل ہے اور آج بھی عالم انسانیت کو دعوت فکر وعمل دیتا ہے۔

اس وقت کی اہم پکار یہ ہے کہ افرادِ ملت اس نبی مکرم ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کر کے نجات وفلاح کی راہ حاصل کر کے اللہ تعالےٰ کے اس انعام کے حق دار بنیں جس کی تعلیم کتاب ہدایت قرآنِ کریم نے دیتے ہوئے فرمایا ہے ۔ وانتم الا علون ان کنتم مؤمنین ۔ تم عزت وسر بلندی کے حقدار صرف اس صورت میں ہو سکتے ہو جبکہ تم سچے اور پکے مسلمان بن جاؤ ، یہاں یہ امر توجہ طلب ہے کہ

اللہ رب العالمین نے اس کامل و اکمل مظہر تکمیل نبوت و رسالت علیہ التحیۃ والثناء کی بعثت پر صرف مسلمانوں پر احسان کا اظہار فرمایا اور اس آیت میں بھی تخاطب صرف مومنین سے ہی ہے کہ عزت و افتخار و اقتدار و سربلندی صرف اتباع نبوی میں منحصر ہے۔

آیئے اس مبارک موقع پر یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگیوں کو سلف صالحین کا نمونہ بنا کر اس عظمت رفتہ کو واپس لائیں گے جس نے تاریخ اسلام کو ایک روشن باب عطا کیا تھا اور صفحات تاریخ پر ایسے تابناک نقوش ثبت کئے تھے جو آج بھی عالم انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ہمیں اس مملکت اسلامیہ پاکستان کو مضبوط سے مضبوط تر بنا کر اس نظام کو پوری طرح نافذ کرنا ہے جو نظام ہادی اعظم علیہ التحیۃ لے کر آئے اور اس کو نافذ کرکے یہ بتا دیا تھا کہ اس پر عمل کرکے جب اس غیر متمدن دور کے انسان متمدن بن کر قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں تہلکہ برپا کر سکتے ہیں تو کیا متمدن دور کے مسلمان اس کو پوری طرح اپنا کر دنیا کی قیادت و سیادت نہ کر سکیں گے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ذاتی، لسانی، علاقائی اختلافات کو بھلا کر ایک سیسہ پلائی دیوار کی طرح بن جائیں اور جو فتنے اور سازشیں اس دیوار کو ڈھانے کے لئے بڑھیں وہ اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادوں کو استحکام اور قوت عمل مرحمت فرمائے، آمین

ما ان مدحت محمدا بمقالتی | لکن مدحت مقالتی بمحمد

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرتؐ بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

منشور صبا رات

★ مولانا سعید الدین شیر کوٹی

انسان کو جب زمین پر بھیجا گیا، اُسی وقت رب العزت کی طرف سے یہ ہدایت دے دی گئی کہ اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔ آدمؑ کو زمین پر آتارتے ہی ہدایت ربانی مل گئی تھی اس سے دو چیزیں واضح ہیں ایک یہ کہ انسانیت کی فلاح کامیابی اور کامرانی کا انحصار ہے وحی اور رسالت کے اتباع پر۔ دوم یہ کہ مقصد وحی اور کار نبوت انسانیت کے مفاد اور بہبود میں ہے۔

وحی اور مفادِ انسانیت

انسان جب نور وحی سے بے تعلق ہوتا ہے اور دامنِ رسالت ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے، گم کردہ راہ ہو جاتا ہے ٹھوکر کھاتا ہے اور بھٹکتا ہے خوف وغم سے بچ نہیں سکتا چاہے وقتی طور وہ خوش

★ معروف عالم دین

فہمی میں رہے اور لذتوں اور خواہشوں کے سبز باغ اسے بہکا دیتے رہیں۔ یہی عقل کی گواہی ہے اسی پر تجربہ شاہد ہے اور یہی وحی و رسالت کا کہنا ہے۔

انسانوں کے لئے اس واحد نسخہ فلاح وحی اور ہدایات ربانی کا سلسلہ اس زمین پر انسان کے قدم رکھنے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ انبیاء کرام آتے رہے اور انسانوں کو اپنے رب کی طرف سے ملی ہوئی روشنی اور ہدایت دیتے رہے صرف انسانیت کی ہمدردی میں۔ پوری دردمندی سے بھٹکنے سے بچانے کے لئے۔ دکھوں سے چھڑانے اور ظلمتوں سے نور کی طرف لانے کے لئے، سلسلہ انبیاء چلا ان میں آدمؑ بھی تھے نوحؑ بھی تھے، ابراہیمؑ بھی تھے موسیٰؑ بھی اور عیسیٰؑ بھی یہاں تک کہ سلسلۂ نبوت و رسالت مکمل ہوا۔ ذات گرامی سید المرسلین، خاتم النبیین پر صلوٰۃ اللہ و علیہم اجمعین۔

نبوّت کے دو رکن

اگر ان حقائق کی روشنی میں حقیقت نبوّت پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ نبوّت کے دو اہم اور بنیادی رکن ہیں۔ ایک کمالِ تعلق و قربِ الٰہی دوسرے کمالِ انسانیت دوستی ذرا اصطلاحی لفظوں میں کہنا چاہیں تو یوں کہہ لیجئے کہ ایک کمالِ تعلق مع اللہ، دوسرے کمال شفقت علی الخلق۔ میں نے "خلق" کی بجائے صرف انسانیت اس لئے کہہ دیا کہ نبوّت اور خصوصًا اس کے تشریعی پہلو کا تعلق براہ راست انسانوں ہی سے ہے۔ ان قوانین و ہدایات کے جو انبیاء و رسل لاتے ہیں۔ مکلف انسان ہی ہیں۔ اس لئے انبیاء کرام کے مخاطب انسان ہیں۔ کتب سماویہ انسانوں کو پکارتی اور مخاطب کرتی ہیں۔ بعثت انبیاء و رسل "الی الناس" ہے اس لئے بالخصوص ہدایت نبوّت کی بات کرتے ہوئے "خلق" کی بجائے انسان یا انسانیت کہہ لینا نا روا نہیں بجا ہے اور شفقت و رحمت کی بجائے دوستی ہمدردی اور دردمندی کے الفاظ استعمال کر لینا آجکل کی اصطلاح کے زیادہ قریب اور زیادہ عام فہم ہے۔

مقام قربِ سیّد الرسلؐ

بہرحال کمال قرب الٰہی اور کمال دردمندیٔ انسانیت، نبوت کے دو اہم عنصر اور رسالت کی دو بنیادی شانیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنیوالا ہر پیغمبر تعلق الٰہی کی خاص سند و امتیاز لئے آیا ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا اس درجہ کمال اور امتیاز تعلق ہی کا نام نبوّت ہے اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ کمال قرب الٰہی کا وہ مقام ہے جو غیر نبی کو حاصل نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ نبوّت وہبی ہے کسبی نہیں۔ یہ مالک کی دین اور عطائے محض ہے۔ کوشش و تحصیل سے نبوّت حاصل نہیں ہوتی۔ نبی ہونا خود ثبوت کمال تعلق و قرب الٰہی ہے پھر آدم صفی اللہ ہے تو ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ تو عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ یہ سب اسناد تعلق ہیں چونکہ خاتم النبیّین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی میں وہ سبھی کچھ یکجا ہے جو اور نبیوں میں مجموعاً ہے تو آپ کے لئے بطور لقب بھی، عبداللہ اور رسول اللہ کے الفاظ ہی زیادہ زیبا رہے کہ انہی میں وہ وسعت ہے جس میں تعلق الٰہی کی سب نسبتیں آجاتی ہیں اور سب بھی اللہ کے رسول تھے۔ انبیاء تھے اور کمال عبدیت کے حامل تھے۔ مگر ان الفاظ سے محمد رسول اللہ کا ملقب کیا جانا بتاتا ہے کہ جامعیت و اکملیت رسالت آپؐ کی ذات گرامی میں ہے۔ رسالت کا مصداق مکمل ترین و آخری آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

کمالِ تعلق مع اللہ

انبیاء کرام کی دو خاص شانیں ہیں ایک تعلق مع اللہ کا کمال۔ حضورؐ اس کے مقام اعلیٰ ترین پر فائز ہیں یہ سب مقامات قرب ہی ہیں کہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ یا قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضٰھا یا واقعہ معراج اور وہ کمالِ قرب کہ ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ وغیرہ یا حضورؐ کا یہ ارشاد کہ لی مع اللہ وقتٌ لا یسعہ ملکٌ مقرب ولا نبی مرسلٌ

مجھے حق تعالیٰ کے قرب کے لیسے درجات میسر آتے ہیں کہ ان تک نہ کسی مقرب فرشتے کی نہ نبی مرسل کی رسائی ہے۔ قرب و تعلق، محبت و عبدیت کے مقامات کچھ ایسے نہیں ہوتے کہ علم و عقل یا الفاظ ان کا احاطہ کر سکیں۔ پھر ان کے بھی وہ مقامات بلند جو انبیاء گرامی اور ذات مرتبت میں ہیں انہیں کون حیطہ خیال میں لا سکے۔

اکنوں کرا دماغ کو پر سوز باغباں   بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد

دردمندیٔ انسانیت

دوسری شان انبیاء کرام علیہم السلام کی دردمندیٔ انسانیت، فکر نجات و بہبود انسانیت ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کا فرستادہ آیا وہ جو بھی ہدایت، علم اور قانون من اللہ لایا اور جو جو کچھ اس نے خود کر کے دکھایا وہ اسی لئے تھا کہ انسان صراط مستقیم پالیں۔ جہالت ضلالت، دکھوں اور خساروں سے نجات پالیں، حقیقت پسند ہی نہیں حقیقت پرست اور حق پرست ہو جائیں عارف حقائق بھی ہو جائیں اور حقوق آشنا بھی تاکہ آگ کے گڑھوں تہ در تہ ظلمتوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں۔ نفسانیت و حیوانیت کی اتھاہ گہرائیوں میں نہ گرنے پائیں۔ ملکوت اور مرکز اعلیٰ کی طرف تعلق مع اللہ اور تخلق باخلاق اللہ سے بلند ہوتے جائیں کہ ہجر و بعد کی بے قراریوں اور درماندگیوں کی جگہ وصل و وصال اصل کا سکون حاصل ہو جائے۔ انسان شاد و بامراد ہو۔ دنیا میں بھی اور عقبیٰ میں بھی۔ جسم بھی اس کا بالیدہ ہو اور روح بھی پاکیزہ۔ دل ہر قطرہ ساز انا البحر بن کر پکار اُٹھے کہ "ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا" اور انسان اپنی عبدیت کے باوصف بلکہ اسی کے کمال کے ذریعے اور اسی کی بدولت قوت و قدرت کے اس مقام پر پہنچے کہ

"ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ"   "نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

انسان کو خودی کا وہ مقام مل جاتا ہے کہ بقول اقبالؒ

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے   خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مگر انسان کا یہ مقام خودی، خدا فراموشی نہیں خود شناسی اور اپنی عبدیت کو پہچان اور مان لینا ہے عبدِ کامل ہی انسان کامل اور مقرب الٰہی ہوتا ہے۔

سچے انسانیت دوست اور محسنِ انسانیت

انبیاء کرام علیہم السلام کے سارے کام اور سارے پیام اسی انسان... دوستی، حقیقت آگاہی اور حق آشنائی بخشنے کے لئے تھے اور ہر قیمت دے کر انہوں نے انسانیت کی دردمندی اور اُن کے لئے دلسوزی کی۔ تاریخ انبیاء کا ہر ورق اس پر گواہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا مقصد بعثت انسانیت کی بہبود تھا۔ اُن کی ہر کاوش فلاح انسانیت کے لئے تھی، انہوں نے جو کہا، جو کیا اور جو کچھ سہا سب اسی کے لئے۔ انسانیت کے ایسے دردمند، حقیقت آشنا اور جامع کمالات' نبیوں کے علاوہ نہیں ہوتے اور دین خداوندی کے علاوہ سچا، ٹھوس نسخہ فلاح نہیں ہوتا، تنویر و ہدایت وحی کے علاوہ راہ مستقیم دکھانے والی کوئی چمک نہیں ہوتی، اللہ کے نبیوں کی جگہ، کمال ہمت و ہدایت رکھنے والے رُسل کی جگہ، محدود عقل یا تیرہ باطن مفکر، خود غرض و حریص رہنما، انسانوں کے ساختہ پرداختہ فلسفے انسان کے لئے کفایت نہیں کر سکتے اور سزاوار امامت نہیں ہو سکتے کہ انسان نے جب چرکے کھائے ہیں تو انسانوں کے ہاتھوں' قبائے انسانیت' انسانی دستِ حرص و آز ہی سے سدا تار تار ہوئی ہے۔ دانش برہانی ہی انسانوں کو دھوکے دیتی رہی ہے اور خرد دری کا زعم ہی گہری کھائیوں میں پھینکتا رہا ہے۔

فکر ما پیدا کند ہر دم خداوندے دگر   رُست از یک بند تا افتاد دُر بندے دگر

انبیائے کرام علیہم السلام میں کمال ہدایت بھی ہوتا ہے اور کمال ہمت بھی، وہاں صرف کتاب رہنمائی، تعلیم اور ابلاغ ہی نہیں ہوتا، تربیت سنت اور اسوہ بھی ہوتا ہے" کتاب" کے ساتھ رسالت کی ضرورت اسی لئے ہے۔ وہاں کمال وصحت علم و نظریہ بھی ہوتا ہے اور کمال جہد و عمل و حوصلہ کار بھی۔ انسانیت کو انبیاؑ کے علاوہ ایسی جامع، سچی حقیقی رہنمائی کہیں اور میسر آنے کا تصور تک نہیں کیا

جا سکتا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا منّ و کرم خاص ہے کہ وہ اپنے چہیتوں کو انسانوں کی دردمندی کے لئے مبعوث فرماتا ہے جو خود دکھ اٹھا کر انسان کی فلاح کے لئے مصروف کار رہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی خاص مخلوق پر رحمت اور شفقت علی الناس ہے اس سے اس کے انبیاء و رسل بھی متصف ہوتے ہیں یہ ایک شانِ رسالت ہے۔ ان تمام کمالات کے اعلیٰ ترین مدارج پر فخر موجودات، سرور کونین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرافراز ہیں۔ مقامات قرب و عبادت و اطاعت الٰہی میں بھی آپؐ انتہائے کمال پر ہیں اور ہدایت، امامت اور خلافت کی شانوں میں بھی آپؐ نبوت و رسالت کی تکمیل کا مظہر اتم ہیں بقول امام بوصیریؒ

حتے اذا لم تدع شأوا لمستبق   من الدنو ولا مرقی لمستنم

آپؐ قرب و رفعت کے اُن آخری مدارج پر سرافراز ہوئے کہ اس کے آگے اور کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔

انسانیت سے نبوت کا تعلق

حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہدایات ربانی اور وحی و رسالت کا سلسلہ شروع ہوا یہ ایک تدریجی عمل تھا اور اس میں ایک شان ارتقا تھی۔ ایک کے بعد ایک پیغمبر آتا رہا اور انسانی ضرورتوں کی تکمیل اور رہنمائی کرتا رہا۔ انسانی زندگی جس جس مرحلے میں تھی اس کے مطابق، انسانی زندگی کی عمر، اپنے اپنے عہد اور اپنی اپنی اُمتوں کے مطابق۔ انسان ابتدائی ضروریات کے لئے بھی ہدایت و رہنمائی کا محتاج تھا۔ آج عقل کا علمبردار امام اور اجارہ دار بننے والا انسان خود عقل کے وجود تک سے نا آشنا تھا۔ پسر آدم قابیل نے خود کو کوّے سے بھی زیادہ عاجز و نادان تسلیم کیا تھا۔ نبوت و رسالت نے ہی ہر دور اور ہر مرحلے میں انسان کی دستگیری و رہنمائی کی۔ اس کی تہذیبی عمر اور استعداد کے مطابق۔ دُنیا اور دین۔ ظاہر و باطن اور جسم و تن سبھی کے سنوارنے کے بارے میں۔ اس میں تدریج فطری اور ضروری تھی۔ حیات انسانی کے احوال کے مطابق۔

حیات انسانی کو نبوت نے گہوارے سے پالا، انگلی پکڑوا کر کھڑا کیا۔ گھٹنوں چلایا۔ پروان چڑھایا تا آنکہ وہ جوان اور بالغ ہوئی۔ اس دوران انسان مچلتے رہے، نادانیاں کرتے، گرتے اور لڑکھڑاتے رہے اور اپنے مربیوں اور ہادیوں سے آنکھیں چراتے اور انہیں دُکھ پہنچاتے رہے۔ جوان ہونے کے بعد بھی بہک بہک جاتے رہے۔ مگر نبوت نے ہمیشہ انسانیت کو یوں آغوش میں رکھا جیسے کوئی ممتا کی ماری ماں جان چھڑکے اور آخر دم تک سینے سے لگائے رہے۔

حیات و استعدادِ انسانی اپنے ابتدائی مراحل سے نکل کر تکمیل کی منزلوں میں آئی تو دین و رسالت بھی اپنے تکمیلی مرحلے میں آ گئے اور دین و رسالت ذاتِ گرامی سید المرسلین خاتم النبیین پر مکمل ہو گئے ہزاروں درود ان پر لاکھوں سلام۔

تکمیلِ دین و ختمِ نبوت

پہلے انبیاء کرام کی ہدایت نمایاں تدریجی تقاضوں کی بنا پر محدود تھیں۔ جب درجہ و عہد ابتدائی تھیں، خاص قوموں، خاص زمانوں اور محدود مدتوں کے لئے۔ پہلا سبق بچے کی حالت کے مطابق اور اگلے سبق سے پہلے تک کے لئے تھا اور ختمی مرتبت ارواحنا فداہُ پر دین مکمل ہوا۔ رسالت تمام ہوئی تو بہمہ پہلو تکمیل ہوئی۔ اس آخری درجہ تک کہ کسی پہلو سے کوئی گنجائش بلکہ اس کا کوئی امکان تک باقی نہ رہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

اس رسالت کی تکمیل میں جامعیت تھی۔ دستوری و آئینی، تہذیبی، کرداری، تمدنی اخلاقی روحانی علمی و علمی انتظامی ہمہ جہت تکمیل انسانیت تھی اور حدود و قیود اور زمان و مکان سب کے لئے دامن ہدایت وسیع ہو چکا تھا۔ دین صحیح طرزِ حیات انتہائے کمال تک پہنچ گیا اس میں اب بیکرانی تھی کمال تھا، کمیت و کیفیت و معیاریت ہر اعتبار سے آغوش رسالت سے اگر انسانیت چمٹی رہی اور دامنِ رسالت پاس رہا تو تکمیلِ رسالت پر انسان، انسان کامل نظر آیا۔ دینِ انسانیت اور انسانیت کے صحیح چلن ہی کا دوسرا نام ہے اور

یہ فیضان رسالت اور ضابطہ الٰہی سے ہی ملتا ہے۔

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر دُوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور !

زندگی کا معیاری چلن انسان کی خطا کار عقل مہیا نہیں کر سکتی کہ وہ نہ بے لاگ ہو سکتی ہے نہ مکمل رسا عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں۔ ہاں دانش نورِ وحی سے رابطہ کر لے تو نورانی ہوتی ہے۔

اک دانش نورانی اک دانش برہانی ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

رسالتِ کاملہ

کمال دین میں ہی کمال انسانیت ہے اور دینی انحراف میں زوال انسانیت، تکمیل رسالت کے ساتھ ہی انسانیت دوستی اور دردمندی کمال کو پہنچی۔ انبیاء کے مقابل اور کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ انسانیت کی ہمدردی کا دعویٰ کر سکے؟ انبیاء کرام بھلائی بارگاہ خالق سے لیتے ہیں جو سب کا خدا ہے۔ جہاں کوئی تعصب نہیں کوئی گروہیت نہیں، نسلیت و امتیاز نہیں کہ وہ سب کا ہے سب اُس کے ہیں وہ سب کا رحمٰن ہے یہ تقسیم کرم مکمل ہوئی تو اسی نسبت سے رسالتِ کاملہ نے سب کو اپنے دامن میں سمیٹا آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلم کی رسالت الیٰ کافۃ للناس ہوئی اور آپ رحمۃ للعٰلمین ہوئے۔ بارگاہ حق کی بیکراں شان رحمت سے لے کر مخلوق کو اسی بیکراں شان سے دینا رسالت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا امتیاز ہے یہی تھی تکمیل نبوّت و رسالت اور اس کا مظہر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

انبیاء میں صورت و سیرت میں کامل ہیں حضورؐ سب سے بالا آپؐ کے فضل و کرم کی خوبیاں

آپؐ نے انسان کو معرفتِ نفس کے قابل بنایا۔ خود میں خدا کا جلوہ دکھایا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، علم و عقل کو نورانی بنایا۔ بندوں کو خدا سے ملایا۔

محبت الٰہی کی سرشاری اور انسانیت کو احساس درد عطا فرمایا۔ تعلق مع اللہ اور تخلق باخلاق اللہ کا پیام سنایا۔ یہ چند عنوانات جن میں آپؐ کے مظہر تکمیل نبوّت و رسالت ہونے کا جائزہ بخوبی لیا جا سکتا ہے لولاک لما خلقت الافلاک بھی اسی کمال نبوت کا ایک عنوان ہے۔

واحد راہِ فلاح

چمنِ انسانیت آپؐ کے نفسِ مقدسہ سے مہکا ہے رحمت و محبت کی ہوائیں آپؐ کے دامن سے عالم میں پھیلی ہیں، حقیقت ناشناس عارفِ اسرار آپؐ کے دم سے ہوئی ہیں، مشتِ خاک کو فروغِ وادیٔ سینا آپؐ کے صدقے نصیب ہوتا ہے۔ آپؐ کے فیضان اور بتلاتے ہوئے چلن ہی سے زندگی میں امن شائستگی سنہرے تمدن اور تحفظ کی فضائیں بنتی ہیں۔ جن میں زندگی میں مٹھاس محسوس ہونے لگتی ہے۔ مگر جب انسان آپؐ کے عطا کردہ چلن سے ہٹا ہے یا ہٹے گا، ماضی میں حال میں یا مستقبل میں، کسی بھی عہد میں، خواہ آپ اُسے زمانۂ جہالت کہیں یا اسے عہدِ ترقی کا نام دیں بہر حال وہ حیوانیت کی اتھاہ پستیوں اور تباہ کن گہرائیوں کی طرف لڑھکا ہے اور لڑھکے گا۔ یہی تاریخ کی شہادت ہے اور یہی اس کا پیغام صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ انسانیت کا انحصار اب صرف دینِ انسان کامل رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اور بس۔ انفرادی فلاح بھی، ملکی اور عالمی بھی اور دنیوی و اخروی بھی۔

انسان جب گمراہ ہوتے رہے ہیں تو حرمِ الٰہی میں بھی بت سجتے رہے ہیں۔ جب ذہن و فکر اسیرِ نفس ہوتے ہیں تو انسانوں نے حریمِ دل میں بت خانے بنائے ہیں۔ دل صنم آشنا ہو جاتے تو نمازوں میں بھی کچھ نہیں ملتا دلوں پر قفل پڑ جاتے ہیں، ہوس سینوں میں چھپ چھپ کر تصویریں بنالیتی ہے ——— فلاحِ انسانیت کا راستہ ایک ہی ہے۔

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

مظہر تکمیل نبوت و رسالت

* علامہ مرزا یوسف حسین

الحمد للہ علیٰ نوالہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہٖ : امابعد فقد قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ فی کتابہ المبین وھواصدق الصادقین وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین

خداوندِ عالم اپنے حبیب خاص حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے ارشاد فرماتا ہے کہ :

"ہم نے آپؐ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"

خدائے قدوس نے اپنے بندوں کو خلق کرنے سے پہلے ان کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا سامان مہیا نہ کر دیا ہو۔ بنی نوع انسان نے جب اس دنیا میں قدم رکھا تو مہمان خانہ عالم سجا ہوا تھا۔ فرشِ خاک بچھا ہوا، شامیانۂ فلک تنا ہوا، دن اور رات کے لئے شمس و قمر کے چراغ روشن ایک دن کو جگانے والا اور دوسرا رات کو سلانے والا، آسمان کو نیلگوں چھت پر ستارے اور سیارے قمقموں کی طرح آویزاں کہ مہمان گھبرا نہ جائیں، ہوائیں چل رہی تھیں، چشمے اُبل رہے تھے، دریا بہہ رہے تھے، نہریں جاری تھیں

* معروف عالم دین۔

سبزہ پھوٹ رہا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے درخت جھومنے لگے، کھیت لہلہانے لگے اب تو غذا کی کمی رہی نہ لباس کی۔ جس رحیم و کریم نے اپنے بندوں کی مادی زندگی کے لیئے یہ اہتمام فرمایا ہے کیونکہ ممکن تھا کہ وہ ان کی روحانیت کی بقا و فروغ اور اصلاح کے لیئے جو مقصد خلقت ہے انتظام نہ کرتا اس لیئے انسان کی خلقت کی ابتدا ہی ایک نبی کو جہاں بیک وقت معاش و معاد دونوں کے درس دیئے جا رہے تھے پھر اس نے ارشاد و ہدایت کے لیئے ایک سے بڑھ چڑھ کر رہبران دین مبعوث کرنے کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا اور یہ اہتمام کیا کہ کسی وقت بھی زمین حجت خدا سے خالی نہ رہے۔

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف کلام سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کلام کے ساتھ متکلم اور معلم موجود نہ ہو، اگر صرف کلام کافی ہو جاتا تو تورات و انجیل و زبور اور صحف وغیرہ کو کسی طریقہ سے نازل کر دینا ہی کافی ہو جاتا، انبیاء و مرسلین کو مبعوث کرنے کی ضرورت نہ ہوتی مگر قدرت کو ان کتب و صحف کے ساتھ ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث کرنا پڑے جنہیں قربانیوں پر قربانیاں دینا پڑیں، دشمنان دین کے مظالم برداشت کرنا پڑے۔ مگر انہوں نے اطاعت خداوندی کے نقشے بنا کے کی تصویریں کھینچ کر دم لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ خدائی احکام کا نمونہ وہی پیش کر سکتا ہے جو اتنا ہی پاک ہو جتنا خدا کا کلام پاک ہے، جس کے لیئے غلطی یا پس و پیش کا تصور ہی جرم ہو۔

مسلمانان عالم کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح قرآن عالمگیر کتاب اور اسلام عالمگیر مذہب ہے اسی طرح تاجدار دو جہاں کی نبوت عالمگیر ہے جو کسی جنس یا نوع یا صنف یا قوم یا ملک یا عالم سے مخصوص نہیں، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ہم نے آپؐ کو عالمین کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس لیئے عالمین کا کوئی حصہ نہیں جس پر آپؐ کی نبوت حاوی اور آپؐ کے احکام و فرامین جاری و ساری نہ ہوں۔

نہ اس میں زمان کی قید ہے نہ مکان کی نہ سابق کی نہ لاحق کی نہ ماضی کی نہ حال کی یا مستقبل کی۔ جب سے آپؐ کے نور کو وجود بخشا گیا آپؐ کو نبوت ہے اور رہے گی۔ جیسے عالم امکان آباد ہوا آپؐ کی اُمت ہے اور رہے گی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سارے عالم کے لئے صفات و کمالات الہٰی کا مظہر معرفتِ خدا کا وسیلہ اور طاعتِ خداوندی کا نمونہ تھے' اس لئے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ آپؐ کے فیوض و برکات سے کوئی مستفیض ہو اور کوئی محروم رہے ورنہ نبوت کی وسعت میں فرق آ جاتا۔ اس لئے سارے جہاں سے پہلے آپؐ کے نور کو خلق فرمانے کے بعد کبھی نوری مخلوق کی ہدایت و رہبری کے لئے لباس نور میں رکھا اور کبھی خاکی لباس پہنا کر سب پیغمبروں پر آخرین خاتم النبیین قرار دے کر مبعوث فرما دیا تاکہ ہر قسم کی مخلوق انہیں اپنے ہی لباس میں دیکھ کر بے جھجک ان سے فیضیاب ہوتی رہے۔

گزشتہ انبیاء کی شان یہ تھی کہ کوئی نبی یہ اعلان کر رہا تھا انی عبد اللہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی قرار دیا ہے۔ کبھی یہ اعلان کر رہے تھے کہ میں کوڑھیوں، نابیناؤں کو شفا دیتا ہوں اور مادر زاد مردے زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم گھر میں کیا کھاتے ہو اور کیا جمع کرتے ہو۔ اور میں مٹی سے پرندے بنا کر ان میں روح پھونکتا ہوں اور وہ پرواز کرنے لگتے ہیں۔ کسی نبی کے لئے خود اعلان فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں ایسا عصا سے نوازا ہے جو کبھی اژدہا بن کر جادو کے سانپوں کو کھا جاتا ہے۔ کبھی درخت بن کر پھل دیتا ہے کبھی پتھر پر مارتے تو بارہ چشمے جاری ہو جاتے اور بہتے ہوئے دریا پر مارتے تو آب جاری دونوں طرف دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا اور وہ اُمت سمیت دریان سے گزر جاتے۔ کسی نبی کے لئے اعلان فرماتا ہے کہ وہ جانوروں سے کلام کرتے اور ان کا تخت ہوا پر پرواز کرتا تھا اور کسی نبی کے لئے اعلان فرماتا ہے واتیناہ الحکمہ صبیا۔ ہم نے عالم طفلی ہی میں اپنا حکم انہیں عطا کر دیا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ سرتاج انبیاء باعثِ ایجادِ عالم ان کمالات سے محروم ہوں ہرگز نہیں' آپؐ ان کمالات سے کہیں زیادہ کمالات پر فائز رہے جس کے ثبوت میں صرف آپؐ کی معراج کافی ہے چنانچہ ایک ہزار سے زائد معجزات لوگوں کے دیکھنے میں آئے ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ خداوند ذوالجلال نے آپؐ کو ایسی کتاب مرحمت فرمائی ہے جو ہدایات و ارشاد کا غیر محدود سمندر ہونے کے علاوہ ایسی عدیم المثال کتاب ہے کہ فصحائے عرب جس کی ایک سطر کا جواب نہ لا سکے اور نہ کوئی قیامت تک لا سکتا ہے

مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گہوارہ میں اور حضرت یحییٰ ؑ کے بچپن میں درجہ نبوت پر فائز ہو جاتے ہیں مگر حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس کی عمر میں حکم ملتا ہے، کہ:

اقرا باسم ربک خدا کے نام سے پڑھو۔

کون کہہ سکتا ہے کہ وُہ چالیس برس سے قبل نبی نہیں تھے انہوں نے خود فرمایا ہے کنت نبیا و آدم بین الماء والطین جب آدمؑ کا پتلا ہی نہیں بنایا تھا کہ میں نبوت پر فائز تھا، البتہ اعلانِ نبوت کا حکم چالیس برس کی عمر میں ملا۔ مقصد یہ تھا کہ چالیس برس تک آپؐ کا کردار اتنا بلند اور عمل اس طرح حرف بحرف اسلام کے مطابق تھا کہ مشرکین بھی صادق اور امین تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں اور پوری مخالفت کے باوجود آپؐ کی پاکیزہ اور مقدس سیرت میں تلاش کرنے کے باوجود کوئی عیب نہ نکال سکیں اور تسلیم کرلیں کہ آپ کی حیات طیبہ بے داغ ہے۔

جب چالیس برس تک آپؐ کی زندگی کا ہر دور دیکھ لینے کے بعد آپؐ کی طہارت و پاکیزگی کا اعتراف کرلیں گے، اس کے بعد آپؐ اعلانِ نبوت فرمائیں گے تو اس کے بعد کفار و مشرکین انکار کے لئے کوئی عذر یا بہانہ نہیں کر سکیں گے، اس کے علاوہ یہ اصول قائم ہو جائے گا کہ دوسروں کو تبلیغ کرنے کا انہیں حق حاصل ہے جو پہلے خود عمل کر چکے ہوں۔

اس طرح آپؐ کی شہری زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا' ایک اعلانِ نبوت سے قبل جب اپنے پاکیزہ عمل سے تبلیغ فرماتے اور حسن و قبح کا معیار قائم کرتے رہے اور دوسرا دور اعلانِ نبوت کے بعد جس میں قول بھی تھا اور عمل بھی اور اعلانِ نبوت کے ساتھ پیغام الٰہی بھی۔

اعلانِ نبوت کے بعد اپنے ۱۳ سال مکہ معظمہ میں اُس وقت تک گزارے جب کفر والحاد کی سیاہ آندھیاں چل رہی تھیں بُت پرستی کا دور دورہ تھا، حلال و حرام میں کوئی امتیاز نہ تھا ہر بدکرداری پر فخر کیا جاتا تھا۔ قتل و غارت ہر روز کا مشغلہ تھا' حلال و حرام میں امتیاز نہ ہونے کے علاوہ کوئی جرم نہیں تھا' جس کا علانیہ ارتکاب نہ کیا جاتا ہو، پیغام نبوت سُنا تھا کہ پتھروں کی بارش شروع ہوگئی آپؐ پر کوڑا پھینکا جاتا رہا، راستہ میں کانٹوں کے فرش بچھائے جاتے رہے۔ نماز کی حالت میں آپ پر اونٹ کی اوجڑی رکھی جاتی رہی۔ آپؐ کو شاعر مجنوں، جادوگر کہا جاتا رہا۔ آپؐ کے اصحاب کے پاؤں میں رسی باندھ

کر پہاڑوں کے سنگلاخ دروں میں کھینچا جاتا رہا، حد یہ ہے کہ مکہ معظمہ کے گلی کوچوں سے آپ کا گزرنا بند کر دیا گیا بالآخر شہر میں آپ کا داخلہ ممنوع ہو گیا اور مجبور ہو کر حضرت ابوطالب نے آپ کو پہاڑ کی اس گھاٹی میں پناہ دی جسے شعب ابی طالب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہاں بھی ہر وقت قتل و غارت کا خطرہ رہا اور ابو طالب پہرہ دیتے رہے، آپؐ کے بستر پر علیؓ مرتضےٰ کو اور ان کے بستر پر آپؐ کو سلا دیتے رہے کہ اگر حملہ ہو جائے تو اپنا فرزند کام آ جائے مگر آپ محفوظ رہیں۔ حضرت ابوطالب کی رحلت کے بعد ایک عظیم سازش سے آپ کا قتل کرنے کا مشورہ ہو گیا اور قریش کے جوانوں نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو خبر دے کر مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم صادر فرما دیا۔

آپؐ ۱۳ برس تک امت کو درس توحید حلال و حرام میں امتیاز بدکرداری سے اجتناب کا درس دینے کے علاوہ یہ درس بھی دیتے رہے کہ اگر ملکی اقتدار دشمنوں کے ہاتھ میں ہو، وہ دنیاوی طاقتوں سے مسلح ہو کر دین الٰہی کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہوں، مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں پھر بھی اعلاء کلمۃ الحق کے لئے یہ پامردی اور استقلال ہونا چاہیئے جو میں نے کر کے دکھایا ہے سارے ملک کی دشمنی گوارا ہے مگر حق سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ورود مسعود ہوا تو مشرکین کے فوجی حملوں کا دور شروع ہو گیا اور بدر و احد و خندق وغیرہ غزوات کی نوبت آئی ان میں ہر جنگ کا مقصد دفاع تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ بدر احد خندق یہ تینوں عظیم جنگیں اس وقت ہوئیں جب دشمن سے سینکڑوں میل دور مدینہ منورہ کے دہانہ پر آ کر حملہ آور ہوئے۔ اس لئے اسلام اور مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ فرض تھا عین اس دور میں جب غزوات کا سلسلہ جاری تھا، وہ وقت بھی آیا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں تحریری معاہدہ کر کے ان ہی مشرکین سے صلح کر لی جو اب تک آپؐ کے خون کے پیاسے رہ چکے تھے۔

دس برس کی مدت میں احکام الٰہی کی قولی و عملی تبلیغ کے ساتھ ساتھ آپؐ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران کبھی دشمنوں سے جنگ کی اور کبھی صلح، امت کو یہ درس دینے کے لئے کہ نہ صرف جنگ اسلام ہے اور نہ صرف صلح بلکہ ہر ایک کا اپنا اپنا محل ہے۔ جب جنگ کا محل ہو تو جنگ اور

جب صلح کا محل ہو تو صلح لازم ہے۔ جنگ ان ہی سے ہوتی ہے جن سے کسی وقت صلح بھی ممکن ہو۔ اور صلح اُن سے ہوتی ہے جن سے جنگ رہی ہو اور پھر جنگ ہو سکتی ہے۔ اگر عہد شکنی کی جائے۔ دو فریقوں کے درمیان صلح خود اس کا ثبوت ہے کہ وہ ایک نہیں بلکہ دو ہیں' اگر صلح حدیبیہ نہ ہوتی تو جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا انہیں اعتراض کے لئے راہ مل جاتی اس سے قبل تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں اسلام کی جو تبلیغ ہوتی رہی اور جس کی برکت سے مدینہ کے رہنے والے اوس اور خزرج مشرف بہ اسلام ہو گئے اس وقت کونسی تلوار چلتی رہی البتہ جو تلوار چلتی رہی وہ تعلیم و اخلاق کی تلوار تھی جس نے باطل کو کاٹ کر رکھ دیا، حدیبیہ کی صلح نے اس اصول یعنی امن کو پھر دہرایا جس کے نتیجہ میں مکہ معظمہ جنگ کے بغیر فتح ہو گیا اور وہاں کی ساری دنیا مسلمان ہو گئی۔ اسلام میں جنگ بھی جائز ہے اور صلح بھی بشرطیکہ مقصد حصول امن ہو۔

حضور ختمی المرتبت نے اپنے اس مختصر دور میں ہر شعبۂ حیات کے لئے لتنے نمونے پیش کر دیئے جو قیامت تک ہر شعبۂ زندگی کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتے رہیں گے۔

دشمنانِ اسلام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حضورؐ کے ازواج کی کثرت نفسانی خواہشات پر مبنی تھی حالانکہ ہر تاریخ اس پر متفق ہے کہ آپؐ کا پہلا عقد حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ہوا جب آپ کی عمر ۲۵ سال اور ان کی عمر ۴۰ سال تھی ۲۵ برس کی عمر سے ۵۰ برس کی عمر تک جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں آپؐ نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا' اُنکی رحلت کے بعد آپؐ نے ام المومنین سودہؓ سے جو بیوہ تھیں اور ام المومنین حضرت عائشہ سے عقد کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپؐ نے سب عقد بیواؤں سے کئے بلوغ کے بعد ۲۵ برس تک کوئی عقد نہ کرنا جب کہ عرب میں ۱۴ سال سے پہلے ہی جوان ہو جاتے ہیں اور آپؐ کی رگوں میں ہاشمی خون بھی دوڑ رہا تھا۔ پھر ۲۵ برس کی عمر میں ۴۰ برس کی زوجہ سے ان کو ۶۵ سال کی عمر تک نباہ دینا اور دوسرا عقد نہ کرنا اس کا ثبوت ہے کہ آپؐ کا ہر عقد حکمت پر مبنی تھا، چنانچہ پچاس برس کی عمر کے بعد صرف ایک کے سوا بیواؤں سے عقد کرنے کے بعد کوئی کور باطن بھی کہہ سکتا ہے کہ آپؐ کے عقد خواہشات نفسانی پر مبنی تھے۔

آپؐ کا مقصد اُمّت کو درس دینا تھا کہ اگر زوجیت کا انتظام نہ ہو سکے تو لیل صابر و شاکر اور پاک دامن رہو جیسے مجھے دیکھا ہے اگر سن رسیدہ زوجہ سے عقد کی نوبت آئے مگر وہ صالح اور تبلیغ اور قربانی میں برابر کی شرکت ہو تو اس طرح قناعت کرو جیسے ہم نے کی۔ اور مختلف گھروں خاندانوں قبیلوں میں مخصوص راسلامی اخلاق کی تبلیغ کا وقت آیا تو متعدد خاندانوں میں اس لئے رشتے کیے گئے کہ ان کے ذریعہ ان کے قبیلوں میں اسلامی اخلاق اور دین حق کی تبلیغ ہوتی رہے اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ قبائلی اختلافات ختم ہو گئے' وحدتِ ملی نے جنم لیا اور جو خاندان برسرِ پیکار تھے انہیں بھی سر جھکانا پڑا جیسا کہ آپؐ نے مرحب کی بہن صفیہ بنت حی بن اخطب اور اُم حبیبہؓ بنت ابو سفیانؓ سے بھی عقد فرمایا تھا' بحضرت بیواؤں سے عقد کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ بیواؤں کی معزز پرورش کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ حالانکہ یہ لازم نہیں ہے کہ ہر ایک کا مزاج' اخلاق و عادات بالکل ایک جیسی ہوں مگر آپؐ نے ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا ایسا عادلانہ برتاؤ کیا کہ کسی کو بھی آخری سانس تک آپؐ کے خلاف شکایت کا موقع نہ مل سکا۔

یہ ہے رحمۃ للعالمین کی وہ مقدس اور پاکیزہ سیرت اور عالمگیر شخصیت اور خلق عظیم جس نے سارے عالم کے سر آپؐ کے آگے جھکا دیئے جو اقوام آپؐ کو نبی تسلیم نہیں کرتیں وہ بھی آپؐ کے خلاف زبان پر حرفِ شکایت لانے کی جرأت نہیں کرتیں' خلاق عالم کے ایسے مظہر کامل ثابت ہوئے کہ قدرت نے ساری کائنات میں سے چُن کر اپنے اس عدیم المثال مخلوق کو اپنا محبوب بنا لیا۔ خود حضرت عبدالمطلب کے ذریعے آپؐ کا نام محمدؐ رکھا اور حضرت آمنہ کے ذریعے احمدؐ رکھوایا مگر کبھی نام لیکر خطاب نہیں کیا جب خطاب کیا یا اُیہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المزمل یا ایہا المدثر، طٰہٰ یٰسٓ کہہ کر مخاطب فرمایا۔ اور حکم دے دیا کہ ہمارے رسول کا نام لے کر اس طرح نہ پکارو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، دیکھو کبھی تمہاری آواز ان کی آواز پر بلند نہ ہونے پاتے۔ اُن کا قول ہمارا قول ان کا فعل ہمارا فعل اُن کی بیعت ہماری بیعت جو ان کی اطاعت کرے وہی ہمارا تابعدار ہے' بیشک میں صاحب ایمان کو جنت میں داخل کروں گا مگر اے رسولؐ آپ کو اتنا دوں گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے ہر اختلاف کا فیصلہ آپؐ سے نہ کرا لے۔ اور جو فیصلہ آپؐ کر دیں اُسے سر جھکا کر تسلیم نہ کرے۔

جب قرآن کریم جیسی کامل کتاب نازل ہو چکی، اسلام جیسا کامل دین آچکا، رسول اسلام جیسا کامل رسول تشریف لا چکا تو اب اس کے بعد نہ کسی کتاب کی ضرورت رہی نہ کسی نئے دین کی اور نہ کسی نبی یا رسول کی۔ آپ کی تعلیمات ہر ملک ہر قوم اور ہر اہل زبان کے لئے کامل و مکمل قابل عمل بھی اور واجب العمل بھی، آپ کی نبوت کی حدیں قیامت تک جا ملتی ہیں خداوند عالم ہمیں معرفت کے ساتھ ساتھ آپ کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اقوام عالم کے محسن صلی اللہ علیہ وسلم

★ مولانا سید حبیب الرحمان بخاری

آج سے چودہ سو سال قبل اس محسن نے اقوام عالم کو متحد کرنے کے لئے اُن کے سامنے ایک نظریۂ حیات پیش فرمایا جس کی دُنیا کو اشد ضرورت تھی۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کو تو مانتی ہیں۔ لیکن رب العالمین تسلیم نہیں کرتیں۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا یقین کرتی ہے اور اپنے سوا کسی کو اپنا محبوب نہیں مانتی اور نہ ہی کسی دوسری قوم کو اپنے برابر تسلیم کرتی ہیں بلکہ ان سے نفرت رکھتی ہے۔ قرآن کریم میں ایسے نظریات رکھنے والوں کا تعارف کروایا گیا۔

وقالوا نحن ابناء اللہ واحباءہ

اور وہ کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں:

وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا

اور وہ کہتے ہیں یہودیوں کے سوا دوسری کوئی قوم جنت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انگریزی ڈکشنری میں لفظ GENTILE (جنٹائل) کے نیچے لکھا ہے کہ یہودی غیر یہودیوں کو جنٹائل کہتے

★ رکن ذیلی رویت ہلال کمیٹی اسلام آباد و خطیب جامع مسجد اہلحدیث راولپنڈی

ہیں جس کے معنی بے دین، لا مذہب ہیں۔ ان کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ دوسروں کو پلید کتے اور سؤر کے برابر یقین کرتے ہیں اور یہ حالت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا گیا کہ وہ اپنے شاگردوں کو تلقین کرتے ہیں کہ یہودیوں کے سوا دوسری قوموں کو تبلیغ نہ کرنا اور اپنی پاک چیز کتوں کو نہ دینا اور اپنے موتی سؤروں کے سامنے نہ ڈالنا (متی ۷/۶) اور انہوں نے ایک کنعانی عورت کی درخواست اس لئے مسترد کر دی کہ وہ غیر یہودی تھی ہمزید برآں انہوں نے اس کو کتوں سے تشبیہہ دی (متی ۱۵/۱۲) اور کہا بچوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جاتی (متی ۷/۶) یہی نظریات عیسائیوں کے علاوہ ہندوؤں کے ہاں بھی سرایت کئے ہوئے ہیں، غرض قوموں نے جو اس طرح کی ذہنیت سے دنیا میں منافرت اور تنازعات برپا کر رکھے تھے۔ ان کو دور کرنے کا اہم اور مشکل کام محسن انسانیت کے سامنے تھا۔ جب تک ان تعصبات کو دور نہ کیا جائے قوموں کو متحد کرنا امر محال ہے، اس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ قوموں کے قلوب و عقول میں انقلاب برپا کیا جائے انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ذہنوں کو منور نہ کیا جائے۔ مصلح اعظم نے اس کام کی ابتدا اس تلقین سے فرمائی کہ خدا کسی خاص قوم کا خدا نہیں بلکہ وہ رب العالمین ہے یعنی سب قوموں کو اس نے پیدا فرمایا ہے اور وہی سب کے لئے نشو ونما کے سامان مہیا کرتا ہے۔ آپؐ نے یہ حقیقت سب پر عیاں کر دی کہ تمہارا مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ الٰھنا والٰھکم اللہ واحد ۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اور ہم سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں جس سے ثابت ہوا کہ ہم سب کے سب خدا کا ایک بڑا کنبہ ہیں اور ایک ہی قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اعلان کیا۔ یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ ۔ اے انسانو تم سب ایک باپ کی اولاد ہو اور تمہارا رب ایک ہے۔ اس کا خوف پیدا کرو۔ ایک دوسرے سے محبت و ہمدردی اختیار کرو، تمہارے لئے یہ روا نہیں کہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہوئے بدامنی اور فساد برپا کرتے پھرو ـــــ اور فرمایا کان الناس امۃ واحدۃ تم سب کے سب انسان ایک ہی قوم ہو۔

اسی طرح اپنے الفاظ میں کہا المخلوق عیال اللہ تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے ۔ اور حان احبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ یعنی خدا کا پیارا وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع رساں ہو۔

پھر فرمایا ۔ اللھم ربنا و رب کل شیٔ انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ

اے ہمارے مولیٰ! جو ساری کائنات کا رب ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں ۔

یہ وہ نظریات ہیں جو دلوں کو منور کر کے تعصب اور تنگ نظری کی تاریکیوں کو زائل کر دیتے ہیں اور یہی نظریات حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اقوام عالم کا محسن ثابت کرتے ہیں۔ انہی تعلیمات کے پیش نظر آپؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں اقوام عالم کی راہنمائی کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض

یعنی اے لوگو تم سب کی طرف میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں، جس خدا کی حکومت آسمانوں اور زمین پر ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا

وہ ذات سرچشمۂ برکات ہے جس نے قرآن حکیم جیسی کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام اقوام عالم کو تلقین کرے کہ معصیت الٰہی کو ترک کر کے اس کی رضا کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔ آپؐ نے انسانوں کو خالق کائنات کے عطا کردہ شرف سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔

ولقد کرمنا بنی آدم

ہم نے پوری اولاد آدم کو قابلِ تعظیم و تکریم پیدا کیا ہے۔ سب کی عزت و احترام کرو، کسی کو حقیر مت سمجھو۔ یہ ارشاد جہاں انسانیت کے پسماندہ حصہ کو بلند مقام عطا کرتا ہے۔ وہ متکبر انسانوں کے لئے ایک تازیانہ ہے۔ آقا یا غلام ہو، امیر ہو یا غریب، عالم ہو یا جاہل، مغربی ہو یا مشرقی، کالا ہو یا سفید سب قابلِ تکریم ہیں۔ مختصر یہ جس مخلوق پر انسان کا لفظ اطلاق پاتا ہو۔ وہ قابل عزت و احترام ہے۔

ان نظریات کا ماحصل یہ ہے کہ خالق السماوات والارض کی وحدانیت و ربوبیت پر ایمان لاؤ اور وحدت انسانیت پر یقین رکھتے ہوئے حقیقی معنوں میں خدا کا ایک بڑا کنبہ بن کر رہو، جس میں اخوت و مروت ہو جس میں ایک دوسرے کے لئے جذبہ محبت و ہمدردی ہو تاکہ دنیا میں امن و امان کی فضا پیدا ہو۔ حضرات گرامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منشأ خداوندی کے مطابق اسلام کو بین الاقوامی دین کی حیثیت سے پیش فرمایا جس سے دنیا کی ہر قوم فیض یاب ہو سکتی ہے۔

آپؐ نے ایک بڑی قوم کو دعوت پیش کرتے ہوئے پوری انسانیت کو اشتراک و اتحاد کا فارمولہ پیش فرمایا۔ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئاً و لا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ۔ ط (۳-۶۴)

اے اہلِ کتاب آؤ ہم مل کر ایک خدا کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں اور نہ ہی انسانوں کو خدا ٹھہرائیں ۔ ہر حقیقت پسند، دانشمند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم اقدام کی قدر کرے گا۔ اس لئے کہ اس سے حقیقی یگانگت اور باہمی ہمدردی اور حسن سلوک کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، آپؐ نے جہاں یہ دعوت یہود و نصاریٰ کے سامنے رکھی، وہاں اس دعوت کو مراسلات کے ذریعے کسریٰ شاہ ایران ہرقل شاہ روم مقوقس شاہ مصر اور نجاشی شاہ حبشہ کو پیش فرمائی، جس کا شاہ مصر اور شاہ شام اور شاہ حبشہ پر نہایت اچھا اثر ہوا، چنانچہ آپؐ کے سفیروں سے انہوں نے نہایت اچھا سلوک کیا، آپؐ کی تعلیمات کو سراہا، اور ادب و احترام کے جذبات کا اظہار کیا۔ شاہ مصر نے حضور کی خدمت میں عمدہ تحائف بھیجے، نجاشی شاہ حبشہ اس حد تک متاثر ہوئے کہ انہوں نے اعلانیہ اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان مراسلات کا اہل مشرق و اہلِ مغرب نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے ـــ یہ اہم تاریخی حقائق و شواہد ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اقوام عالم کو ایک دین پر قائم کرنے اور ان کو متحد کرنے کا ولولہ کس حد تک موجزن تھا۔ آپؐ کو یقین تھا کہ اس مقصد کو حاصل کر لینے کے بعد دنیا میں حقیقی اخوت قائم ہو سکتی ہے اور ایسا کرنے سے ہی قائم و دائم رہنے والا امن ظہور میں آسکتا ہے۔

اس فکر کو کامیاب بنانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ کیا، اور اعلان فرمایا کہ غیر مسلم کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا یہ عہد ہے کہ اس کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ اس پر اتنی تاکید فرمائی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم المرتبت خلیفہ نے اس کی پابندی میں انتہائی خدا خوفی سے کام لیا اور اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ان الفاظ سے وصیت کی۔

اوصیہ بذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ ان یوفی لھم بعھدھم و ان یقاتل من ورآءھم و ان لا یکلفوا فوق طاقتھم

یعنی میں اپنے جانشین کو غیر مسلموں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے، اس عہد کو پورا کیا جائے۔ ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ

کام نہ لیا جائے ۔ آپ نے مزید برآں غیر مسلم کی رعایت و بہبود کے لئے ڈرا دینے والے الفاظ میں تنبیہ کی

مَنْ قتل معاهدا لم یرح رائحة الجنة

جو مسلمان غیر مسلم معاہد کو قتل کر دے گا وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔

اہل یورپ اور دیگر سامراجی قومیں جو اپنے آپ کو مہذب قوموں میں شمار کرتے ہیں. اس مقدس تاریخ پر غور کریں اور پیغمبر اسلام کی طرزِ حکومت سے راہنمائی حاصل کریں جنہوں نے بلند پایہ عدل و انصاف قائم کیا اور مسلم اور غیر مسلم کے مساوی حقوق قائم کئے بلکہ غیر مسلم کے لئے خصوصی مراعات نافذ فرمائیں۔

یہاں مصری عیسائی رعایا کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن ارشادات کا پیش کرنا ضرور مفید ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔

ستفتحون مصر استوصوا باھلھا خیرا فان لھم ذمۃ ورحماً

تم عنقریب مصر کو فتح کر لو گے۔ اہل مصر سے بھلائی کا سلوک کرنا کیونکہ وہ اسلامی سلطنت کی رعایا ہونے کے باعث ہمارے معاہد قرار دیئے جائیں گے اور اس عظیم المرتبت خاتون حضرت ہاجرہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے رشتہ کا احترام کیا جائے جو مصری تھیں اور ہماری قوم کی دادی اماں تھیں، اس ارشاد نبوی پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جو فاتح مصر اور گورنر مصر تھے پورا پورا عمل کیا. انہوں نے عیسائی قوم اور کنعانی غلاموں کو وہی حقوق عطا کئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے. اس عزت و احترام بھری رعایت نے عیسائی رعایا کے دلوں میں حقیقی امن و اطمینان پیدا کیا۔

ان کو ایک واقعہ نے اس سے بھی زیادہ متاثر کیا کہ مسلمان گورنر کے صاحبزادے نے سر بازار ایک عیسائی قبطی کو زدوکوب کیا، حضرت عمر فاروقؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو سخت برہم ہوئے اور عمر بن عاصؓ اور ان کے فرزند کو طلب کیا اور صاحبزادے کو پبلک میں سزا دی اور گورنر کو ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔

منذ کم تعبدتم الناس الذین ولدتھم امھاتھم احراراً

یعنی تم نے کب سے یہ استبداد کی راہ اختیار کر رکھی ہے کہ ان لوگوں کو غلام بنا کر رکھو جن کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے۔

اس عدل گستری سے اہل مصر ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے، ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ مصر کے حاکم کا صاحبزادہ ایک عیسائی قبطی کی خاطر سزا پائے گا۔ وہ متعجب تھے کہ ایک غیر مسلم کی دادرسی کے لئے گورنر اور اس کا صاحبزادہ دونوں مصر سے مدینہ طیبہ میں طلب کئے جاتے ہیں۔ اسلامی انصاف نے یہ پروا نہ کی کہ مصر سے مدینہ میں گورنر کی طلبی اس کی انتہائی ذلت کا باعث ہو گی۔

اس لاجواب عدل نے اہل مصر کو تعلیمات نبوی کا شیدائی بنا دیا، وہ دل سے وفادار رعایا بن گئے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔ اہل عرب کی بولی اپنا لی اور اسلامی تمدن اختیار کر لیا اور جو لوگ عیسائیت پر قائم رہے انہوں نے محسوس کیا کہ ہماری مذہبی آزادی اور ہماری طرز زندگی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جا رہی ہے؛ انہوں نے مشاہدہ کیا کہ ان کے راہب مرد، راہبہ عورتیں اپنی اپنی خانقاہوں میں ہر طرح سے آزاد اور ہر طرح سے محفوظ ہیں۔ اسی طرح جب رہبر کامل مصلح اعظم نے محسوس کیا کہ بعض قومیں نسلی تعصبات کا شکار ہو کر دوسری اقوام کو فطری اور پیدائشی طور پر گنہگار اور فروتر سمجھتی ہیں جو عالمگیر اخوت کے لئے رکاوٹ اور احترام انسانیت کے سراسر خلاف ہے۔ ایسی ذہنیت رکھنے والوں کا ابتدا میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

آپؐ نے اس غلط ذہنیت کا شافی علاج فرمایا۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط

اے آدم کے فرزندو! تمہیں علم ہے، خدا نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، پھر ضروریات پیش آمدہ کے باعث تم زمین میں مختلف حصوں میں پھیل گئے اور جغرافیائی اور موسمی اختلافات کی وجہ سے تم علیحدہ علیحدہ قبائل کی شکل میں زندگی بسر کرنے لگے۔ پہاڑی اور میدانی علاقہ جات میں بسنے والوں کی عادات مختلف ہو گئیں۔ سمندروں اور ساحلوں اور براعظموں کے وسط میں بسنے والوں کے خصائل میں اختلاف ہو گیا۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے موسموں نے رنگ کا اختلاف پیدا کر دیا اور اسی طرح ان کی بولیاں بھی مختلف ہو گئیں۔ لیکن یاد رکھو تم سب آدم کے بیٹے ہو اور یاد رکھو تم سب کی فطرت ایک ہے۔ جلد کے مختلف رنگوں اور بولی کے اختلاف کے باوجود انسان کے ذہنی قویٰ اور اس کی فطرت یکساں ہے یہ اختلافات فطرت انسانی کی وحدت پر اثر پذیر نہیں ہو سکتے۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ

یعنی خدا کی عطا کردہ فطرت انسانی ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو کوئی ماحول تبدیل نہیں کر سکتا۔ رہا فضیلت کا سوال یاد رکھو فضیلت کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والا قانون یہ ہے ۔

انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم

سب سے مکرم فرد اور سب سے مکرم قوم وہ ہے جو خدا کی نگاہ میں سب سے زیادہ خدا خوف اور سب سے زیادہ اس کی مخلوق سے محبت رکھتی ہے۔ نہ اس کا مغربی ہونا فضیلت کا موجب ہے اور نہ عربی عجمی ہونا موجب فخر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریہ نہایت معقول اور ہمہ گیر ہے۔ وہ پیغمبر جس کو دنیا کی تمام اقوام کی اصلاح و تربیت کے لئے بھیجا گیا، اس نے اس غیر معقول اور غیر مفید ذہنیت کی اصلاح کے لئے بھی فرمایا۔

لا یسخر قوم من قوم

کوئی قوم دوسری قوم کو حقیر سمجھ کر اس کا تمسخر نہ اڑائے۔

عسٰی ان یکونوا خیرا منہم

ہو سکتا ہے کہ جن سے نفرت کی جاتی ہے وہ نفرت کرنے والوں سے بہتر ہوں۔

حجۃ الوداع کے جامع خطبہ میں دیگر امور کے علاوہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شمع نبوی کے گرد ایک لاکھ بیس ہزار پروانوں کے اجتماع میں اعلان فرمایا۔

لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لاسود علی احمر و لا لاحمر علی اسود الا بالتقویٰ

کسی عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی اور کالے کو سرخ اور سرخ کو کالے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت صرف خدا خوفی اور نیک اعمال اختیار کرنے سے ہوتی ہے اس کے سوا اور کوئی فضیلت کا معیار نہیں یہی نظریہ ہمہ گیر ہے۔ یہ وہ عرفان و معرفت سے معمور نظریہ ہے جس کی زمانہ حال کی ہر قوم کو اشد ضرورت ہے آج اقوام عالم کے دل و دماغ اس روشنی سے نا آشنا ہیں اور بعض قومیں دوسری کمزور قوموں پر اپنے بے جا تکبّر و نخوت سے ظلم کرنا اپنا حق سمجھتی ہیں۔ ان کے اموال پر بے جا تصرف کرنے اور ان کے حقوق کو پائمال کرنے سے دریغ نہیں کرتیں۔ ہٹلر نے یہ آواز بلند کی کہ جرمن قوم سب قوموں سے برتر و اعلیٰ ہے۔ اس نظریہ سے سرشار ہو کر اس نے اپنی قوم کو گمراہ کر رکھا تھا جس کا نتیجہ بھیانک تباہی کے رنگ میں ظاہر ہوا جس کی

لرزہ خیز تفصیلات سے لوگ خوب واقف ہیں۔ اسی طرح یورپین اقوام پر بھی نیشنلزم کا بھوت سوار ہے۔ یہ لوگ کسی دوسری قوم کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اہلِ امریکہ کہنے کو جمہوریت کا وظیفہ پڑھتے اور امریکہ کو خُدا کی دھرتی بیان کرتے ہیں لیکن کروڑوں حبشی جو مدت ہائے دراز سے براعظم امریکہ کے نیشنل قرار دیئے جا چکے ہیں اور ان کا اکثر حصہ عیسائی مذہب اختیار کر چکا ہے اہلِ امریکہ کے حقارت آمیز سلوک سے نالاں ہیں؛ وہاں کُتّے سے بدتر سلوک حبشیوں سے روا رکھا جاتا ہے۔ ان کا ہیجان ایک طوفان کی صورت اختیار کر رہا ہے — یہ حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ وہ نظریہ جس کی تلقین مصلح اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کی تھی موجودہ زمانے کے حالات متقاضی ہیں کہ اس تعلیم پر عمل کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

مظہر تکمیل نبوّت و رسالت

* قاضی نور الحق ندوی

روئے زمین پر انسان کے آباد ہونے کی ابتدا تخلیق آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ قرآن کریم نے اس ابتدا کا نقشہ کئی مقامات پر مختلف اسالیب بیان میں پیش کیا ہے، ان میں سے پہلا مقام سورۃ البقرہ رکوع چہارم ہے آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

" اور وہ وقت یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں، وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہاتے گا۔ درایں حالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں، اللہ نے فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

" اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو نام سکھلادئے کل کے کل پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا بتلاؤ ان کے نام اگر تم سچے ہو وہ بولے تو پاک ذات ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی جو تم نے ہمیں علم دے دیا بے شک تو ہی بڑا علم والا ، حکمت والا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے آدم بتلادو انہیں ان کے نام پھر جب

* سابق ڈین و صدر شعبہ علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی

انہوں نے انہیں ان کے نام بتلا دیئے تو فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہوں۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھکو تو وہ سب جھکے مگر ابلیس نہ جھکا اس نے انکار کیا اور تکبر میں آگیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

"اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اس درخت کے باعث اور جس جنت میں اور آرام میں تھے اس سے انہیں نکلوا دیا اور ہم نے کہا (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر اور تمہارے لئے زمین ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک نفع اٹھانا ہے۔"

"پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ (توبہ کے) الفاظ لے لئے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی وہ تو ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان (اور) ہم نے حکم دیا کہ ہم سب اس (جنت) سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے (اور ضرور پہنچے گی) تو جو کوئی پیروی میری ہدایت پر کرے گا سو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔"

ان آیات میں چند نکات قابل غور ہیں

اولیں یہ کہ انسان کو شرف کے ایک بلند ترین منصب کے لئے چنا گیا ہے۔

اس بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے لئے اوصاف کمال کا نہ صرف پایا جانا بلکہ سرتا سر مجسمۂ کمال بننا مناسب ہے مگر فرشتے اس طینت میں ایک نقص محسوس کرتے ہیں اور اسے منبع فساد سفک دماء تصور کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے کے ارشاد سے ان کے اس تصور کو نفی نہیں کی کہ انسان میں فساد یا سفک دماء کا مادہ پایا جاتا ہے بلکہ اس کے دوسرے اوصافِ کمال کی طرف اشارہ کر کے اتنا سمجھا دیا کہ یہ اوصاف جس قوت غضبیہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ اس قوت کو اگر قوائے خیر کے تابع بنایا جائے تو یہی قوت باعثِ خیر بن جاتی ہے اور انسان کی

خلافت کا راز اس میں مضمر ہے کہ اس میں متضاد قویٰ کی سرایت کے باوجود ایک قوت حاکمہ و حکیمہ کے ان قویٰ میں باہم توازن اور اعتدال قائم رکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

بلاشبہ انسان کی صفات میں بڑا تنوع اور نہ صرف تنوع بلکہ تضاد پایا جاتا ہے وہ ایک طرف بہت عاجز اور بے بس ہے اور دوسری طرف پوری طاقت اور توانائی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ ہر طرف سے محتاج ہے مگر تونگری اور دولت کی طرف آگے بڑھ کر اس کی پرستش کرتا ہے وہ ہر لحاظ سے فانی ہے اور پھر بھی بقائے دوام کا خواہش مند ہے اور اس تضاد کی وجہ یہ ہے کہ وہ شجاع اور حوصلہ مند ہے اور اپنے ان قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس میں ودیعت رکھے ہیں استعمال میں لاکر آگے بڑھے جانے سے دریغ نہیں کرتا اس لئے اس کے اوصاف کا یہ تضاد ہی اس کی حوصلہ افزائی اور استعداد ترقی کی بہ موجب اسے خلافت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

قابلِ توجہ دوسرا نکتہ ان آیات میں یہ ہے کہ انسان جہاں ایک مقصدِ عالی کی طرف حوصلہ مند قدم اٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے وہاں اس میں یہ کمزوری بھی پائی جاتی ہے کہ دشمن (ابلیس) کے بہکاوے میں آکر اس کے قدم پھسل بھی جاتے ہیں اور اپنے مقام شرف سے نیچے بھی اتر جاتا ہے۔ ابلیس لعین اس کی ان تمنیات اور خواہشات کو جو ایک مقام بلند اور بقائے دوام سے متعلق انسان میں پائے جاتے ہیں، آلۂ کار بنا کر اسے ایسے افعال و اعمال پر آمادہ کر دیتا ہے جس کا نتیجہ عزت و شرف کے مقابلہ میں ذلت و رسوائی اور بقا کے مقابلہ میں فنا و زوال نکلتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان نے بارگاہِ الٰہی میں کہا تھا:

لاضلنہم ولامنینھم (النساء ۴ : ۱۱۹) : میں انہیں گمراہ کر کے رہوں گا اور ان میں ہوس پیدا کر کے رہوں گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

یعدھم ویمنیھم وما یعدھم الشیطان الا غرورا

یعنی شیطان ان سے وعدے ہی کرتا اور ہوسیں ہی دلاتا رہتا ہے اور شیطان ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے کرتا ہے۔

اس بناء پر انسان اپنے لئے از خود جو بھی راہ متعین کرے گا وہ خطرہ سے خالی نہ ہو گی. زندگی کی ان پر خطر بھول بھلیوں سے نکالنے کے لئے اور اسے واضح شاہراہ پر ڈالنے کے لئے اسے ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے. جس میں شیطان کے بہکاوے اور فریب نفس کا کوئی خطرہ نہ ہو.

یہی وہ تیسرا نکتہ ہے جو ان آیات میں پایا جاتا ہے کہ نیابت و خلافت کے مقصد عظیم کی طرف آگے بڑھنے اور شاہراہِ زندگی پر عزم و اعتماد کے ساتھ قدم اٹھانے کے لئے اُسے جس راہنمائی کی ضرورت ہے وہ خود اُسے اپنے خالق کی طرف سے ملے گی.

نیابت و خلافت کا مقصد تب ہی پورا ہو سکے گا جب انسان اللہ تعالےٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت کی رہنمائی میں چلے گا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا،

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ

تمہاری طرف میری ہدایت آئے گی اور ضرور آئے گی) تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدبختی کا شکار ہو گا.

راہ راست کو کبھی انسان بھولے سے چھوڑ دیتا ہے وہ گمراہ ہے اور کبھی جان بوجھ کر چھوڑتا ہے وہ شقی ہے ان دونوں محرومیوں سے بچنے کے لئے مسلمان کو سورۂ فاتحہ کی دعا کے ذریعے یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ منعم علیہم کے صراط مستقیم پر چلنے اور ضالین اور مغضوب علیہم کی راہ سے بچنے کی دُعا اپنے پروردگار سے مانگتا ہے

الغرض روئے زمین پر آباد ہو جانے کے بعد انسان مسلسل دوراہے پر رہا اُس کی فطری سرشت اسے اپنے مقامِ شرف کی دعوت دیتی رہی اور جبلت کا ایک حیوانی جزو الیبار ہا جو اُسے قعر مذلت میں دھکیلتا رہا. ابلیس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ اس کی بہیمی اور سبعی جبلت اس پر غالب رہے اور وہ اپنے بلند مقام کی طرف قدم نہ بڑھا سکے اس کے مقابلہ پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے وہ ہدایت اس کے پاس پہنچتی رہی جو اس مقام پر فائز ہونے کے لئے اس کی تربیت کرتی رہی جہاں وہ مسجود ملائک بنا تھا.

اللہ تعالےٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کو یہ ہدایت انبیائے کرام کی وساطت سے مسلسل آتی رہی ان انبیائے کرام کا تذکرہ قرآن کریم میں اجمالاً بھی ہوا مثلاً،

ولکل قوم هاد (سورۃ الرعد ۔۔) ہر قوم کے لئے رہنما گزرا ہے۔

ولکل امۃ رسول (یونس ۔۔۴۷) ہر امت کے پاس ایک رسول آیا ہے۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا (النحل) اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا۔

رسلا مبشرین ومنذرین (النساء: ۱۶۵) ایسے رسول بھیجے جو نیک کرداروں کو بشارت دینے والے اور بد کرداروں کو ڈر سنانے والے ہوا کرتے تھے۔

بعض انبیاء کے نام بھی آئے اگرچہ ان کی قوموں اور ان کی تعلیمات کا خصوصی تذکرہ نہیں ہوا۔ مثلاً:۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح و النبیین من بعدہٖ واوحینا الی ابراھیم و اسمٰعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسٰی وایوب ویونس وھارون و سلیمان واتینا داوٗد زبورا ورسلا قد قصصناھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسٰی تکلیما۔ (النساء ۱۶۳ - ۱۶۴)

یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ اور عیسیٰؑ، ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر (بھی) وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو ایک صحیفہ دیا تھا اور دوسرے پیغامبروں پر کہ ان کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور ایسے پیغمبروں پر بھی کہ ان کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا۔

کچھ اولوالعزم پیغمبر وہ ہیں جن کی تعلیمات کا تذکرہ قرآن کریم نے خصوصی طور پر قدرے تفصیل کے ساتھ اور بار بار بیان فرمایا یعنی حضرت نوحؑ ۔ حضرت ھودؑ ۔ حضرت صالحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت لوطؑ ، حضرت شعیبؑ ، حضرت موسیٰؑ وہارونؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔

ان پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ اپنی اقوام کو ان بنیادی عقائد اور اعمال اور اساس اونچے کردار کی تلقین کرتے رہے جن کے طفیل انسانیت کو عموماً اور منتخب افراد کو خصوصاً شرف کے

اس بلند منصب پر استقرار نصیب ہوتا ہے۔ جس کے لئے نوعِ انسان کی تخلیق ہوئی تھی۔ پیغمبر اپنی اقوام کو اپنی خالق و مالک کے ساتھ مضبوط رشتہ جوڑنے، توحید خالص پر عقیدہ رکھنے، ہر قسم کے شرک سے مجتنب رہنے اور ایک خدائے واحد کی پرستش کرنے کی تعلیم دیا کرتے تھے - ان کا پیغام یہ تھا کہ انسان خلق عظیم میں اعلےٰ مثالی کردار ادا کرے اور صدق، امامت، عفت اور عدل و انصاف کی راہ اختیار کرے وہ غیر متوازن طبقاتی تفاوت کو ختم کرنے کی تلقین کرتے رہے اور انصاف اور مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کر کے عالم انسانیت میں اخوت اور ایثار و مواساۃ کا رابطہ استوار کرنیکی تعلیم دیتے رہے

ان انبیائے کرام میں سے حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ اجمالاً کرنا مناسب ہوگا تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ وہ اپنے معاشرہ میں کس قسم کی تبدیلی لانا چاہتے تھے اور کس عادلانہ نظام کے بروئے کار لانے کے لئے ہمہ تن جدوجہد کرتے اور ہر نوع کی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے وہ انسان کے قلب و نظر میں کیا انقلاب لانا چاہتے تھے اور کس عادلانہ نظام کے بروئے کار لانے کے لئے ہمہ تن جدوجہد کرتے اور ہر نوع کی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے وہ انسان کے قلب و نظر میں کیا انقلاب لانا چاہتے تھے اور معاشرہ کے ہر فرد کو اپنا حق دلانے کیلئے اور کمزور کو ظالم کی زبردستی سے بچانے کیلئے کس قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ وہ اولوالعزم پیغمبر تھے جنہوں نے راہ حق میں جدوجہد کر کے روئے زمین پر اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر مبنی نظام قائم کرنے کے لئے اپنے وطن اپنے اعزا و اقربا اور اپنا مال و متاع سب کچھ چھوڑ کر ایک دور ملک کی طرف ہجرت کرنے کی رسم جاری کر دی۔

ان سے پہلے کے انبیاء کرام کا طریق کار یہ رہا تھا کہ وہ اپنی قوم میں رہ کر فریضۂ تبشیر و انذار بجالایا کرتے تھے اور جب قوم پر اتمام حجت ہو جاتا تھا اور وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم مقدر عذاب آجاتے تھے اور نبی اور ان کے چند متبعین کے سوا باقی قوم ہلاک ہو جاتی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کے عہد سے یہ نیا طریق کار جاری ہوا کہ نبی ہجرت کر کے اپنے لئے جدوجہد کا دوسرا میدان اختیار کرتے اور نئے ماحول میں آبیاری کر کے مشیت ربانی کے مطابق ایک صالح معاشرہ کی تاسیس کرے

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حضرت ابراہیمؑ کا مولد و منشا عراق کی سرزمین ہے۔ وہ یہاں کے شہر اُور میں آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے ۲۱۶۰ ق م میں پیدا ہوئے۔ اس مقام سے جو آثار قدیمہ کھدائی

کر کے حاصل ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ اپنی دوسری ہمعصر اقوام سے زیادہ تعلیم یافتہ تھے اور جو گھریلو سازو سامان دستیاب ہوا ہے وہ یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ علم ہندسہ کے اچھے ماہر ہونے کے علاوہ زندگی کے طور و اطوار میں خاصے ترقی یافتہ تھے۔

اس مادی ترقی کے علی الرغم دینی لحاظ سے اس قوم کی حالت قابلِ رحم تھی وہ اپنے خالق سے باغی تھے۔ شمس و قمر اور اجرام فلکی کے علاوہ اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے بتوں اور مجسموں کی پرستش کرتے تھے۔ ملک کا شہنشاہ بھی ان معبودوں کے جھرمٹ میں ایک معبود کے طور پر شامل ہو کر فوق الفطرة حیثیت حاصل کر چکا تھا۔

خدا کا باغی بن کر بادشاہ اور اس کے حواریوں کا طبقہ من مانی کارروائی کرتا تھا اور فساد اخلاق اور جبر و ظلم کی وجہ سے معاشرہ میں فساد پھیل چکا تھا اور لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ تھا جو طبقہ دین کے نام پر لوگوں پر مسلط تھا وہ بھی بادشاہ وقت اور اس کے حواریوں کے غیر منصفانہ طرز عمل اور ان کے بیداد میں ان کا ہمنوا تھا اور جب کسی ملک کے مقتدر طبقہ کو ظلم و عدوان میں اس کے حاملینِ مذہب و اخلاق کی تائید حاصل ہو جاتی ہے تو اس ملک کی بدقسمتی اپنی آخری حدود تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اسی خاندان میں پیدا ہوئے تھے جو دین کے نام پر ظلم و بیداد کی ہمنوائی کر رہا تھا یہ خاندان بتوں کی خدائی کے نام پر لوگوں پر مسلط تھا اور بادشاہ کو بھی خدائی کا دعویٰ تھا ان جھوٹے خداؤں اور پروہتوں کی باہمی مصالحت اور سازش نے معاشرہ کو دین، اخلاقی اور معاشرتی فساد میں جکڑ دیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ماحول کے خلاف انقلابی نعرہ بلند کیا وہ اللہ کا فرستادہ صاحب عزم پیغمبر تھا۔ عزم و حوصلہ کے ساتھ باطل کے خلاف کھڑا ہوا اس نے بادشاہ کے جھوٹے دعویٰ کی مخالفت کی اپنے خاندان کے جھوٹے ادعا کی مخالفت کی ان کے باطل عقیدہ کو سرِعام چیلنج کر کے بادشاہ کی اور بتوں کی بے بسی واضح کر دی اللہ تعالےٰ کی تائید ان کے شامل حال تھی۔ اور بادشاہ اور قوم نے ہر چند چاہا کہ ان کی حق گوئی اور دعوتِ توحید کی پاداش میں ان کو ہلاک کر دیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے مکر و تدبیر اور ان کے ظلم و عدوان سے حضرت ابراہیمؑ کو محفوظ رکھا۔ تاہم قوم اپنے ضلال پر اڑی رہی اور جب حضرت

ابراہیمؑ قوم کو راہ راست پر لانے سے مایوس ہوگئے تو ایک نئے عزم کے ساتھ اس وقت کے متمدن دنیا کے دوسرے گوشوں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں حق کی آواز بلند کرکے توحید الٰہی کی بنیادیں استوار کیں۔

اس پیغمبرانہ جدوجہد کا نتیجہ یہ تھا کہ آج دنیا ان اقوام کے عمل اور معاشرہ سے ناواقف ہے جن کی مخالفت حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ کا نام ہر طرف عزت و احترام سے لیا جاتا ہے اور ان کا جاری کردہ نظام پھل پھول کر کئی اقوام کے تمدن کی بنیاد بن چکا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے پیہم آنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات وہدایات میں ضرورت وحالات کے مطابق تبدیلی بھی ہوتی رہی۔ انبیاء آتے، لوگوں کو خدا کی راہ پر چلنے کی دعوت دیتے۔ کچھ عرصہ تک ان کی تعلیم اپنی اصلی شکل وصورت میں رہتی، مگر ان کے جانے کے بعد لوگ حسب عادت پھر راہ راست سے بھٹک جاتے برائیاں کرتے، اپنی خود ساختہ باتیں خدا کی طرف منسوب کرنے لگتے، قرآن مجید نے اس تغیر حال اور تحریف کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے اور اس کے نتائج بد سے خبردار کیا ہے۔

آخر کار انسانیت کے اس طویل سفر میں وہ مقام آپہنچا، جہاں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ انسانی ذہن وفکر کی پختگی اور سفر حیات کے نشیب وفراز سے واقفیت کے حصول کے بعد تمام بنی نوع انسانی کے لئے ایک دائمی رسول بھیجا جائے " وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا " ہم نے آپ کو تمام نوع انسانی کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔

یہ آخری اور دائمی پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ سب سے آخر میں تشریف لائے اور آپ پر ہی نبوت کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا اور انبیاء کو بھیجنے والے خالق کائنات نے اعلان کر دیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس آخری پیغمبر کو جو کتاب دی گئی وہ آخری صحیفۂ آسمانی ہونے کی وجہ سے تمام گزشتہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات کا محافظ اور نگہبان قرار پایا۔ ارشاد ہوا۔

"وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ"

اور ہم نے تجھ پر حق کے ساتھ ایک ایسی کتاب اتاری جو پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی اور ان کی تعلیمات پر نگہبان ہے۔

قرآن مجید کے محفوظ اور غیر محرّف ہونے کا سب کو اعتراف ہے اس آخری صحیفۂ آسمانی کا دعویٰ ہے کہ اس کی حیثیت دوسری آسمانی کتابوں کے لئے کسوٹی کی سی ہے، ان سابقہ کتب آسمانی کا دعویٰ ہے کہ اس کے معیار پر پورا اترا وہ صحیح اور محفوظ اور جو اس کے معیار پر پورا اترا نہ سکا وہ غیر محفوظ اور محرّف ہے اس دعویٰ کی وضاحت کے لئے تین باتیں پیش نظر ہونی چاہیئے۔

(۱) اول یہ کہ دین کے اصول وکلیات تمام آسمانی کتب میں مشترک ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں سے ثابت ہے

(۲) دوسری بات یہ کہ قرآن مجید سے پہلے تمام آسمانی صحیفے وقتی تھے، اپنے اپنے زمانہ اور وقت کے لئے آئے تھے اور اسی لئے وہ اس خاص وقت تک محفوظ رہے ان تمام آسمانی صحیفوں میں سے کسی نے بھی دائمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے کہ وہ دائمی تھے ہی نہیں۔

(۳) تیسری بات یہ کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ وہ آخری، کامل اور دائمی صحیفہ ہے۔

ان تین باتوں کو تسلیم کرنے کے بعد اس دعویٰ کی صداقت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ قرآن مجید تمام سابقہ کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والی اور تمام کتابوں کی اصلی تعلیمات کا محافظ ونگہبان ہے۔ ان تمام کتابوں کی صحت کے لئے وہ سند کی حیثیت رکھتا ہے ان کتابوں کا جو حصہ قرآن مجید کے مطابق ہے وہ صحیح اور محفوظ ہے اور جو حصہ قرآن مجید سے مختلف ہے وہ غیر محفوظ و محرّف ہے۔

خدا کی اس آخری کتاب قرآن مجید اور اس کے لانے والے آخری پیغمبر کے بعد اب نئے پیغامبر اور نئے پیغام کی ضرورت باقی نہ رہی، قیامت تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت دنیا کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

انبیا علیہم السلام نے اپنی دعوت و تبلیغ کا موضوع انسان کو بنایا اور وہ بنی آدم کی اصلاح و تربیت میں مشغول رہے اور انبیاء کی تعلیم سے یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ،

" اس دنیا کی قسمت انسان کے طرزِ عمل سے وابستہ ہے"

اگر انسان نے پیغمبروں کی رہنمائی قبول کی اور اپنے طرزِ عمل کو اس سانچے میں ڈھال دیا تو دنیا سنور گئی اور اگر انسان بگڑا، ناکارہ ہوا تو دنیا کی قسمت بگڑ گئی اور تباہی و بربادی اس کی قسمت بنی۔

اپنے اپنے زمانہ میں ہر نبی نے انسان کی اصلاح و تربیت کی کوشش کی تاکہ نیک اور صالح افراد پیدا ہو کر وہ رفاہی معاشرہ بروئے کار لایا جا سکے جو ان انبیائے کرام کی بعثت کا اصلی مقصد تھا۔ تمام انبیاءؑ اس اسلامی سوسائٹی کی تشکیل کے لئے سرگرم عمل رہے جس میں انسان مطمئن اور خوش ہو اور اس کی جان و مال اور آبرو و عزت محفوظ ہو اور انبیائے کرام کی تاریخ انسان کی اخلاقی صحت و فساد کی مسلسل تاریخ ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ انسان سازی کے اس نیک کام میں سب سے روشن اور حیرت انگیز کارنامہ اللہ تعالےٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے انسان سازی کے کام میں جو کامیابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی وہ اولاد آدم میں کسی دوسرے بشیر کو نصیب نہیں ہوئی۔

آپؐ نے ایسے باصلاحیت، متقی، فرض شناس، بہادر اور پاک نفس انسان پیدا کیے، جن میں سے ہر ایک فرد انسانیت عزت و عظمت کے لئے باعث صد افتخار ہے۔ ان کا عدل و انصاف، حق پرستی، حسن انتظام اور حسن معاملہ، حکمرانی کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔

نبوت محمدیؐ کا یہ کارنامہ اس نے انسانیت کی خدمت کے لئے ایسے افراد تیار کیے، جن کی عظمت کی گواہی تاریخ دیتی ہے۔۔

حضرات! ان کی تعمیری صلاحیتوں کے بارے میں عہد حاضر کا متقی اور عظیم مسلمان مفکر حضرت ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ سنیئے، لکھتے ہیں کہ:۔

وہ ایک ایسا انسانی وجود تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد اوصاف و کمالات پیدا کر دیئے تھے۔ یہ فرد جب تیار ہو گیا تو یہ بندگی کے ہر محاذ پر کارآمد، مستعد اور قیمتی ثابت ہوا اور جو خدمت اس کے

سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت و صلاحیت اور اپنی فرض شناسی اور احساس ذمہ داری اور اپنے ذوق عمل اور جذبۂ خدمت کا ثبوت دیا اس کو اگر فیصلہ اور ثالثی کا کام سپرد کیا گیا وہ بہترین قاضی اور لائق ترین جج ثابت ہوا جس نے ترازو کے تول فیصلہ کیا وہ اگر فوجوں کا سپہ سالار اور قائد مقرر ہوا تو اس نے اپنی جنگی قابلیت، بیدار مغزی اور شجاعت اور مرحمت کا ثبوت دیا اگر فوجوں کی قیادت کے منصب علیا سے معزول کر دیا گیا تو اس کی پیشانی پر ناراضگی کی ایک شکن اور اس کی زبان پر شکایت کا ایک حرف نہیں آیا اور لوگوں نے اس کی مستعدی اور جوش و نشاط میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا اگر وہ نوکروں کا آقا اور محکمہ کا افسر تھا تو ایک فراخ دل اور شفیق آقا اور ایک خیر خواہ اور محبت کرنے والا بزرگ اور اگر وہ مزدور اور اجیر تھا تو ایک فرض شناس و مستعد مزدور تھا جس کو اپنی مزدوری کے اضافہ سے زیادہ کام کے اضافہ کی فکر تھی وہ اگر فقیر تھا تو فقیر صابر و قانع اور اگر غنی شاکر اور محسن وہ اگر عالم تھا تو علم کو عام کرنے اور لوگوں کو خدا کا راستہ بتلانے کا حریص اور اپنے علم کی تقسیم میں فیاض اور اگر طالب علم تھا تو علم صحیح کے حصول کا شائق اور اس کو اعلےٰ درجہ کی عبادت سمجھ کر اس کی طلب میں منہمک اور اس کے لئے بڑی سے بڑی محنت اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے والا تھا اور وہ اگر کسی شہر کا حاکم تو راتوں کا پہرہ دینے والا اور دن کو انصاف کرنے والا تھا غرضیکہ یہ فرد انسانی معاشرہ کے جس مقام اور جس محاذ پر تھا نگینہ کی طرح جڑا ہوا تھا"

دنیا کی سب سے زیادہ خطرناک ذمہ داری (حکومت) جب اس کے سپرد ہوئی تو اس نے زہد و فقر اور ایثار و قربانی، جفاکشی اور سادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا محوِ حیرت رہ گئی اور ساری انسانی تاریخ اس کی مثال پیش نہ کر سکی۔

حضرات! جو کچھ کہا اور لکھا گیا اس میں مبالغہ آمیزی قطعاً نہیں اگر کوئی انصاف پسند شخص نبوت محمدیہ کے مدرسہ سے تربیت پا کر نکلنے والے صحابۂ کرام کی سیرت اور ان کے کردار کے مختلف پہلو اور ان کے حسن اخلاق کے کارنامے، جو تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، جمع کریں تو آپ کے سامنے ایک کامل انسان یعنی مرد مومن کی زندگی کی تصویر تیار ہو جائے گی۔ ایسی ہی ایک تصویر حکیم الامت حضرت علامہ اقبال (خدا ان کی قبر پر اپنی رحمت کے پھول برسائے) نے سمجھ کر تیار کی ہے، آپ بھی اس تصویر کو دیکھ کر اپنے یقین کو تازہ کر لیجئے کہتے ہیں :۔

خاکی و نوری نہاد بندہ مولیٰ صفات — اس کے فسانے عجیب اس کے فسانے غریب
ہر دو جہان سے غنی اس کا دل بے نیاز — عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل

اب یہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا ذکرِ خیر ہوا وہ تیار کیسے ہوئے ان کی تربیت کے لئے کونسا طریقۂ کار استعمال کیا گیا وہ کونسا حسین و جمیل سانچہ تھا جس میں ڈھل کر خدا کی ایسی بے مثال مخلوق تیار ہو کر نکلی۔

حضرات! ان پراسرار عجیب و غریب انسانوں کی تربیت کا طریقہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کے سلسلہ میں ایک حیرت انگیز کام یہ کیا کہ ان صحابۂ اکرام کے دلوں میں ان دو بنیادی حقیقتوں پر یقین و ایمان پیدا کر دیا جو عقل انسانی کی گرفت سے ماوراء اور ان کے ادراک سے بالاتر تھا، ان کے دلوں میں ایک خدا کا یقین اور روزِ آخرت پر ایمان پیدا کر دیا اس ایمان و ایقان نے صحابہ کی کایا پلٹ دی ان کے قلب و ضمیر کو ایمان کے قبضہ میں کر دیا اور ان کو صحیح معنوں میں خلیفہ بنا کر چھوڑا۔ خدا کی ساری دنیا ان کی تھی اور وہ خدا کے جبکہ اس وقت دنیا اس ایمان و یقین کی نعمت سے محروم تھی نبوت محمدی نے ان کو اس نعمت سے نوازا۔

حضرات! جن لوگوں کی انسانی تاریخ پر نظر ہے اور جو قوموں کے عروج و زوال کے فلسفہ سے آشنا ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان سازی کے لئے ایمان و یقین کی طاقت سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں۔ صالح، حق پرست، ہمدرد اور انصاف پسند افراد پیدا کرنے کا صرف یہی ایک سیدھا راستہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خدا پر ایمان مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین اور نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مستحکم و مضبوط ایمان اس ایمان و یقین کے پیدا ہونے سے انسان بدل جاتا ہے اس کا ضمیر و ذہن بدل جاتا ہے اور ذہنیت کے بدل جانے سے انسانی مزاج بدلتا ہے اور بالآخر مزاج کی تبدیلی نظام حیات کی تبدیلی پر منتج ہوتی ہے ایمان و عقیدہ ہی سے حقیقی انسانیت پیدا ہوتی ہے جب یہ صحیح انسانیت پیدا ہو جاتی ہے تو صرف اس وقت انسان انسانیت کی خدمت کے قابل ہو جاتا ہے اس راہ کی مشکلات کو بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں اور اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ اپنے

مفاد اور ذاتی منفعت اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر خدا بندوں کی خدمت کرتے ہیں۔ نبوت محمدی کی تعلیم سے ایسے ہی افراد تیار ہوتے تھے۔

ان افراد کی بابت بیان کرنے کے لئے بے شمار مثالیں موجود ہیں مگر طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال بیان کرنے پر اکتفا کروں گا تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ ایمان و یقین پیدا ہونے کے بعد کس قسم کے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو ایران اور رومن ایمپائر کی دو زبردست طاقت ور شہنشاہیوں کے عظیم فاتح تھے ان کے زمانہ خلافت میں قحط پڑا تو انہوں نے اپنے اوپر اچھی غذا حرام کر لی وہ سرخ و سفید تھے لیکن تیل کھاتے کھاتے ان کے چہرے کا رنگ سانولا ہو گیا لوگوں کی تکلیف میں برابر کے شریک رہے اور جب ایک مرتبہ بیت المال کے خادم نے اس سامان خوراک کے اٹھانے کی اجازت مانگی جو خود حضرت کسی حاجت مند کی اعانت کے لئے اٹھا کر لے جا رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

"کیا تم قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اٹھا کر لے جاؤ گے"

خدا اور آخرت پر پختہ یقین نے ان کے دلوں کو انسانی ہمدردی کے جذبہ سے بھر دیا تھا

حضرات ! میں بات مختصر کر دیتا ہوں ہماری خوش بختی ہے کہ ہمارے زمانہ میں وہ عظیم اور بے مثال تاریخی واقعہ رونما ہوا ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ خدا کے نام پر اس کی تعلیمات کو اساس حیات بنا کر ایک اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی ہے تاکہ اس میں وہ رفاہی معاشرہ بروئے کار لایا جا سکے جس کے قیام کا حکم خدا اور اس کا آخری پیغمبر دیتے ہیں۔

ایسے معاشرہ کو پیدا کرنے کے لئے خدا اور روز آخرت کے جزاو سزا اور محمد رسول اللہ کی رسالت و نبوت پر پختہ ایمان لانا ضروری ہے وہ پختہ ایمان و یقین خدا اور آخرت پر کیسے پیدا کیا جائے یہ آپ جیسے اصحاب علم و فکر کا کام ہے اور اس بارے میں آپ ہی کو قوم کی رہنمائی اور قیادت کرنا ہے

خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو ۔ آمین

---

۱۲) اسلامی معاشرہ کا قیام -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضورِ اکرمؐ اور اسلامی ریاست کی تشکیل

* سید اسعد گیلانی

حضور اکرمؐ نے تاریخِ انسانیت کی ۲۳ سالہ قلیل ترین مُدت میں جو عظیم الشان انقلاب برپا کیا وُہ اپنی نوعیت کیفیت اور نتائج کے اعتبار سے اتنا حیران کُن ہے کہ اس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں موجود نہیں۔ جب ہم اس انقلاب کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں تو حقیقتاً اس کے سوا کسی دوسرے انقلاب پر لفظ انقلاب کا اطلاق ہی دُرست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات کہی جائے کہ اب تک انسانیت کی تاریخ صرف ایک ہی حقیقی انقلاب سے آشنا ہے تو یہ کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں ہے اور نہ ہی اس کا انکار آسان ہے۔ اس لئے کہ اب تک دنیا میں انقلاب کا مفہوم صرف اس قدر سمجھا جاتا ہے کہ انسانوں پر غالب اور مُسلط پہلے اقتدار کو بے دخل کر کے ایک دُوسرا اقتدار اُن پر مُسلط کر دیا جائے۔ یہ کام جس قدر اچانک ہو اور اس میں جس قدر خُون خرابہ ہو اسی قدر بڑا انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ فساد فی الارض، ہلاکتِ انسانی، ضیاعِ جان و مال و عزت و آبرُو انسانی بستیوں کی بربادی اور ظالموں کے ایک گروہ کے بعد ظالموں کے ہی کسی دوسرے گروہ کے مُسلط ہو جانے سے انسانیت کی قسمت میں وہ کون سا تغیر واقع ہو جاتا ہے جس کی بنا پر اُسے انقلاب کہا جا سکے۔

معروف دینی دانشور

البتہ ایک ایسی جدوجہد جس کے نتیجے میں پرانا بداخلاق اور بد کردار انسان یکسر ایک نئے پابندِ اخلاق انسان کا روپ دھارے۔ قدیم رسموں اور عصبیتوں کا مارا ہوا اور اخلاقی خرابیوں میں ملوث انسانی معاشرے سارے بوجھ آتار کر سیدھا سارا خدا پرست شریف اور پابندِ اخلاق معاشرہ بن جائے۔ جس میں خدا ترسی، ہمدردی، اخوت، مساوات، مسئولیت آخرت کی جوابدہی، نیکی اور خیر خواہی کی قدریں جاگزیں ہو جائیں۔ ظالم اور جابر حکام کی بجائے خداترس اور نیک حکام کا ٹھنڈا سایہ انسانوں کو میسر آجائے اور جانبدارانہ خداترسانہ اور رحم دلانہ قوانین انسانوں میں رائج ہو جائیں۔ تو اس کو حقیقی طور پر انقلاب کہا جا سکتا ہے۔ پھر جب یہ بات معلوم ہو کہ یہ کام صرف ۲۳ سال کی مختصر مدت میں ہوگیا تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر جب مزید یہ پتہ چلے کہ یہ سب کچھ پُرامن طور پر بلا خون خرابے کے ہوا اور ۲۷ غزوات اور ۵۴ سرایا میں صرف چند سو انسان دو طرفہ کام آئے تو انسانی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس ساری انقلابی جدوجہد کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بے ساختہ یہ بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر تاریخ انسانی میں کوئی حقیقی انقلاب برپا ہوا ہے تو فقط یہی انقلاب ہے باقی جو کچھ ہے وہ ساری کشمکشِ اقتدار اور خون خرابہ کی داستان ہے۔

ظاہر ہے کہ اس جدوجہد کا تجزیہ کرتے ہوئے اگر اتنی سی بات کہہ کر خاموشی اختیار کرلی جائے کہ حضور اکرمؐ ایک اولوالعزم رسول تھے۔ آپؐ کو مکمل تائیدِ الٰہی حاصل تھی اور خدا کی کامل قدرت نے یہ انقلاب رونما فرمایا تو بلاشبہ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے لیکن اس حقیقت کے چند دوسرے پہلو بھی غور طلب ہیں۔

(۱) یہ دین کامل اور آخری ہے اور ساری انسانیت کی فلاح اسی میں مضمر ہے اس کے بعد دوسرا کوئی دین نہ آنا ہے اور نہ اس کا نمونہ انسانیت کے سامنے پیش ہونا ہے اس لئے کامل علم اور کامل عمل کے ساتھ دنیا کو اس کے نمونے کی حقیقی ضرورت ہے عام انسان کا حق ہے کہ نظریئے کے ساتھ نمونہ بھی طلب کرے۔

(۲) خلق خدا کو اس دین کی طرف دعوت دینے کے لئے اس کا عملی نمونہ خلق خدا کے سامنے رکھنا مسلمانوں کا دینی فرض ہے ورنہ محض کتابی علم سے خلق خدا صداقت کی حلاوت کو نہیں پاسکتی۔ حضور اکرمؐ نے بھی خلق خدا کے سامنے جب اس نظام کا عملی نمونہ پیش فرمایا تو اسی وقت

یدخلون فی دین اللہ افواجا

کا منظر سامنے آسکا تھا۔ اس کے قیام سے پہلے تو مزاحمت مناقشت اور مخالفت ہی تھی۔ اس لئے حضورؐ ہی کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس دین کا عملی نمونہ غیر مسلم دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ دوسرے نظاموں سے بیزار دنیا اس کی خوبیاں عملی زندگی میں دیکھ کر اسے قبول کر سکے۔

(۳) مسلمان خود بھی دین اسلام کے تمام احکام پر قدم بہ قدم عمل پیرا ہوں اور اس کے نظریات کی دل و جان سے اطاعت کریں۔ ظاہر ہے کہ جب تک اسلام کے سارے احکام نافذ نہ ہوں، خود مسلمان کی اپنی زندگی بھی چند عبادات کے اندر ہی گردش کرتی رہتی ہے اور کامل اسلامی زندگی نہیں بن سکتی۔ معاملات، معاشیات، سیاسیات سماجیات اور وسیع تر اخلاقیات کا دائرہ اسلام کی گرفت سے باہر کسی دوسرے ہی نظام کا پابند رہتا ہے جو مسلمان کے لئے کسی صورت مناسب نہیں ہے۔

(۴) مسلمانوں کا ایمان ہے کہ خود اسلام اپنے سارے پہلوؤں کے ساتھ ایک قابلِ عمل نظام زندگی ہے۔ اس کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر دور میں بالکل سائنٹیفک انداز میں پورے طور پر برپا اور نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ انسانوں کے لئے قابل عمل نہ ہوتا تو اللہ تعالٰے انسانوں کے لئے کوئی دوسرا قابلِ عمل دین لازماً بھیجتا اور اسے خاتم الادیان قرار نہ دیتا۔ اس لئے کہ دین انسانوں کے لئے ضرورت ہے اور ہر دور میں انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالٰے کمال ربوبیت سے اپنا دین

انبیاء کی معرفت بھیجتا رہا ہے۔ دین زندگی کا عمل ہے یہ صرف مدرسوں میں پڑھنے اور وعظوں میں بیان کرنے کے لئے ہی نہیں ہوتا۔ اسلام کا آخری نظامِ زندگی اور خاتم الادیان ہونا، حضور اکرمؐ کا خاتم النبیین ہونا اور مسلمانوں کا خاتم الامم ہونا خود اس بات پر گواہ ہے کہ اسلام اب ساری دنیا کا دین ہے اور ساری انسانیت کے مسائلِ زندگی اب اسی کے ذریعے حل کئے جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اور رسول اکرمؐ نے اپنی سعیٔ تبلیغ سے دینِ اسلام کو کامل طور پر نافذ فرمایا اور اسکے ذریعے انسانوں کی زندگی کے سارے مسائل حل کر کے دکھائے اور پھر اسے جاری و ساری غالب و نافذ اور رواں دواں حالت میں ہی دنیا کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے حوالے کیا اب مسلمان حوادثِ زمانہ اور اپنی کوتاہیوں کے سبب اسے قائم و نافذ نہ رکھ سکیں تو یہ ان کا قصور ہے اور پھر انہیں کا فرض ہے کہ اسے دوبارہ نافذ کر کے دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ آخری دین، کامل صورت میں دنیا کے سامنے آئے اور ہر شخص اسلام کا وعظ ہی نہ سنے بلکہ اسے چلتا ہوا اور لوگوں کے مسائل حل کرتا ہوا بھی دیکھ لے۔

جب اسلام کے نفاذ کا مسئلہ آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی سیاست و نظمِ مملکت، تدبیر و تدبّر اور کشمکش و جہاد کے مسائل بھی سامنے آجاتے ہیں۔ پھر جونہی سیاست کا لفظ سامنے آتا ہے بعض لوگ جن کی طبیعتیں ملوکیت کے طویل دور نے متاثر کر دی ہیں وہ سیاست کے اندر دنیاداری مکّاری، چالبازی، طلبِ اقتدار کرسی کی طمع، منصب کی ہوس اور جاہ پرستی، عیش طلبی اور حکومت خواہی کے مفہوم ڈال ڈال کر پہلے تو ایسے شخص کو مطعون کرتے ہیں اور پھر اسے خداترسی آخرت طلبی، توکل، دنیا سے بے رغبتی، فقر و درویشی اور خودنگری و خداترسی، کی نصیحتیں کر کے اس کے نام نہاد سیاسی ذہن کو دینی ذہن بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش کے باوجود بھی اگر کوئی ضد کرے کہ یہ کام مسلمانوں کا فرض ہے اور انہیں ضرور سرانجام دینا چاہیئے تو

پھر اسے صحابہ کرام کا گستاخ قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس گستاخی کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ گویا جو کام صرف صحابہ کرام نے سرانجام دیا تھا اس گستاخ کے نزدیک وہ کام ہر کہ دمہ سرانجام دے سکتا ہے گویا ایسا شخص صحابہ کرام کی انفرادیت اور فوقیت کو مجروح کرتا ہے اگر کوئی کمالِ ادب سے اللہ کا یہ حکم بیان کرے کہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

تو اس کے جواب میں حکم خداوندی کے لئے پورے احترام کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ نبیوں کے کرنے کا یہ کام آخر اور کس کے بس میں ہے گویا یہاں پہنچ کر کوئی غیر محسوس نفسیاتی اور تاریخی مجبوری ہے جو دامن تھام لیتی ہے۔ چنانچہ صدیوں سے اب صورتحال یہ بن گئی ہے کہ اسلام کے کامل نظامِ زندگی کو از سرِ نو برپا کرنے کی ہر چھوٹی بڑی کوشش کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر کے یہود و ہنود کو سامنے آنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ مسلمانوں کے اندر کے حدود و قیود ہی کافی ثابت ہوتے ہیں اگر کوئی دل کڑا کر کے اور کانوں میں انگلیاں دیکر اس نظام اسلامی کی عمارت کی ضرورت کا احساس کر کے صرف زمین ہی صاف کرنے لگے تو اس پر اس قدر لعن طعن اور ملامت کی بوچھاڑ کی جاتی ہے کہ وہ ساری عمر ان کانٹوں سے الجھنے اور نبٹنے میں ہی گزار دیتا ہے جو اس کے چاروں طرف بکھیر دیئے جاتے ہیں۔ مدت دراز سے اب اسلام کی کشتی تاریخی دھارے کی اس دلدل میں پھنسی ہوئی ہے جو دلدل مسلمانوں نے خود ہی اپنے باطل زدہ ذہنوں سے تیار کرلی ہے اور جس میں وہ خود بھی پھنسے ہوئے ہیں۔

اسلام جو زندگی کی وحدت کا علم لے کر اٹھا تھا جس کی دعوت کے حسن نے ساری دنیا کو مسحور و مسخر کرلیا تھا۔ زندگی کی اسی وحدت کو اب دین سیاست کے دو خانوں میں نہایت شدت و قوت کے ساتھ تقسیم کردیا گیا ہے جو دین دار ہے اسے سیاست سے کیا سروکار ہے جو گویا ایک خالص دین دارانہ اور مکارانہ کاروبار ہے اور جو سیاست دان ہے اسے دین داری اور شرافت و دیانت سے کیا کام ہے گویا وہ تو خالص دہریہ۔ لالچی۔ مکار اور بے ایمان ہے۔ اب دین دار کا کیا کام ہے کہ وہ سیاست کے کوچے کا رخ کرے اور سیاست دان کو کیا مجبوری ہے کہ وہ بڑھاپے۔

سے پہلے دین داری اختیار کر کے اپنی دنیا تباہ کرے۔ غرض ان تصورات نے اسلام کو نیم رہبانیت کا دین بنا دیا ہے اور غیر مسلموں سے زیادہ خود مسلمانوں کی محدود دینداری ہی کامل اسلام کا راستہ روکنے کے لئے کافی ہے۔

یورپ نے تو مغربی سیکولر تہذیب کو بہت مدت بعد اپنی موجودہ شکل میں وضع کیا اور اس کے لئے یونان و روم کے ملحد معاشروں سے تصورات اخذ کئے۔ کچھ انہوں نے پادریوں کے وضع کردہ کلیسائی نظام سے بھی تنگ آ کر لادینی اور بے دینی کا راستہ اختیار کر لیا۔ لیکن مسلمانوں میں تو خلافت کے بعد ملوکیت کے اجرا کے سبب دین و دنیا کی تقسیم دورِ ملوکیت سے ہی شروع ہو گئی تھی اور علماء حق کے وقتاً فوقتاً احقاق حق اور ابطالِ باطل کے باوجود عام مسلمان معاشرہ بتدریج اس روش پر ڈھال دیا گیا تھا کہ وہ فقہی اور مذہبی مسائل کے لئے علماء کرام سے اور دنیوی مسائل اور ضروریات کے لئے اپنے ملوک و حکام کی طرف رجوع کرے۔ حضور اکرمؐ نے تو دین و دنیا کو یکجا فرمایا تھا اور دنیا کو اس طرح استعمال کرنے کی تعلیم دی تھی جس طرح دین سکھاتا ہے اور یہی کامل دین تھا لیکن اس کے انہدام کے بعد پھر دین کی قیادت علماء و صوفیاء کرام اور دنیا کی قیادت ملوک و حکام کے پاس چلی گئی۔ اس تقسیم قیادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بُرے لوگوں کے سیاست میں مسلسل انہماک سے سیاست کا مفہوم ہی بُرائی بن کر رہ گیا حالانکہ اسی سیاست کو کبھی حضور اکرمؐ نے محراب و منبر سے باندھ دیا تھا اور حضورؐ اور آپ کے خلفائے راشدین بھی سیاست سے ہی امور دنیا سرانجام دیتے تھے۔ انہوں نے مقدمات کے فیصلے کئے، جہاد کئے، سلطنتوں سے معاہدات کئے۔ مختلف سلطنتوں کی طرف سفیر بھیجے اور ان کے سفیروں کا استقبال کیا۔ چونکہ سیاست کاروبار دنیا کے بہت بڑے حصے کو کنٹرول کرتی ہے اس لئے خلقِ خدا کے بہت سے کام اسی سے وابستہ ہوتے ہیں نتیجۃً اگر سیاست پر بُرے لوگ مسلط ہوں تو لوگ ان کے مرہونِ منت ہوں گے اور ان جیسے بن جائیں گے گویا تبلیغ دین کے لئے بھی امورِ دنیا پر دین کا قبضہ نہایت ضروری ہے۔

اسلام جو کامل نظام زندگی ہے اس کی توحید کے ذریعے ہی حضور اکرم نے اتحاد انسانیت کی بنیاد رکھی۔ حضورؐ نے تعلیم دی کہ سب انسان ایک خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے حدود بندگی میں سب برابر ہیں۔ نماز کے ذریعے حضورؐ نے انسانیت کو نظم و ضبط کی تعلیم دی انہیں پاکیزگی طہارت

پابندیٔ اوقات، ہر معاملے میں خدا ترسی اور دین داری سکھائی، زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے حضورؐ نے غریبوں محتاجوں مسکینوں اور بے سہارا انسانوں کے مسائل حل کئے۔ سرمایہ داری کا خاتمہ کیا۔ اشتراکیت کی غیر انسانی طبقاتی تقسیم کی بنیاد ختم کی۔ انسانوں کو جذبات صالحہ اور اعمالِ حسنہ کی بنیاد پر باہمی بھائی بھائی بنایا۔ تقسیم وراثت کے ذریعے اجتماع دولت کا راستہ بند کر کے گردشِ دولت کا راستہ کھول دیا تاکہ محرومی اور نایافتگی کوئی مستقل طبقاتی قدر نہ بن سکے۔ اسلام کے تصوّر رسالت اور عقیدت ختم نبوت نے انسانیت کے لئے ناگزیر کر دیا کہ آخری ہدایت کو پیش کرنے والی رسالت پوری اور جامع ہدایت پہنچائے۔ اس رسالت کے ذریعے علمی اور عملی پہلو سے دنیا پر حجت تمام کرنے میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔ اس طرح ختم نبوت نے تسلسل قیادت کا بھی سبق دیا۔ حضوؐر کے نظامِ اخوت نے مسلمانوں کو بنیانِ مرصوص بنا دیا۔ رسول کی غیر مشروط اطاعت نے وحدتِ عمل و حرکت و اقدام کا درس دیا اور تحریک کو تیز تر کرنے کا سامان فراہم کیا۔ آخرت میں مسئولیت کے احساس نے ذمہ داری اور جوابدہی کی قوت ابھار دی۔ جراتِ فیصلہ نے مواقع سے فائدہ اٹھانے اور صحیح نتائج نکالنے کا راستہ بنایا اور حضوؐر کے بروقت اقدامات نے باطل کے لئے شکست مقدر کر دی۔ اس طرح ایک تدریجی ارتقا کے تحت باطل ہٹتا گیا اور حق غالب آتا چلا گیا۔

یوں بھی سیاست و اقتدار کوئی ایسی ہی مکروہ شے ہوتی تو حضرت یوسف، حضرت سلیمان، حضرت داؤد اور خود حضرت نبی اکرمؐ اور خلفائے راشدین کو اس کراہت سے بدرجہ اوّل بچایا جاتا لیکن ظاہر ہے کہ احکامِ خداوندی کے نفاذ کے لئے یہ عین مطلوب شے ہے۔ حضور اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق آخرت میں نور کے منبروں پر ان آئمۂ عدل کو بٹھایا جائے گا جو دنیا میں اللہ کی پاسداری کرتے ہوئے خلقِ خدا کو راہِ راست پر چلائیں گے اور خود بھی راہ راست پر قائم رہیں گے۔ کائنات میں وسیع نظامِ اطاعت جو طبعی اور تکوینی اصولوں پر قائم ہے۔ جس میں اللہ کی ساری مخلوق اللہ کی بندگی کا فریضہ ادا کر رہی ہے اس میں صرف انسان ہے کہ جس کو ایک محدود دائرۂ اختیار میں آزادی حاصل ہے ظاہر ہے کہ یہ دائرہ اختیاری ہی اس کا حلقۂ آزمائش ہے۔ یہی اس کا دائرہ تبلیغ و جہاد و نفاذِ حدود اللہ ہے۔ اگر اس دائرے میں خدا کے احکام برضا و رغبت جاری ہوں تو انسانی زندگی پوری کائناتی

زندگی کے ساتھ مطابقت پیدا کر کے مخلوقات کائنات کے قافلہ بندگی میں داخل ہو جاتی ہے اسی محدود دائرہ اختیار میں بندگیٔ رب کے نفاذ کے لئے سلسلۂ رسالت جاری ہوا ہے اور اس کے لئے احکام خداوندی دنیا میں انبیاء کی معرفت انسان کو پیہم ملتے رہے ہیں۔

حضور اکرمؐ کی ۲۳ سالہ جدوجہد خصوصاً مدینہ میں دس سالہ مجاہدانہ مساعی سے وہ نظام قائم ہوا جو کائنات کے خالق کو منظور و مطلوب ہے۔ یہ نظام انسان کی ہمہ پہلو رہنمائی و ہدایت کے لئے بیحد ضروری ہے۔ یہ امر خود اس بات پر گواہ ہے کہ مشیت ایزدی کے نزدیک انسان کی کامل رہنمائی کے لئے محض تلقین و وعظ سے کہیں بڑھ کر کسی نظام کا عملی نفاذ ہے۔ انسان پر حجت تمام کرنے کے لئے کسی نظام کا عملی مظاہرہ ناگزیر ہے۔ حضورؐ چونکہ خاتم النبیینؐ تھے۔ اس لئے انسانیت کے لئے کامل نظام کا عملی مظاہرہ بھی اتنا ہی ضروری تھا۔ جس قدر علمی لحاظ سے واضح اور مبین انداز میں ان تک تعلیمات الٰہی کا پہنچ جانا ضروری تھا۔ اس کی کامیابی کے عناصر میں یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ

(۱) حضور اکرمؐ کا پیش کردہ نظام زندگی علاقائی کی بجائے ناقابل تغیر عالمگیر اصولی اور نظریاتی بنیادوں پر قائم تھا۔

(۲) اس میں نسل و رنگ و زبان کے بجائے اخلاق و کردار کو وجۂ امتیاز قرار دے کر انسانی حقوق کو کامل مساوات کی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا اور سارے انسانوں کو ایک انسانی کنبے کے افراد قرار دیا گیا تھا۔

(۳) سارے اسلامی نظام کی بنیاد وحدت اللہ، ختم نبوت یعنی وحدت قیادت اور وحدت ہدایت یعنی (ایک کتاب) پر رکھی گئی تھی۔

(۴) سارے انسانوں کو براہ راست ان کے خالق کے سامنے جو حلیم و خبیر اور عفو الرحیم ہے۔ مسئول قرار دیا گیا تھا اور خارجی ضابطہ بندی سے زیادہ انسانی ضمیر کو اصلاح و کردار و اعمال کا ذریعہ بنایا گیا تھا

(۵) دولت و غربت کے درمیان ایسا توازن قائم کیا گیا تھا کہ امارات سے فخر و غرور اور غربت سے مسکنت اور عجز علیحدہ کر کے دونوں کو ایک انسانی برادری کے پلیٹ فارم پر کھڑا کیا گیا تھا

اور امیر کی امارت پر غریب کے بے شمار حقوق عائد کر کے اسے بالواسطہ طور پر غربت کے ساتھ بندگی رب کے لئے جھکایا گیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

حضورؐ کے غلام زید اور ان کے صاحبزادے اسامہ کے ماتحت بڑے بڑے صحابہ کے لشکر مرتب ہوتے اور ان کی ماتحتی میں انہوں نے جہاد کیا۔ یہ صرف مسلمانوں کی سماجی مساوات ہی تھی کہ جس میں خاندانِ غلاماں تک حکومت و امارت کے مقام پر فائز ہو کر کارہائے نمایاں سرانجام دیتے رہے۔

(۶) حضورؐ کے پیش کردہ پورے نظامِ فکر کی روح سمیٹ کر ایک کلمہ میں پیش کر دی گئی جسے سنتے ہی انسانوں کے لئے اس نظامِ فکر و عمل کو سمجھنا اور موافقت یا مخالفت کا فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔ اس کلمہ کی مدد سے ایک امّی قوم کے لئے ایک عظیم اور مضبوط قول کے ذریعے اپنے نظریے کا اظہار ممکن ہو گیا۔ وہ کلمہ ہے لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ پوری تحریک اور اس کی تعلیمات کا مقدمہ بن کر لوگوں کے دل و دماغ میں اترتا چلا گیا۔

حضور اکرمؐ کی دعوت مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک ایک ایسی تحریک تھی جو اپنے لئے ایک زمین کا ایک ریاست کا اور ایک نظم و ضبط کا مطالبہ کرتی تھی تاکہ وہ ایک ریاست تھی جس کے اندر اس کے تمام اعضاء و جوارح اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھے۔ یوں اس کے بھرپور اور زوردار طریقے پر قائم ہو جانے کے بعد اس کے ثمر دنیا نے چکھے اور پھر اس کی دعوت سے متاثر ہو کر جوق در جوق اس میں شامل ہوتے چلے گئے۔ پھر نہ طائف والوں کو اپنے بت عزیز رہ گئے اور نہ مکہ والوں کو اپنی مذہبی اجارہ داری کے دوسری طرف منتقل ہو جانے کا غم رہا، حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک باطل کا تعلق ہے وہ تو اسلامی نظامِ حیات کی غیر موجودگی کا ہی نام ہے اور جب اسلامی نظامِ حیات قائم نہ ہو صرف اس کی معقولیت کا ہی وعظ کیا جائے تو اس وعظ سے ایسے ہی دیانتدار کارکن تیار ہوتے ہیں جو پھر موجود اور غالب باطل نظام کی قوت کا ہی کام کر سکتے ہیں اور اپنی محنت احساس

فرض اور دیانت سے باطل کی جڑوں کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ ورنہ ایک دیانت دار اور محنتی مسلمان کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنی دیانت محنت اور احساسِ فرض جیسی اعلےٰ صفات کو اسلام کی تقویت کے لئے صرف کرے اور باطل کی جڑوں کو ان صفات سے مضبوط و پائیدار نہ بناتے۔

اسلامی تحریک کی ابتداء عروج اور نتائج سے آگاہ ہوتے بغیر ادھوری اور سرسری نظر سے دیکھنے والے بعض مغربی مستشرقین حضور کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں کہ جب تک آپ مکہ میں تھے ظلم وستم سہہ رہے تھے۔ نشانۂ استہزاء بنے ہوئے تھے۔ ستائے جاتے اور پریشان کئے جاتے تھے ان پر اوجھڑی ڈالی جاتی اور ان کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ یعنی جب تک ان کی زندگی ان کے اپنے تصورِ رسالت یعنی مظلومانہ حالت سے ملتی جلتی تھی وہ نبی اور رسول تھے لیکن جب آپ مدینہ میں تشریف لاتے اور یہاں پہنچ کر ایک اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی تو پھر آپ فرمانروا اور بادشاہ بن گئے۔ نبوت کے بارے میں ان کا یہ تصور ادھورے مطالعہ اور اپنے کلیسائی نقطۂ نظر کا نتیجہ ہے مدینہ کی زندگی میں حضور کے فقر کے باوجود صرف نظم مملکت کو دیکھ کر بادشاہ اور فرمانروا کی زندگی قرار دینا ان کے مغربی سیکولر ذہن ان کے ماحول اور تربیت کی مجبوری کا فطری نتیجہ ہے۔

حضورؐ کی مکی اور مدنی زندگی میں تفریق کر کے صرف تحریک اسلامی کے آغاز اور جدوجہد کے نتائج سے دھوکا کھانے والے لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ان انسانوں میں جو مکہ میں تھے اور ان میں جو مدینہ میں آئے۔ اخلاقی لحاظ سے کوئی بھی فرق نہیں تھا۔ بلکہ ہر شب و روز ان کے اندر خدا ترسی فکرِ آخرت اور انہماکِ بندگی میں اضافہ کرنے والا تھا۔ رسول اکرمؐ مکہ میں اگر زیادہ خوشحال زندگی بسر کرتے تھے۔ جب آپؐ کا ذاتی کاروبار اور اثاثہ تھا تو مدینے میں آکر فقر نے یہ رنگ اختیار کر لیا تھا کہ کئی کئی دن تک چولہا گرم نہ ہوتا تھا۔ مال و متاع کا دھارا آپؐ کے قدموں کے نیچے چاروں طرف بہتا تھا جس سے مکمل طور پر آپؐ اپنے آپ کو محفوظ رکھتے تھے۔ خاندان کا ایک بچہ بھی اگر بیت المال کا ایک چھوہارا اٹھا اٹھا کر منہ میں رکھ لیتا تھا تو وہ بھی اس سے اگلوا لیا جاتا تھا۔ خاندان نبوت پر آسائش ممنوع تھی۔

مکہ میں بازاروں میلوں اور راستوں میں اگر تبلیغ دین تھی تو مدینہ میں عبادات کے سبب پاؤں پر ورم آجاتا تھا اور جب اس شاہ دوجہاں کی وفات ہوئی تو گھر میں کوئی شے نہ تھی زرہ ایک مہاجن کے پاس

رہن پڑی تھی۔ یہ اس بادشاہ کا حال تھا جس نے فقر کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنالیا تھا۔ مکہ میں آپ کے چولہے میں کبھی گھاس نہ اگتی تھی لیکن مدینے میں اسلامی مملکت کا سربراہ ہونے کے بعد ایسا بارہا ہوجاتا تھا کہ ہفتوں کھجور کے سوا آپ کی کوئی غذا نہ ہوتی۔ مکہ میں آپؐ کے جسم پر چٹائی کے نشان کسی نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ لیکن مدینہ میں سرکار کے جسم پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر فاروق اعظم کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آتے تھے۔ مکہ میں کبھی آپ کے پیٹ پر پتھر نہ بندھے تھے لیکن مدینہ میں جب آپؐ سربراہِ مملکت اسلامی تھے تو آپ کے پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے بھی دیکھے گئے تھے ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ "میری جان آپ پر قربان دنیا کے مال میں سے اتنا تو قبول کرلیجئے کہ جس سے قوت بحال رہے"۔ لیکن سرکار فرماتے تھے کہ مجھے دنیا سے کیا کام۔ میں تو اس سوار کی مانند ہوں جو گرمی کے دوپہر سایہ کے نیچے دم لیتا ہے اور منزل کی طرف آگے نکل جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے مدینہ میں آکر وہی بادشاہت قائم کی تھی جس کی دعا حضرت عیسیٰؑ کیا کرتے تھے کہ

> اے آسمانی باپ جس طرح تیری بادشاہت آسمان پر قائم ہے اسی طرح تیری بادشاہت زمین پر بھی قائم ہو۔

یہی وہ آسمانی بادشاہت تھی جو حضور نے زمین پر قائم کی تھی اور خدا کے بندوں کو جو پیدائشی طور پر خدا کی رعیت ہیں حقیقی معنوں میں خدا کے قوانین کے نفاذ کے ذریعے انہیں خدا کی رعیت بنایا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ نظام قائم ہوا تھا جو انسانیت کے لئے رحمت و برکت کا باعث تھا۔ اس کو عربی ملوکیت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ ملوکیت نہیں بلکہ زمین پر خدا کی نیابت اور خلافت تھی اس کے ذریعے جو قوانین نافذ ہوئے تھے وہ سارے خدائی قوانین تھے اگر خدا کا رسول خدا کے بھیجے ہوئے قوانین نافذ کرکے دنیا میں بھی آسمانی بادشاہت قائم کردے تو یہ تو وہ کارنامہ ہے جس پر ساری انسانیت فخر کرسکتی ہے۔ اس سے بڑی رسالت اور نبوت کیا ہوسکتی ہے کہ حکام پہنچائے ہی نہ جائیں بلکہ نافذ بھی کئے جائیں اور مظلوموں سے صرف زبانی ہمدردی ہی نہ کی جائے بلکہ ظالموں کا ہاتھ بھی پکڑا جاتے اور مظلوموں کی داد رسی اور دستگیری بھی کی جائے۔ گویا مدینے کی اسلامی ریاست کے ذریعے حضور نے فریضۂ رسالت کو احسن ترین طریقے پر سرانجام دے کر اپنے اللہ کے سامنے سرخروئی حاصل کرلی۔ پھر اگر حضرت

یوسف کی بادشاہی ان کی رسالت میں حارج نہیں ہوتی اور انہیں نبی سے عام بادشاہ نہیں بنادیا اور اگر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت ان کی نبوت میں رکاوٹ نہیں بنتی تو حضور اکرمؐ جو ذاتی اور اجتماعی جدوجہد سے ایک اسلامی ریاست قائم کر کے اس میں احکام خداوندی جاری کرتے اور خدا کی مرضی زمین پر پوری کرتے ہیں ان کے فریضہ رسالت ادا کرنے سے کس طرح لازم آتا ہے کہ وہ مدینہ میں آکر صرف فرمانروا ہی بن گئے۔ ایسی باتیں صرف جانبدارانہ متعصبانہ نامکمل مطالعہ اور ادھوری فکر کا نتیجہ ہیں۔ یہ تحقیق سے زیادہ تاریخی حقائق کے گلے میں اپنی رائے اتارنے کے مترادف ہے۔

اب اس اسلامی ریاست کی بعض خصوصیات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو حضور اکرمؐ کی قیادت میں قائم ہوئی۔ یہ اسلامی انقلاب انسانی تاریخ میں اب تک منفرد واقعہ ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا نے لکھا ہے۔

"یہ وہ کامیابی ہے جو آپ سے قبل کسی دور میں بھی کسی دینی معلم کو حاصل نہ ہو سکی"

اس انقلاب کی نظیر بنی نوع انسان زمین پر آج تک پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ ایک فرد فی قوم اٹھ کر اپنی بات کہتا ہے پوری قوم مزاحمت کرتی ہے اور ۲۳ سال کی قلیل ترین مدت میں اس کے پیش کردہ نظریئے کے عین مطابق افراد ڈھل جاتے ہیں۔ معاشرہ بدل جاتا ہے۔ قوانین کا اجراء ہو جاتا ہے تصورِ اخلاق و کردار اور معیشت و معاشرت و سیاست و تہذیب و تمدن سب کچھ بدل جاتے ہیں۔ اس انقلاب سے ۲۵ سال پہلے کا انسان اگر یکبارگی وہاں آجاتا اس بدلے ہوئے ماحول کو دیکھ کر کبھی باور نہ کر سکتا کہ وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ عالم بیداری میں ایسا عظیم الشان تغیر انسانی زندگی میں دیکھ رہا تھا۔

یہ اسلامی ریاست جو حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور اپنی زبردست جانگسل جدوجہد سے قائم کی۔ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی اس کی بیش بہا خصوصیات میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) اس ریاست کی بنیاد ایک ایسے معاہدے پر رکھی گئی تھی جو پہلے ایک شخص اور ایک شہر کے باشندوں کے درمیان طے پایا تھا اور انہوں نے برضا و رغبت اسے سارے معاملات کا سربراہ اور

ذمہ دار تجویز کرکے اس کے ہاتھ پر بیعت (عہد اطاعت) کی تھی۔ اگر کوئی معاہدہ عمرانی نامی شئے کسی جگہ واقع ہوئی تھی تو وہ یہی معاہدہ تھا جس کے تحت ایک جگہ کے باشندوں نے اپنی آزاد مرضی سے حضور کو اپنا سربراہ تجویز کیا گویا یہ ریاست خالص عوامی رضامندی اور معاہدے پر قائم کی گئی تھی

(۲) اس ریاست کی ایک اور خصوصیت اس کا ایک تحریری دستور تھا۔ یہ ایک خالص دستوری اور آئینی ریاست تھی جس میں اس کے باشندوں کے حقوق و فرائض کی واضح تعین و تقسیم کی گئی تھی غالباً یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا۔ جو مدینہ کی ریاست کے ذریعے وجود میں آیا تھا۔

(۳) یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی کیونکہ اس کی بنیاد نسل علاقہ، زبان قبیلہ یا معاشی اور سیاسی مفادات کے کسی اشتراک پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ چند اصولوں کی حفاظت اور ان کے اجراء کے لئے یہ ریاست وجود میں آئی تھی۔

(۴) اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ ایک جامع تصور زندگی پر قائم ریاست تھی جو انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کو منظم کرتی اور انہیں ایک سمت بندگی رب کی طرف موڑتی تھی۔ وہ عبادات سے معاملات تک انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط تھی۔

(۵) دنیا میں پہلی بار دین و سیاست کے حسین امتزاج پر یہ ریاست قائم ہوئی تھی۔ رسول ہی اس ریاست کا سربراہ تھا۔ وہی فوجوں کا کمانڈر تھا اور وہی نمازوں کا امام تھا۔ وہی عمال کا نگران تھا اور وہی الٰہی تعلیمات کو خدا کے بندوں تک پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔ محراب و منبر اور دربار و دفتر کے اسی اجتماع نے انسانی زندگی کی تقسیم کو ختم کرکے وحدت میں بدل دیا تھا جس سے انسان کے بے شمار بوجھ اتر گئے تھے۔

(۶) یہ ایک جمہوری اور شورائی ریاست تھی جس میں سارے کام مشورے سے ہوتے تھے اور خدائی حکم تھا کہ سارے کام مشورے سے کئے جائیں وشاورھم فی الامر (ان سے معاملات میں مشورے کرو) اور وامرھم شوریٰ بینھم (ان کے امور آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں) کے مطابق صلح و جنگ داخلی اور خارجی معاملات سب کے سب مشورے سے طے پاتے تھے اور ساری پالیسیاں مشورے سے ہی مرتب ہوتی تھیں۔ حریت فکر، مساوات انسانی عدل اجتماعی اور جمہوریت کا ہمہ پہلو ان الفاظ کی روح کے مطابق پورا پورا اہتمام تھا۔ ہر قسم کی غلامی سے

آزادی کا منشور وہ انقلابی کلمہ تھا جو اس ریاست کے بنیادی نظریہ کا ترجمان تھا۔ مساواتِ انسانی وحدتِ انسانی اور اخوت پر قائم تھی۔ قانون سے بالاتر خود سربراہ مملکت کی ذات بھی نہ تھی۔

(۷) یہ ایک فلاحی اور خادم خلق ریاست تھی جس کے ذمے خدمتِ انسانیت اور کفالت رعایا تھی اس ریاست میں کوئی گداگر نہ تھا۔ اس کے سربراہ کا اعلان تھا کہ جو مقروض فوت ہو جاتے اس کا قرض ریاست کے ذمے ہے اور جو وراثت چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کی ہے۔ روزگار کی ضمانت اور معاشی کفالت کا اہتمام ریاست کے ذمہ تھا۔

(۸) یہ ریاست اپنے اجتماعی امور میں خدا کے سامنے جوابدہ تھی اور اس کی تمام پالیسیاں اور قانون سازی خدا کی اتاری ہوئی ہدایات کے مطابق طے پاتی تھیں۔ اس ریاست کا ہر فرد اس امر سے سرشار تھا۔ کہ وہ خدا کے سامنے جوابدہ تھا اور اسی احساس کے تحت پوری ریاست کے باشندوں میں ذہنی مطابقت اور جذباتی ہم آہنگی موجود تھی۔ درحقیقت یہ کوئی غیر مسئول ریاست نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت خدا کے سامنے ایک ایسی جوابدہ ادارے کی تھی جو خدا کی نیابت کرتا تھا اسی لئے اسے خلافت سے تعبیر کیا گیا تھا۔

(۹) اس ریاست کا تصورِ حاکمیت دنیا کی تمام ریاستوں سے مختلف تھا اس کی حاکمیت نہ عوام کی نہ سربراہ مملکت کی نہ کسی خاندان کی اور نہ کسی ادارے کی بلکہ اس کی حاکمیت کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے تھا۔ وہی اس کا حقیقی اور مستقبل حاکم اعلیٰ تھا جو ازل سے ابد تک حیی و قیوم اور علیم و خبیر تھا اور جو ہر لمحہ اپنے بندوں کا نگران اور کفیل تھا اور جو تنہا حاکم تھا باقی سب اس کے محکوم تھے اور جو تنہا رب تھا باقی سب اس کے بندے اور مخلوق تھے۔ اس نظریئے نے ریاستوں کے نظریۂ حاکمیت میں انقلابی تبدیلی کر دی تھی۔ اس سے ایک ایسی بے لاگ مساوات اور ایک ایسا بے لوث انصاف قائم ہو گیا تھا۔ جس کی نظیر ممکن نہ تھی۔

(۱۰) اس ریاست کی ایک مستقل کتابِ ہدایت تھی جو خود قانون اور ماخذ قانون تھی اور ہر نزاع میں آخری اتھارٹی شمار ہوتی تھی اس نوعیت کی ریاست کے لئے تاقیامت یہ کتاب ہدایت تھی جسے قرآن کہا گیا تھا اور جس کا ایک ایک لفظ حاکم اعلیٰ کا فرمایا ہوا اور ناقابلِ تغیر تھا۔ وہ اس ریاست کی مستقل گائڈ بک تھی۔

(۱۱) اس ریاست کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد قیام خدا کے باغیوں کی سرکوبی تھا کفر بالطاغوت کر کے دنیا کے تمام باغی انسانوں، ریاستوں اداروں اور گروہوں کو خدا کی بندگی کی طرف لانا اور ایمان باللہ کو زمین کے آخری کناروں تک پہنچانا اس ریاست کا مقصد اولین تھا۔ اس طرح یہ ریاست ایک عالمگیر دعوت انقلاب کی داعی تھی اور اس کا قیام تمام دنیا کے طاغوتوں اور خدا کے نافرمانوں کے لئے ایک مستقل چیلنج تھا۔

(۱۲) یہ ریاست ایک تعلیمی اور تربیتی ادارہ تھی جو اپنے باشندوں کو ایک مخصوص اخلاقی سانچے میں ڈھالنے کا اہتمام کرتی تھی اس کا تصور انسان و کائنات اس کی تعلیم کے ہر گوشے میں پیوست تھا اور اس تصور کی روشنی میں وہ اپنے تمام باشندوں کو تعلیم دیتی اور ان کے کردار اس کے مطابق ڈھالتی تھی جس سے خدا ترسی اخلاقی کردار وجود میں آتے تھے۔ یہ ریاست مادی اشیأ سے زیادہ انسانوں پر توجہ دیتی تھی اور اس کے نزدیک ہر شے سے زیادہ انسان کی قدر و قیمت تھی۔ اس کے نزدیک ایک انسان کا ناحق قتل ساری مخلوق کے قتل کے مترادف تھا۔

(۱۳) اس ریاست میں عمال کے بارے میں صالح کی شرط لازم تھا۔ غیر صالح کردار کے لئے اس ریاست میں روٹی کپڑے اور مکان کا انتظام تو ضرور موجود تھا لیکن اس کے لئے اعلیٰ مدارج اور اونچے مناصب کے حصول کا کوئی سوال نہ تھا۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم کے اصول کے تحت نیک اور صالح افراد ہی اس ریاست کے کل پرزے بن جاتے تھے۔ اس میں مال و نسب کی اہمیت نہیں شرافت اور اخلاق کی اہمیت تھی۔

یہ وہ عظیم الشان ریاست تھی جو حضور اکرمؐ نے صرف ۲۳ سال کی مدت میں قائم کر کے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ جو اپنی نوعیت میں منفرد اور ممتاز تھی اور جس کی مثال نہ اس سے پہلے دنیا میں کوئی ریاست قائم ہوئی تھی اور نہ اس کے بعد ایسی ریاست قائم ہو سکی۔ جب کہ ایسی ریاست کا قیام امت مسلمہ کا فرض ہے اور اس کے قیام کے بغیر مسلمان اپنے مالک کے سارے احکام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے اور اس کے بغیر ان کی اجتماعی مسلمانی ادھوری رہ جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرتِ طیبہ کی تاریخی اور ادبی کاملیت

٭ مولانا محمد ولی رازی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ورفعنا لک ذکرک ۝

محترم صدر گرامی!

علماء کرام و معزز حاضرین مجلس!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سرور دو عالم، خاتم الانبیاء حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر مسعود کی اس مبارک مجلس میں، میری اس مختصر سی گفتگو کا مقصد اس حقیقت کا اظہار کرنا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پچھلے تمام انبیاء کی نبوتوں کا مجموعہ اور تکملہ ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک انسانیت کے تمام کمالات کا مجموعہ ہے، بالکل اسی طرح آپ کی سیرتِ طیبہ کی تاریخی اور ادبی حیثیت بھی معجزانہ حد تک جامع اور اکمل ہے۔ اقوامِ عالم کی تاریخ و ادب کے

٭ معروف دینی دانش ور

سارے ذخیروں کو چھان جایئے۔ تاریخ وادب کا وہ کمال کہیں نظر نہ آئے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو حاصل ہوا۔ میں اس مجلس میں سیرتِ طیبہ کے اسی تاریخی اور ادبی کرشموں کا مختصر سا تعارف کرانا چاہتا ہوں اور اسی حوالے سے اُردو میں ایک ایسی نئی تصنیف کا تعارف کرانا چاہتا ہوں جو بجائے خود آنحضرت صلی اللہ وسلم کی سیرت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ اور اعجاز ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے ورفعنا لک ذکرک کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک اور آپؐ کی سیرت طیبہ کی تاریخی رفعت وعظمت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس قرآنی وعدے کو اس اُمت کے علماء اور ادباء کے ذریعے کس طرح پورا فرمایا۔ اس کا مطالعہ تمام عالم کے لیے سرمایہ حیرت ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو اللہ جلّ شانہٗ نے تمام انسانوں کے لیے ایک آئیڈیل اور دائمی نمونہ عمل قرار دیا ہے اور قرآن کا یہ اعلان کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃ۔ تم لوگوں کے لیے رسول اللہ کی زندگی میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اسی حقیقت کا اعلان ہے۔ اس لیے عقلاً بھی یہ ضروری تھا کہ اس دائمی نمونۂ عمل کو تاریخ کے ایسے بے غبار ذرائع حاصل ہوں کہ جب یہ نمونۂ عمل لوگوں تک پہنچے تو اس کی حیثیت ہر شخص کے نزدیک مسلّم ہو اور معتبر ہو۔ یعنی اس نمونۂ حیات کی ہر تفصیل ہمارے سامنے ہو اور اس کا مستند اور سچا ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی سیرت اہل عالم کے لیے نمونۂ عمل نہ بن سکے گی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے وہ بیسیوں ارشادات جن میں تمام اہل عالم کو رسول اللہ کی اطاعت اور اُن کے اتباع کا حکم ہے نعوذ باللہ بے معنی ہو جائیں گے۔ کیونکہ کسی کی اطاعت اور اتباع اُسی وقت ممکن ہے جب اس کے احکام اور اس کا نمونۂ عمل ہمارے سامنے ہو اس لیے پورے وثوق سے یہ دعوے کیا جاسکتا ہے کہ حق تعالےٰ شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی تمام تفصیلات کو اہل عالم تک پہنچانے کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محدّثین اور راویانِ حدیث، اور اربابِ سیر کی جماعتوں کو خاص اسی مقصد کے لیے پیدا فرمایا کہ وہ اپنی پوری زندگیاں نچھاور کر کے نبیؐ رحمتؐ کی سیرت کے ایک ایک گوشے کو محفوظ فرمائیں۔ ان حضرات کی جانفشانیوں اور محیر العقول کارناموں کی تفصیل تمام کتب احادیث اور تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس لیے میں اُن تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ اہل علم ان حضرات کی کاوشوں سے خوب واقف ہیں۔ اسماء الرّجال کا علم کہ جس میں لاکھوں راویانِ حدیث کی

سیر تیں محفوظ ہیں۔ مسلمانوں کی ایسی خصوصیت ہے جو دُنیا میں کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی۔ اس اُمت کی جانفشانیوں کی یہ تاریخ حقیقت میں خود صاحب سیرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ ظاہری اسباب میں اس کی کوئی دوسری توجیہہ نظر نہیں آتی۔ سیرتِ طیبہ کی تاریخی کاملیت اس اُمت کا ایسا کارنامہ ہے جس پر علم و ادب کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

پھر بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ جس طرح مصنفین نے علمی اور معنوی اعتبار سے سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر جانفشانیاں دکھلائی ہیں وہیں سیرت کے بیان و اظہار کے لیے ایسے ایسے حیرت انگیز اسلوب اور محیر العقل صنعتوں کو اختیار کیا کہ اس کے مطالعے سے عقلیں حیران ہوتی ہیں۔ کسی نے نظم و شعر کے سانچے میں ڈھال کر سیرت کو بیان کیا۔ کسی نے قافیہ بند نثر اور مقفیٰ عبارتوں کا اسلوب اختیار کیا۔ سیرت کا یہی ادبی اور بدیعی پہلو دراصل میرے اس مقالے کا اصل عنوان ہے۔

عربی کے متعدد علماء اور شعراء نے تو یہاں تک کمال کر دکھایا کہ سیرتِ طیبہ کو ایسے قصیدوں میں نظم کیا کہ جن کا ہر شعر ایک نئی ادبی صنعت کا شاہکار ہے۔ ان میں صفی الدین الحلّی، ابن جابر اندلسی، عزالدین موصلی شرف الدین سعدی اور زین الدین آثاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ زین الدین آثاری نے اس قسم کے تین قصیدے کہے ہیں جن کا ہر شعر ایک نئی ادبی صنعت کا مظہر ہے۔ یہ قصائد بدیعیات الآثاری کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ علم بدیع پر سب سے مبسوط کتاب مدنی کی "انوار الربیع" ہے۔ یہ کتاب ایک ایسے قصیدے کی شرح ہے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل پر مشتمل ہے اور جس کا ہر شعر کسی نہ کسی صنعت کا شاہکار ہے یہ شرح چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

انہی ادبی صنعتوں میں سے ایک صنعت "غیر منقوط" تحریر ہے۔ اس قسم کی تحریروں میں صرف ایسے حروف استعمال کیے جاتے ہیں جن میں نقطہ نہیں آتا۔ گویا تمام تحریر ایسے الفاظ سے مرکب ہوتی ہے جو بغیر نقطے والے حروف سے بنے ہوں۔ علمِ بدیع کی صنعتوں میں یہ صنعت بڑی مشکل اور سنگلاخ صنعت ہے اور بہت کم اُدبا اس صنعت میں پوری طرح کامیاب ہو سکے ہیں۔ اسی لیے اس صنعت میں جو تحریریں اب تک لکھی گئی ہیں، وہ یا تو مختصر ہیں یا پھر غیر مسلسل عبارتوں پر مشتمل ہیں۔

سب سے پہلے غیر منقولہ تحریر کب، کہاں اور کس زبان میں لکھی گئی؟ اس کی تو مجھے تحقیق نہیں ہے لیکن اس صنعت کا پہلا مظاہرہ جو سننے اور دیکھنے میں آیا وہ ابوالقاسم حریری کی تصنیف "مقامات حریری" ہے۔ اس کا اٹھائیسواں مقالہ غیر منقوط تحریر پر مشتمل ہے۔ یہ تحریر چند صفحات پر مشتمل ہے بلکہ اسی کتاب کا انیسواں مقامہ اس سے بھی زیادہ مشکل صنعت کا شاہکار ہے۔ اس تحریر میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ پوری عبارت کا ایک لفظ ایسا ہو جس کے تمام حروف نقطے والے ہوں اور دوسرا لفظ ایسا ہو جو نقطوں سے یکسر خالی ہو۔ واقعی کمال کر دکھایا ہے۔ اس تحریر کے یہ چند جملے ملاحظہ فرمایئے۔ اس کے ایک لفظ کے تمام حروف پر نقطے ہیں اور دوسرے لفظ کے تمام حروف بغیر نقطے کے ہیں۔

ثبت اللہ جیش سعودک نھرین واللئوم غُضّ الدھر جفن حسورک یستبین۔

غیر منقوط نویسی میں جس کتاب کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی وہ ابوالفیض فیضی کی تصنیف "سواطع الالہام" ہے۔ فیضی کے نظریات سے قطع نظر اس میں شک نہیں کہ فیضی کی یہ کتاب غیر منقوط نویسی میں بہت مشہور ہوئی۔ اس میں فیضی نے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ بھی کوئی مسلسل کتاب نہیں ہے۔ بلکہ فیضی نے قرآن کریم کی آیات کے مابین، تفسیر جلالین کے طرز پر کچھ غیر مکمل تفسیری جملے بڑھا کر ان کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ پوری کتاب میں مسلسل عبارت کہیں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے۔ اور وہ بھی چند سطروں سے زیادہ نہیں۔ پھر جو بات اس تفسیر میں نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ تفسیری ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھ سکا۔ اور بعض مقامات پر ایسی ترکیبیں استعمال کرنے پر مجبور رہا ہے کہ جو نہ صرف خلاف ادب ہیں بلکہ ان سے مفہوم پر پوری دلالت بھی نہیں ہوتی۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کو "ولد الاعمیٰ" جیسے لفظ سے یاد کیا ہے جسے پڑھتے اور لکھتے ہوئے بھی لرزا آتا ہے یا مثلاً یہودیوں کے لیے "اہل ہود" استعمال کیا ہے جب کہ حضرت ہود علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ لیکن بہر حال ادبی اعتبار سے یقیناً یہ کتاب فیضی کی محنت شاقہ اور زبان کی وسعت کا شاہکار ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سیرت طیبہ کے اعجاز کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ آج میں آپ حضرات کے سامنے لیکر حاضر ہوا ہوں۔ غیر منقوط نویسی کی اسی صنعت میں احقر نے سیرت طیبہ پر "ہادیٔ عالمؐ" کے نام سے تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ دورِ جاہلیت کے حالات سے لے کر وصالِ مبارک کے تمام واقعات مسلسل اور ترتیب وار اس طرح لکھے گئے ہیں کہ اس ضخیم کتاب میں کہیں ایک حرف بھی نقطے والا استعمال نہیں ہوا۔ اس کی دوسری خصوصیت برادرِ عزیز جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کے الفاظ میں یہ ہے کہ

"اتنی شدید پابندیوں کے باوجود زبان کی سلاست و روانی بیشتر مواقع پر برقرار ہے اس کے ساتھ موصوف نے الحمدللہ احتیاط اتنی برتی ہے کہ واقعات کے بیان مکالموں کی نقل اور آیات و احادیث کے مفہوم میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی گوارا نہیں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ غیر منقوط تحریر میں عبارتوں کی ایسی ترجمانی اور احتیاط کا اتنا لحاظ اللہ تعالےٰ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔"

علم بدیع کی جن کاوشوں کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ وہ سب عربی زبان میں تھیں جس کے متعلق یہ کلیہ بڑی حد تک صحیح ہے کہ عربی زبان کے کوئی تین حروف کسی ترتیب سے جوڑ دیجیے کوئی بامعنی لفظ بن جائے گا۔ لیکن اس کے مقابلے میں اردو زبان کا ذخیرہ الفاظ اتنا تنگ ہے کہ اس لحاظ سے دونوں زبانوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ پھر اس کا صرف ڈھانچہ کچھ ایسا ہے کہ اس میں نقطوں سے صرف نظر کر لیا جائے تو تین چوتھائی صیغوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ مثلاً پوری تحریر میں نفی یا نہی کا کوئی صیغہ استعمال نہیں ہو سکتا۔ جس میں نہ، نہیں، مت وغیرہ آتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب منقوط ہیں۔ اسی طرح بیشتر حروف جار اور حروف شرطیہ وغیرہ نقطے والے ہیں۔ مثلاً پر، تک، نے، میں، ہیں، چونکہ، چنانچہ، جب، تب، یہ وہ الفاظ ہیں جو جملوں کی ترکیب میں بے حد ضروری ہوتے ہیں۔

محترم حاضرین! احقر کی یہ کاوش حقیقت یہ ہے کہ سرور دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اعجاز ہے۔ ورنہ مجھ جیسے کم علم آدمی کے لیے یہ کام اس کی وسعت سے باہر تھا۔ آیئے اب اس کتاب کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔

اس کتاب کا مقدمہ برادرِ عزیز جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے تحریر فرمایا ہے۔ میں نے علم بدیع سے متعلق یہ ساری تفصیلات ان کے اسی مقدمے سے لی ہیں۔ کتاب کے آغاز میں "سطورِ اوّل" کے عنوان سے پیش لفظ بھی غیر منقوط ہے۔ اس کتاب کے تمام عنوانات جو تقریباً دو سو کے قریب ہیں سب غیر منقوط ہیں۔

اب میں اس کتاب سے چند اقتباسات حاضرین کی دلچسپی کے لیے پیش کرتا ہوں۔ بسم اللہ کا غیر منقوط ترجمہ اہلِ علم کی توجہ کا طالب ہے۔ الحمدللہ اس میں رحمٰن و رحیم کا معنوی فرق عمدگی سے واضح ہو گیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے:

"اللہ کے اسم سے کہ عام رحم والا، کمال رحم والا ہے۔"

سطورِ اوّل کے عنوان سے جو پیش نظر غیر منقوط لکھا گیا ہے اس کی ابتدائی سطور یہ ہیں۔

" اس کم علم و کم آگاہ کو احساس ہے کہ ہادی کامل صلی اللہ علی رسولہ وسلم کے احوالِ مطہرہ کے حامل کسی رسالے کی لکھائی، اک اہم علمی معاملہ ہے اور اہلِ علم ہی کا کام ہے۔ اس کم علم کو اس کا حوصلہ کہاں؟ مگر اللہ کی درگاہ، کرم و عطاء کی درگاہ ہے۔ اس کا کرم حدود سے ماوراء اور لامحدود ہے اور اس کی عطاء ہر کسی کے لیے عام ہے۔ اگر اس کا ارادہ ہو، وہ مٹی کو گوہر کر دے اور محروم کو مالا مال۔"

اللہ کی عطائے کامل سے، اک عرصے سے اس کم عمل کو آس لگی رہی کہ اس عاصی و کم عمل کو اس امر کا حوصلہ عطاء ہو گا کہ وہ سارے لوگوں سے اوّل اردو کا اک رسالہ اس طرح لکھے کہ وہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علی رسولہ وسلم کے احوال کا حامل ہو اور اس کی ہر سطر اور ہر کلمہ سواطع الالہام[1] کے کمال کی حامل ہو۔ اور "اردوئے معرّا[2]" کے کمال سے معمول اور مرصّع ہو۔

ہر سطر اس کی اسوۂ ہادی کی ہو گواہ
اس طرح حالِ احمد مرسل کہا کروں

معمور اس کو کر کے معرّا سطور سے
ہر کلمہ اس کا دل کے لہو سے لکھا کروں

پیش لفظ کے بعد ایک نعت غیر منقوط اس کتاب میں شامل کی گئی ہے۔ اس کا مطلع ہے۔

اُردو کو اک رسالۂ الہام دوں ولی
لوگوں کو دورِ "ہادی عالم" عطاء کروں

---

[1] ابوالفیض فیضی کی غیر منقوط تفسیر کا نام
[2] اردوئے معرّا۔ غیر منقوط اردو

کتاب کے آغاز میں تمہیدی عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے۔

"امام الرسل، سرکار دو عالم محمد صلّی اللہ علی رسولہ وسلم کے لیے لاکھوں درود وسلام، کہ اس کا ہر عمل اور اس کی ہر ادا، وحیٔ الٰہی کے اسرار لیے ہوئے ہے۔ لاکھوں سلام اس مہر علم و عمل کو کہ اس کے طلوع سے صدہا سال کی گمراہی اور لاعلمی سے لوگوں کو رہائی ملی۔"

وہ رسول اُمّی کہ اللہ اس کا معلّم ہے۔ وحی اس کا مدرسہ۔ علم اس کی کملی ہے اور عدل اس کی کرسی۔ رحم و کرم اس کا عَلَم ہے اور صلۂ رحمی اس کا درس۔ وہ ہادی کامل کہ اس کا گھر علوم وحی کی درس گاہ اوّل ہوا۔ وہ معلّم علوم و حکم کو سارے عالم کے حکماء اس کے آگے گرد۔ وہ رسول طاہر و مطہر کہ اس کی دُعا سے لوگ ہوا لی سے ملوک اور عامی سے ہُلکی ہوئے۔ وہ مصلح کامل و اکمل کہ اس کی اک اک ادا سے کردار و عمل کو کمال حاصل ہوا اور اس کی مساعی سے سارے عالم کے گمراہ اور علم سے محروم، علم و آگہی کے امام ہوئے اور علم و عمل کا وہ کوہِ گراں کہ کلامِ الٰہی اس کے لیے گواہی دے کہ

"اس کا ہر عمل سارے عالم کے لئے اُسوہ کاملہ ہے۔"

وہ امام الرسل کہ معمارِ حرم[1] سلام اللہ علی رُوحہ کی دعا ہے۔ وہ مرد کامل کہ اللہ کے رسول و روح اللہ[2]" (سلام اللہ علی روحہ) اس کی آمد کی اطلاع لے کر آئے۔ وہ رسول موعود کہ اس کی آمد سے اہل عالم کے لیے اللہ کا وعدہ مکمل ہوا۔ اور وہ موردِ وحی کہ اُس کے لیے لوگوں کو اللہ کا حکم ہوا کہ

"ہر وہ امر کہ اللہ کا رسول لوگوں کو دے۔ اُس کو لے لو، اور ہر اس امر سے کہ وہ لوگوں کو روکے اس سے دُور رہو[3]۔"

وہ رسولِ موعود۔ آکے رہا۔ اور مکہ مکرمہ کی وادی اس کی آمد سے معمور ہو کے رہی۔

اس تمہید کے بعد سرزمین عرب کے مختصر حالات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آبا واجداد کے مختصر حالات، حضرت عبدالمطلب کی سرداری اور واقعۂ فیل کے واقعات بالترتیب غیر منقوط اردو میں لکھے گئے ہیں۔ پھر ولادتِ مبارک کے واقعے کا بیان ہے۔ اس کے بعد کی عبارت اس طرح ہے۔

---

[1] معمارِ حرم: حضرت ابراہیم علیہ السلام [2] روح اللہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[3] یہ اس آیت قرآنی کا غیر منقوط اردو ترجمہ ہے: وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا۔

"اللہ اللہ! وہ رسولِ اُمم مولود ہوا کہ اس کے لیے صدہا سال لوگ دعاگو رہے۔ اہل عالم کی مرادوں کی سحر ہوئی۔ دلوں کی کلی کھلی، گمراہوں کو ہادی ملا، گلے کو داعی ملا، ٹوٹے دلوں کو سہارا ملا۔ درد کے ماروں کو درماں ملا، گمراہ حاکموں کے محل گرے۔ سالہا سال کی دہکی ہوئی وہ آگ سرد ہو کے رہی کہ لاکھوں لوگ اس کو اللہ کرکے اس کے آگے سر ٹکائے رہے اور رودِ سادہ ماءِ رواں سے محروم ہوا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے سفرِ شام میں نسطورا راہب کی پیش گوئی کا واقعہ اس طرح لکھا گیا۔

"وہ کارواں اک عالم کے صومعے کے اُدھر، آکے رُکا، صومعے کا مالک کہ اک عالم وحی رہا اس کو معلوم ہوا کہ کوئی کارواں آکے رُکا ہے۔ اہل کارواں سے مل کر کہا کہ ہمارے ہاں آؤ۔ اور اکلِ طعام کھا کر آرام کرو۔ کارواں کے لوگ رسول اللہ کو سارے اموال حوالے کرکے اس عالم کے صومعے میں گئے۔ وہ عالم کھڑا ہوا اور کہا کہ اس کارواں کے ہمراہ اک مردِ صالح ہے۔ اُس مردِ صالح کو لاؤ وہ کہاں ہے۔ کارواں کے لوگ ہادیِ عالم صلی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلم کو لے کر اس کے آگے آئے۔ وہ عالم اکرام کے لیے کھڑا ہوا اور کہا کہ اس مردِ صالح کا معاملہ سارے لوگوں سے الگ ہے۔ وہ سارے اعصار و امصار کے لیے اللہ کا رسول ہوگا اور اسی کی آمد سے سلسلۂ رُسل کو مہر لگے گی۔ اس عالم وحی سے کارواں کے لوگوں کو اس طرح کے اور کئی احوال معلوم ہوئے۔"

رسول اکرم کے دَورِ اوّلیں کے تقریباً سارے ہی اہم واقعات کتاب میں شامل ہیں۔ عربوں کے مشہور بت بُوانہ کے واقعہ کا بیان ملاحظہ ہو۔

"اسی طرح ہمدمِ رسول ولدِ معطم سے مروی ہے کہ دَورِ اسلام سے ایک ماہ اُدھر ہم ایک صومعے کے گرد اکٹھے ہوتے اور اس صومعے کے مٹی کے اللہ کے آگے اکرام سے کھڑے ہوتے معاً اُس سے صدا آئی کہ "لوگو ہم کو اللہ کے اُس رسول کے حوالے سے آگ ماری گئی کہ وہ مکے کی وادی سے اُٹھے گا اور اس کا اسم "احمد" ہوگا۔ اور وادیِ احد کے ادھر اک مصر، اس کا حرم ہوگا۔ ہم اس امر سے رو کے گئے کہ ہم کو سماوی علوم کے کلمے حاصل ہوں"

وحی اوّل کی آمد، اور آنحضرتؐ کی بعثت کے واقعہ کی تفصیلات میں سے ایک مختصر سا حصہ بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

"وحی کے اسرار و حکم سے روح و دل مالا مال ہوتے۔ اور مکّے کے اس مردِ صالح کو رسولِ امم کا عہدۂ اعلیٰ عطا ہوا۔ امرِ الٰہی کا کوہِ گراں اٹھاتے اور اولادِ آدم کی اصلاح کے اہم کام کے احساس سے سرگراں گھر لوٹے۔ روح و دل کو اللہ کا ڈر طاری ہوا۔ سردی سی محسوس ہوئی گھر آکر عروسِ مکرّمہؓ سے کہا کہ رِدا اڑھاؤ۔ حواس اکٹھے ہوئے۔ عروسِ مکرّمہ سے سارا حال کہا۔ دلدارِ رسول سارا حال معلوم کر کے آگے آئی اور دلاسا دے کر کہا کہ رحم و کرم اور صلۂ رحمی کے عامل کو اللہ کے کرم کی آس رہے۔ اللہ اس آدمی کو کس طرح رسوا اور ہلاک کریگا کہ وہ دوسروں کا ہمدرد ہو اور محروموں کا آسرا ہو اور کہا کہ آؤ ہمارا اک ولدِ عم، عالم موحّدؐ ہے اسی سے اس امرِ اہم کا حال معلوم ہوگا۔"

"ہادئ عالم" کے یہ چند اقتباسات اس کے شروع کے صفحات میں سے بلا کسی وجہ ترجیح کے نمونے کے طور پر دیئے گئے ہیں۔ بعض خطبوں اور مکتوباتِ نبوی کے لفظ بہ لفظ ترجمے الحمدللہ بغیر کسی تکلّف اور ابہام کے اس میں شامل ہیں جن کا مطالعہ اہلِ علم کے لئے خصوصی دلچسپی کا سبب ہوگا

پوری کتاب میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ تمام واقعات حوالوں کے ساتھ لکھے جائیں۔ چنانچہ فٹ نوٹ میں تمام مآخذ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح یہ بات اس کتاب میں نمایاں نظر آئے گی کہ غیر منقوط صنعت کے اہتمام کی وجہ سے کسی ایک جگہ بھی سیرت کا مواد اس صنعت کے تابع نہیں ہوا۔ بلکہ پوری محنت اور عرق ریزی کے ساتھ اسلوبِ بیان کو مواد کے تابع رکھا گیا ہے۔ کتاب کے چند اہم عنوانات یہ ہیں۔

رسولِ اکرم کی دائی ماں : اس عنوان کے تحت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سارے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

رسول اللہ کے دادا کا وصال: رسول اللہ کی والدہ کا وصال

عروسِ مکرّمہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

رسولِ اکرم کی عروسِ مکرمہ : اس عنوان میں آنحضرتؐ کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے ۔

اہلِ مکہ کا حکم : خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت تحکیم کا سارا واقعہ اس عنوان کے تحت ہے ۔

وہ لوگ کہ اوّل اسلام لائے : سابقون اوّلون کے حالات

اہلِ اسلام کا دورِ آلام : مکی زندگی میں مسلمانوں پر قریش کے مظالم کے واقعات

عمِ رسول کا اسلام : حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

اہلِ اسلام کا مرحلہ اوّل : ہجرتِ حبشہ

اہلِ مکہ کا معاہدہ عدم سلوک : شعب ابی طالب کا واقعہ

مصارعۂ رسول : رکانہ سے آنحضرت کی کشتی کا مقابلہ

احوالِ اسرار : واقعۂ معراج کی تفصیلات

رسول اللہ کے مددگاروں کا عہد : انصارِ مدینہ کا بیعتِ عقبہ میں قبول اسلام

وداعِ مکہ کا حکم : ہجرت کے حکم کا نزول

وداعِ مکہ کے احوال : ہجرت کے واقعات

اک گھوڑے سوار کا معاملہ : سراقہ بن مالک کا واقعہ

رسول اللہ کی معمورۂ رسول آمد : مدینہ منورہ میں آپ کی تشریف آوری

اسلام کا معرکۂ اوّل : غزوۂ بدر

معرکہ اُحد : غزوۂ احد

معرکہ عسرہ : غزوۂ تبوک

یہ چند عنوانات کتاب کی ترتیب کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں ۔

آخر میں یہ عرض کر دوں کہ میرا ایمان ہے کہ اس کتاب کی تصنیف میں نہ میری کسی علمیت کو دخل ہے کہ میں ایک بہت ہی کم علم آدمی ہوں اور نہ ہی اس میں میرا کوئی کمال ہے۔ بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق تھی جس نے مجھ جیسے بے علم آدمی سے یہ کام لے لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین ہستی اور اُن کی سیرت اور اُن سے ہماری ادنیٰ سی نسبت کا کرشمہ ہے کہ اردو میں ایسی کسی کتاب کا اضافہ ہوا جس کا عام حالات میں تصور کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تکمیلِ رسالت اور اتحادِ عالمِ انسانی

★ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) گلزار احمد

رسول اور نبی اللہ کی جانب سے بنی نوع انسان کی تربیت اور رہبری کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں ان کا مقرر کرنا یونہی نہیں ہو سکتا۔ کائنات کی تخلیق کا ایک مقصد تھا، اس مقصد میں انسان کو خاص مقام حاصل ہے اس کی ہدایت اور رہبری بھی خاص منصوبہ کے تحت عمل میں لائی گئی اور پھر اُسے پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا، "تکمیلِ رسالت" کا ایک اعلیٰ و ارفع مقصد تھا جس کے ساتھ ایک حکمت اور ایک مکمل نظام وابستہ تھا۔

تکمیل رسالت کے موضوع کو دو زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اولاً یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں رسالت کی تکمیل سے کیا مفہوم انسانیت تک پہنچانا چاہتا ہے اور تکمیلِ رسالت پر فائز ذاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کیا فرماتا ہے: بہ الفاظِ دیگر تکمیلِ رسالت کے موضوع پر کلام اللہ کے مطالعہ سے تکمیل و ختمِ رسالت سے متعلق کیا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ دوم یہ زاویہ نظر بھی کم اہم نہیں کہ خداوندِ قدوس نے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں عائد کی تھیں وہ آپؐ نے کس کمال اور خوبی سے تکمیل تک پہنچائیں۔

★ معروف دانشور

تکمیل رسالت کے یہ دونوں پہلو یعنی تکمیل و ختم رسالت پر غور کرنے کے یہ دونوں زاویہ ہائے نظر اتنے اہم ہیں کہ ان پر روشنی حاصل کئے بغیر خیر البشر، سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام، آپؐ کی فرض شناسی، اور آپؐ کی سیرت کی بلندی کی صحیح تصویر قلب و ذہن پر نقش نہیں ہو سکتی

اللہ العلیمین نے اس کائنات کو پیدا کیا اور انتہائی توازن سے قائم کیا۔ اس کائنات کی ہیئت، اس کے اندر کی پنہاں قوتیں، اس کی رفتار، اس کے ہر ذرہ کی داخلی حرکت اور خارجی اثرات، اس کی مختلف حصوں کی باہمی کشش کا ردعمل اور پھر وہ توازن جو اس کے ہر حصہ اور اس کے ہر ذرہ کو اپنے اپنے مقام پر قائم رکھ رہا ہے انسان کو دعوت فکر دیتا ہے، اس جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے خدا فرماتا ہے۔

الذین یذکرون اللہ قیاماً قعوداً وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلاً

آلِ عمران

۳ : ۱۹۱

جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ وہ غور کرتے ہیں کہ پروردگار کی تخلیق سماوات اور زمین کو بے وجہ (غلط بنا پر) پیدا نہیں کیا۔ اور یہ سب کچھ انسان کے تصرف کے لئے پیدا کیا۔ کیا یہ امر تفکر و تدبر کے قابل نہیں ہے۔

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ (اپنے حکم سے) تمہارے کام میں لگا دیا۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔

اس کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ عصر جدید کا سائنسدان لاسلکی آلات کی مدد سے حاصل کردہ معلومات کی بنا پر کہتا ہے کہ اس کائنات میں ایسے نظام بھی موجود ہیں جو اس قدر فاصلے پر ہیں کہ ان کی روشنی اپنی سرعت سے سفر کرتی ہوئی لمحۂ کن سے لے کر آج تک اس کرۂ ارضی تک نہیں پہنچ سکی اس قدر وسیع و عریض کائنات میں خداوند بزرگ و برتر نے اس کرۂ ارضی کو بھی پیدا کیا اور قرن ہا قرن کے عمل اور ردعمل کے نتیجہ میں اس کرۂ ارضی کو پانی جیسی نعمت سے نوازا اور پھر اس پانی سے ہر شے کو زندگی بخشی بلکہ پانی کے ذریعہ ہر شے وجود میں لائی گئی۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور تمام جان دار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔
(الانبیا ۲۱ : ۳۰) (اس کے سوا کوئی طاقت کوئی شے تخلیق نہیں کر سکتی)

اور یوں اس کرۂ ارضی کو انسان کی پذیرائی کے قابل بنایا اور پھر انسان کو بہشت سے نکال کر اس خاکدان کے آباد کرنے پر اسے مامور کیا۔ ساتھ ہی اس کے قلب و ذہن کی ترقی اور نشو و نما کے لئے یعنی اس کی رہبری اور اس کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول متعین کیے۔

اوّل اوّل انسانیت ایک ہی روش پر زندگی گزار رہی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کے بتائے ہوئے راستہ کے مطابق اپنے مسائل کا حل دریافت کرتی تھی۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (البقرہ ۲: ۲۱۳)
مگر جب مرور زمانہ اور انسانی کمزوریوں کی وجہ سے ان میں سے کچھ لوگ غلط راہوں پر چل نکلے تو اللہ العلمین نے ان کی رہبری کے لئے نبیوں کو روانہ کرنا شروع کیا۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ (البقرہ ۲: ۲۱۳)
یہ نبی اور رسول خاص مدت اور خاص حلقۂ خلق کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ ان کے پیرووں نے انہیں دوامی حیثیت دینا شروع کر دی اور یوں ادیان اور ان کے عطا کردہ طریق و نظام زندگی کی تعداد میں اضافہ در اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انسانیت کے اس طرح گروہوں اور فرقوں میں بٹ جانے سے انسانی زندگی میں فتنہ و فساد بڑھنے لگا۔ اللہ کو یہ ہرگز منظور نہ تھا۔ اس نے یہ کائنات اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ کھیل تماشہ کے طور پر پیدا نہیں کیا تھا۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (الانبیاء ۲۱ : ۱۶)
یہ کائنات اور اس میں جو کچھ ہے وہ کسی بلند اور کارآمد و صحیح مقصد کے تحت وجود میں لایا گیا ہے۔
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (الحجر ۱۵ - ۸۵)
جیسا کہ ذکر آچکا ہے اس کائنات کی تخلیق کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ انسان اسے اپنے تصرف میں لاکر اپنی زندگی کو بہتر اور خوشتر بنائے (الجاثیہ ۴۵ : ۱۳)

یہ کائنات؛ اس کے لاتعداد نظام جن میں سے نہ معلوم کتنے نظام ہمارے اس نظام شمسی سے بھی وسیع تر ہیں۔ ان میں جو کچھ ہے وہ اس انسان کے تصرف میں لانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس بات کو انسانیت کی منزل بھی کہا جا سکتا ہے۔ غور و فکر کا مقام ہے کہ اس کٹھن منزل کی جانب کا سفر انسان کے سامنے ہے مگر وہ اکثر اس سے غافل ہی رہتا ہے۔ مزید غور و فکر سے کسی حد تک اس بات کی نشان دہی

ملتی ہے کہ انسان کو اپنے اس طویل سفر کے لئے اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے دو شرائط پوری کرنا ہونگی۔

اولاً۔ علم۔ یعنی اس کائنات کو تصرف میں لانے کے لئے ضروری معلومات اور طریق کار۔

دوم۔ وحدت عالم انسانی۔ تاکہ انسانیت گروہوں اور فرقوں میں بٹ کر اپنی ذہنی، روحانی اور بدنی قواء ایک دوسرے کو تباہ کرنے اور مٹانے کے لئے غلط استعمال نہ کرتی رہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انسانیت کا مختلف ادیان میں بٹ جانا اس کے لئے کتنا نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔

ان دونوں شرائط کے پورا کرنے کا راستہ اللہ العلیمین نے انسان کو سمجھا دیا ہے۔ روز اول سے ہی اسے اس راستہ پر ڈال دیا تھا۔ مگر اپنی کوتاہی اور حکم عدولی کی وجہ سے وہ شیطان کے نرغے میں آگیا اور اس وجہ سے اس کے لئے اس کی کٹھن منزل دور ہو گئی تھی۔ اسے روز اول ہی علم سے آگاہ و شناسا کر کے اس کا رُخ اس کی منزل کی جانب کر دیا تھا۔ اسے علم کے زیور سے آراستہ کرنا معمولی بات نہ تھی۔ اس کے اسی علم نے اسے کائنات کی باقی ماندہ مخلوق پر فوقیت بخشی تھی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ ۲ : ۳۱)

اور پھر جب انسان مُدتوں کی گمرہی اور کلام اللہ کی رشد و ہدایت میں وقتاً فوقتاً تحریف کی وجہ سے اپنی صلاحیتوں کو تقریباً بھول چکا تھا، تو اسے اللہ نے آخری بار راہ مستقیم دکھانے کا جو سبق دیا اس کا پہلا حکم بلکہ پہلا لفظ بھی حصول علم کی اہمیت کی طرف حکم دیتا ہے۔

اقراء کہہ کے خالق کائنات نے اپنی کائنات کی اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (والتین ۹۵:۴) کا رُخ ایک بار پھر تصرف و تسخیر کائنات کی منزل کی جانب موڑ دیا۔

انسانیت کی اس منزل کی دوسری شرط یعنی وحدت عالم انسانی کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یوں انسانیت کی مدد کی اور اس کی رہبری کا سامان مہیا کیا اور اسے ایک ہی امت بننے کی غرض سے اپنا آخری پیغام نازل کیا اور واضح طور پر یہ کہہ دیا کہ اب انسان کی ہدایت کے لئے اللہ کی جانب سے کوئی پیغام نہیں آئے گا۔ قیامت تک کے لئے یعنی زمان و مکان سے ارفع تر پیغام کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اولاً پیغام کی کاملیت اور دوم انسانی ذہن کا اس سطح پر ہونا جہاں وہ اس لاثانی پیغام کو سمجھ

سکے. پہلی شرط تو خود خالقِ ارض وسما ہی پوری کر سکتا تھا اور اسی کے بس کی بات تھی. قرآن حکیم، اللہ کا اپنا کلام اپنی پوری آب و تاب اور معجزانہ قوتوں کے ساتھ انسانیت کے سامنے ہے. دوسری شرط کے لئے اللہ نے انسان کو خود تیار کیا تھا اور یہ پیغام اس وقت بھیجا تھا جب انسان کا ذہن بلوغت کو پہنچ چکا تھا. ایک بات اور بھی یہاں قابلِ توجہ ہے. یہ پیغام صرف پڑھنے اور سننے تک محدود نہیں. یہ پیغام عمل ہے. اس لئے اس پر پہلی بار نمونہ کے طور پر کسی انسان کو عمل کرنا تھا تاکہ صدیوں بلکہ سینکڑوں صدیاں بعد میں آنے والی نسلیں بھی اس پیغام پر جب عمل کریں تو ان کے سامنے ایک نمونہ اور طریق عمل کی ایک بہترین مثال موجود ہو. اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اللہ کو جس انسان کو منتخب اور تربیت دے کر تیار کرنا تھا اس میں ان تمام خصائل کی ضرورت ہونا تھی تاکہ ایک دوامی خصوصیات کے پیغام کا بہترین عملی مظاہرہ ہو.

انسانیت کا اوسط ذہن اب اس سطح تک پہنچ چکا تھا کہ وہ ایک ہی پیغام کو سمجھ کر شرق و غرب کی جانب پہنچانے کا فریضہ ادا کر سکے. اس کے یہ معنی ہوئے کہ اب رسالت کے باب کو ختم کرنا تھا اور اس آخری نبی جس نے اس دوامی پیغام پر دوامی عمل پیش کرنا تھا اس کے مبعوث کرنے کا وقت آگیا تھا.

تکمیل رسالت اور ختم رسالت کے فلسفہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو سلسلہ نبوت و رسالت رائج تھا اسے بھی ہمہ وقت ذہن میں رکھا جائے جب اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الحجر ۱۵:۱۰) یہاں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ آپؐ سے قبل ہم نے ماقبل کے مختلف گروہوں میں پیغمبر روانہ کئے تھے. یہاں ماقبل کے گروہوں کا ذکر قابلِ توجہ ہے. یعنی یہ پیغمبر اپنی اپنی قوموں کی طرف آیا کرتے تھے. ان نبیوں اور رسولوں کا دائرہ کار اور ان کے پیغامات کے مخاطب محدود ہوا کرتے تھے. یہی بات ایک اور مقام پر یوں بتائی گئی ہے، وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ ۝ (الروم ۳۰:۴۷) اس کے برعکس اب چونکہ رسالت کے سلسلہ کی تکمیل مقصود تھی اس لئے خالق کائنات نے واضح طور پر فرمادیا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ۝ (سبا ۳۴:۲۸)

یہ بات انسانیت تک خود حضور اقدسؐ کے ذریعے پہنچائی جارہی تھی. اس لئے کہ سب سے پہلے خود آپؐ کو اس بات کا یقین ہونا تھا کہ آپؐ پوری انسانیت یعنی قیامت تک آنے والی نسلوں کی جانب

یہ پیغام لے کر آئے ہیں اور ان سب کے لئے آپؐ کا عمل نمونہ ہے ۔ یہ بات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے قلب و ذہن پر بھی کندہ ہونا تھا کہ آپؐ گو اسی طرح رسول ہیں جس طرح ماقبل کے رسول ہوا کرتے تھے مگر آپؐ کی رسالت تکمیلِ رسالت کا مقام بھی رکھتی ہے۔ اس لئے کہ تکمیلِ رسالت کی وجہ سے آپؐ کی ذمہ داریاں کیفیت و کمیت ہر دو پہلوؤں سے بڑھتی جاتی ہیں اگر انسانیت اللہ کے عطا کردہ علم کے ذریعے تسخیر و تصرفِ کائنات کے سلسلے میں اس کرۂ ارضی کے محیط سے نکل کر دوسرے سیاروں اور ستاروں کو آباد کرنے اور وہاں زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے تو اس سفر کے دوران اور ان سیاروں اور ستاروں پر بھی آپؐ انسانوں کے لئے بشیر و نذیر رہیں گے۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اب ختم و تکمیلِ رسالت کی بنا پر ماقبل کی تمام نبوتیں معطل ہو گئی ہیں۔ اب صرف آپؐ کی نبوت جاری و ساری اور قائم رہے گی اور صرف آپؐ کے توسط سے پہنچا ہوا پیغام قابلِ اتباع و عمل سمجھا جائے گا۔

جب یہ ذمہ داری عطا کی گئی تو اس وقت اس کی اہمیت اور اس کے وزن کا احساس اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ ذمہ داری عطا ہونے والی ہستی اس ذمہ داری کی نوعیت سمجھنے سے قاصر تھی۔ انسانیت کا سفر اس وقت بھی جاری تھا۔ آج بھی جاری ہے اور نہ معلوم کب تک یہ سفر جاری رہے گا۔ اس سفر کے دوران جتنے انسان پیدا ہوں گے ان کے لئے اسی رسالت کا لایا ہوا علم اور اس علم کے مطابق گزاری ہوئی زندگی رشد و ہدایت کا ذریعہ ہو گی۔ یہ وجہ تھی کہ یہ پیغام عطا ہونے والے انسان کو بھی اس کی مدت اور اہمیت سے شروع کے دور میں آگاہ نہ کیا گیا اور خود پیغام کے اندر اس کی اہمیت کو بتدریج واضح کیا گیا۔

دوسری جانب جس ہستی کو اس پیغام پر عمل کی اولیت حاصل کرنا تھی اسے اس دور اور ماقبل کے ادوار کے علم سے نابلد رکھنا ضروری تھا۔ جس انسان کو تکمیل و ختمِ رسالت کے لئے چُنا گیا تھا، اسے اس علم اور ان خصائل سے مبّرا رکھنا ضروری سمجھا گیا تھا جو انسانوں کی طرف سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

اس کا تمام تر علم وہ ہونا تھا جو اسے خدائے ذوالجلال نے عطا کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ ماقبل کے پیغمبروں کی طرح آپؐ کی بھی مخالفت ہونا لازمی تھی۔ اس لئے ان کا اپنا اور ان کے اولین ساتھیوں کا ایمان نہایت درجہ پختہ ہونا ضروری سمجھا گیا۔

پہلی بات کا اہتمام یوں کیا گیا کہ والد بزرگوار کو پیدا ہونے سے قبل اٹھا لیا گیا اور ابھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بمشکل پانچ سال کی تھی کہ والدہ بھی رخصت ہو گئیں۔ اب زندگی میں نمونہ کے طور پر دیکھے جانے والے موجود نہ تھے اور حسنِ سلوک اور رحمت و محبت کے سبق اپنے کے لئے ماں کی محبت موجود نہ تھی، یعنی آپؐ کو مکمل طور پر یتیم بنا دیا گیا۔ فرمایا:۔ الم یجدک یتیماً فاوٰی (الضحٰی ۹۳: ۶)
یہی نہیں بلکہ خوشحال ماحول بھی نہ دیا تاکہ کوئی اتالیق، کوئی استاد، کوئی رہبر محفل اور کوئی ہدایت دینے والا انسان ایسی بات قلب و ذہن پر نقش نہ کر دے جو تکمیل رسالت میں کسی وقت حائل ہو سکے۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى (الضحٰی ۹۳: ۷-۸)

مدعا و مقصد مشیت ایزدی یہ تھا کہ تمام علم اور تمام کمالات و خصائل اللہ کے عطا کردہ ہوں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بے داغ زندگی اور نیک طبیعت کے باوجود وحی کے اسرار و رموز سے واقف نہ تھے۔ اس لئے جب پہلی وحی نازل ہوئی۔ آپؐ کا جواب تھا کہ آپؐ پڑھنے سے ناآشنا تھے۔ خالق کائنات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخواندہ ہونے کا علم رکھتا تھا۔ اسی کی مشیت نے ہی آپؐ کو غیر اللہ کے دیئے ہوئے علم اور غیر اللہ کی دی ہوئی تربیت سے محفوظ رکھا تھا۔ آپؐ کے اُمی ہونے کا ذکر اللہ کے آخری پیغام میں کم از کم چار بار آیا ہے۔ ساتھ ساتھ آپؐ کے ایمان باللہ کا ذکر ایسے لطیف پیرائے میں آیا ہے کہ ایمان کی قدر و منزلت کے مقام کی نشاندہی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ آپؐ سب کو بتا دیں کہ آپؐ کی رسالت یوم قیامت تک ہے حالانکہ آپؐ اُمی ہیں۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف ۷: ۱۵۸)

اس آیہ کریمہ میں چند انتہائی اہم اور محکم باتیں موجود ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ خود آپؐ کو اپنے مقام کے متعلق اعلان کرنے کے لئے کہہ رہا ہے کہ

۲۔ آپؐ آخری رسول ہیں، اب کوئی فرد بشر آپؐ کے لائے ہوئے دین کے مطابق زندگی گزارے بغیر یعنی آپؐ کی نبوت و رسالت کو قبول کئے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

۳۔ آپؐ اس خداوند ذوالجلال والاکرام کے آخری نبی اور رسول ہیں جس کی بادشاہی پوری کائنات میں ہے یعنی اگر انسانیت کسی دوسرے سیارے یا ستارے پر بھی سکونت اختیار کرلے گی تو بھی آپؐ کی رسالت و نبوت کی عطا کردہ شریعت کی وہاں بھی پابندی ہوگی۔ ورنہ امن اور خوشحال زندگی سے بہرہ ور نہ ہوسکیں گی۔ توجہ دلائی گئی ہے کہ خدا ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک حی و قیوم ہے اور رہے گا۔ کائنات کا مالک بھی وہی ہے۔

۴۔ یہ وہ نبی ہے جس کی تمام تربیت، جس کا تمام علم، جس کی تمام خصوصیات اور جس کا کردار و اخلاق اللہ کا عطا کردہ ہے۔ وہی تو ہے جس نے آپؐ کو کتاب عطا فرمائی۔

هُوَ الَّذِیٓ اَنزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ (آل عمران ۳-۷)

اللہ نے یہ بھی یاد دلایا ہے کہ اس نے روح القدس کے ذریعے آپؐ پر وحی نازل کی۔ یہ اس وقت کی طرف اشارہ ہے جب آپؐ اس حقیقت سے ناآشنا تھے۔ آپؐ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اللہ کی کتاب سے کیا مراد ہے، بلکہ آپؐ کتاب کا علم ہی نہ رکھتے تھے

ماكنت تدرى ما الكتٰب ولا الايمان (الشوری ۴۲، ۵۲)

۵۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ وہ خیالات کی ترجمانی کا نتیجہ نہیں۔ یہ غلط ہے کہ اللہ کی جانب سے خیالات قلب و ذہن پر نقش ہوتے تھے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ان خیالات کو الفاظ کا جامہ پہناتے تھے۔ عصر جدید کے فلاسفر ایک بار پھر یونانی تصورات کا شکار بن رہے ہیں۔ وحی ہرگز الہام کی ترقی یافتہ صورت نہیں۔ وحی اللہ کا اپنا کلام ہے اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر۔

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ : (البقر ۲ : ۲)

وحی صرف اللہ کی جانب سے اللہ کے الفاظ کا نام ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡیًا

اور جب وہ روح القدس کو استعمال کرتا ہے کہ وہ اس کا کلام پہنچائے تو یہ امانت دار امانت کے الفاظ من وعن لے کر پہنچا ہے۔ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا یَشَآءُ (الشوری ۴۲، ۵۱)

۶۔ اس آیہ میں واضح طور پر اللہ کے رسول کا اتباع کرنے کا حکم ہے۔ یعنی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ سنت رسول ؐ کے مطابق عمل کا حکم قرآن دے رہا ہے اور قرآن کا حکم اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا حکم فرض عین کا مقام رکھتا ہے۔

تکمیل رسالت کے دوسرے زاویہ نگاہ پر غور کرتے سے قبل یہ معلوم کرنا بھی مناسب ہو گا کہ تکمیل و ختم رسالت کے منصب پر فائز ہونے والے بشر کو کون کون سے فرائض تفویض کئے گئے تھے۔ ان فرائض اور ان کی حدود معلوم کرنے کے لئے بھی قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا مناسب اور صحیح ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ (النساء ۴ : ۱۰۵)

آپؐ کو حکومت بھی اللہ نے عطا فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ لوگوں کے درمیان حکومت انصاف و عدل کے اس پیمانے پر کیجیے جس کی رہبری اور ہدایت آپؐ کو اللہ کی جانب سے عطا ہوئی ہے۔

دوسری جانب انسانیت کو جب تنبیہ کی جا رہی ہے تو حضور اقدس ؐ کے فرائض کی حدود متعین کی جا رہی ہیں۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ آپؐ کا فرض صرف اتنا ہی ہے کہ آپؐ اللہ کا عطا کردہ پیغام لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد لوگوں کا راہ راست کو قبول کرنا یا راہ راست سے ہٹے رہنے کی ذمہ داری آپؐ پر نہ ہو گی۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا (الاسراء ۱۷ : ۵۴)

اس لئے آپؐ فکر مند نہ ہوا کریں۔ آپؐ کو رسالت کی تکمیل کے فرائض اس لئے نہیں دیئے گئے کہ آپؐ فکر مند رہا کریں۔ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝ (طٰہٰ ۲۰ : ۲)

اس مضمون کو کئی بار سامنے لایا گیا ہے۔ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝ (المائدہ ۵ : ۹۲)

اس سورہ کی آیہ ۹۹ میں یہ بات ایک بار مزید دہرائی گئی ہے۔

آپؐ کی بعثت کا مقصد ایک اور انداز سے بھی بتایا گیا ہے وہ یہ کہ آپؐ کو قرآن اس لئے عطا ہوا۔ تاکہ انسانیت کو ظلمت سے نکال کر نور میں لے آئیں۔ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۝ (ابراہیم ۱۴ : ۱)

مگر یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہی ممکن ہو سکے گا۔ بِاِذۡنِ اللّٰهِ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے دوران میں آپؐ نے نیک راہ پر چلنے والوں کو اجر کی خوشخبری سنانا تھی اور گناہ و عصیاں پر قائم رہنے والوں کو یوم

قیامت اور سزا سے ڈرانا بھی تھا۔

یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھداً ومبشراً ونذیراً (الاحزاب ۳۳: ۴۵)

تکمیل رسالت کے دوسرے پہلو یعنی احکام قرآنی پر کس طرح عمل ہوا، اس پہلو کے کچھ واقعات کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے، البتہ بیشتر حدیث اور سیرت کی کتب کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر دفاع مملکت سے متعلق حکم ہے کہ اے مسلمانو! اپنا دفاع کئے رہو۔

یا ایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم (النساء ۴: ۷۱)

حالاں کہ بدر و احد، احزاب اور حنین سے متعلق واقعات کی طرف قرآن میں اشارات موجود ہیں، ہمیں دفاع ریاست و مملکتِ مدینہ سے متعلق تفاصیل کے لئے حدیث و سیرت کی کتب کا مطالعہ کرنا ہوگا

آپؐ کے ذمہ انسانیت کو ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لانا تھا۔ یہ فریضہ فرد کی نسبت سے بھی عائد ہوتا تھا اور جماعت کی سطح پر بھی۔ اسلام مکمل نظام پیش کرتا ہے، یعنی فرد اور جماعت دونوں کی رہبری کے احکامات موجود ہیں۔ اس لئے ہمیں اسلام کے عطا کردہ نظام کے عملی پہلو پر روشنی حاصل کرنے کے لئے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں فرد اور جماعت ہر دو کے طریق کار کے لئے رہنمائی ملتی ہے۔ آپؐ کے سامنے پہلا مرحلہ تبلیغ اسلام کا تھا۔ اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے آپؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپؐ پیار و محبت اور حکمت سے اللہ کی راہ کی طرف آنے کی دعوت دیں۔ ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ○ (النحل ۱۶: ۱۲۵)

حضور پُر نورؐ نے جس کمال احتیاط سے اس حکم پر عمل کیا وہ سیرت کی کتب کے علاوہ قرآن کی آیات سے بھی ثابت ہے۔ ایمان نہ لانے والوں اور کمزور ایمان والوں پر آپؐ جس قدر مضطرب رہتے تھے۔ اس کے متعلق کلام الٰہی میں ہے۔

اور ایمان لانے والوں کے متعلق جو الفاظ استعمال ہوئے وہ بھی قابل توجہ ہیں۔ ان سے آپؐ کی شفقت اور آپؐ کی مہربانی واضح ہوتی ہے۔ بالمومنین رءوف رحیم ○ (التوبہ ۹: ۱۲۸)

تکمیل رسالت جس کامیابی کے ساتھ عمل میں آئی وہ ان ایمان لانے والوں کے پختہ ایمان سے ثابت ہوتی ہے جس محنت، محبت، یکسوئی اور صبر و استقلال سے آپؐ نے ان ایمان لانے والوں کی تربیت کی جنہیں صحابہ

کرامؓ کہا جاتا ہے وہ ان کے لازوال کارناموں سے ظاہر ہے۔ تاریخ کے صفحات کے علاوہ خود کلام اللہ ان کے بلند ایمان اور ان کی اسلام سے وابستگی و شیفتگی کا ذکر کرتا ہے۔ میدان جنگ کے ذکر کے دوران ارشاد ہے

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳ : ۲۲)

یہی وہ کامل و اکمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے والے صحابہؓ تھے جنہیں مخاطب کر کے اللہ العالمین نے فرمایا ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران ۳ : ۱۱۰) یعنی آج تک اس پایہ کی بلند کردار، عادل و منصف امت وجود میں لائی گئی تھی۔ ان کے ایمان کا یہ درجہ قرار پایا تھا کہ یہ دنیا میں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ :۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ ۱۴۳)

جس طرح آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تربیت یافتہ صحابہؓ کے لئے اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے شاہد مقرر فرما گئے تھے۔ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (البقرہ ۲ : ۱۴۳)

تکمیل رسالت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور پھر ان کے ہاتھوں تربیت یافتہ انسانیت کی رہبری اور تربیت پر مامور کئے جاتے ہیں۔ یہی تو کمال رسالت ہے کہ آپؐ کی تربیت کا صدقۂ جاریہ صدیوں بعد بھی شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کا مقام حاصل کرتا رہے گا۔ یہ ان فیض یافتگان دربارِ رسالت کا کرشمہ ہے کہ پندرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی انتہائی عقیدت و جاں سپاری کے ساتھ تکمیل رسالت پر گفتگو ہو رہی ہے اور اس ساعت تک جاری رہے گی جب وقت کی رفتار رُک کر صورِ اسرافیل کا باعث بنے گی۔ اور چاند ستارے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو کر فنا کا منظر پیش کریں گے۔ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝

یہ بھی تکمیل رسالت ہے کہ اپنے ہاتھوں کے تربیت یافتہ اصحاب کی ایک ہی نسل کو ایمان کے ان بلند ترین درجات سے فیض یاب فرما دیا کہ ان کے جلائے ہوئے چراغوں کے طفیل پھر تا قیامت نہ کسی نبی کی ضرورت محسوس ہوگی، اور نہ کبھی کسی مصلح کی غیر موجودگی محسوس ہو گی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول تھے آپؐ کے صحابہؓ براہِ راست آپؐ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپؐ نے انہیں اس مقام پر فائز فرمایا جو انسانیت کے معراج کے حلقہ اولین کا درجہ رکھتا ہے۔

غار کے پُر اضطراب لمحات کا وہ ساتھی جسے قرآن حکیم نے "صرف دو میں سے دوسرا" کہہ کے یاد کیا ہے وہ واحد بشر ہے جسے قرآن حکیم میں خاص طور پر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے "صحابی" کا خطاب عطا ہوا ہے۔ اس یارِ غارؓ کی تربیت رسولِ کاملؐ نے نبوت کے مکمل لمحات میں خاص شفقت اور پیار سے کی تھی۔ وہ پہلا مرد مسلمان تھا جس نے اعلانِ رسالت پر فوراً لبیک کی صدا بلند کی تھی اور جس نے تیئس سال کے ایک لمحہ میں بھی نہ لغزش کھائی اور نہ دوری قبول کی۔ اس مردِ خدا نے خدا کے رسول آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حاصل کردہ تربیت کا ثبوت انتہائی ذمہ داری کے وقت اس خوبی سے دیا کہ سربراہان مملکت وریاست کے لئے نمونہ رہے گا۔ جب امت نے اس کو ریاست وحکومت کا سربراہ منتخب کیا تو اس نے دنیا کی سب سے طاقت ور بازنطینی سلطنت کے حملوں کے خلاف وہ اقدامات کیے جو اس وقت اور کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب خود ریاست کے اندر ارتداد کی پیدا کردہ بغاوتوں نے ملک کے کونے کونے میں سر اٹھا رکھا تھا۔ اس "ثانی اثنین" نے احکام ریاست کی فرمانبرداری کا وہ بلند معیار قائم کیا جو پھر تاریخ نہیں دکھا سکتی۔ اس کا قول ہے کہ اگر واجب زکوٰۃ سے کوئی حقیر و ناچیز سی شے بھی بچا رکھی جائے گی تو وہ حکم عدولی کرنے والے کے خلاف جنگ کے اعلان سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ یہی وہ مسند نشین عرب و عجم ہے جس نے خلافت سے قبل اور خلافت کے علاوہ بوڑھی اور نادار پڑوسن کی بکری دوہنے کا معمول بھی جاری رکھا تھا۔ اور پھر عنانِ حکومت اس صحابیؓ کے ہاتھ میں دے کر اللہ کے حضور حاضر ہوا جس کے ایمان لانے کے لیے خود ختم الرسلؐ نے بارگاہ رب العزت میں دستِ دُعا بلند فرمائے تھے۔

دعائے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجہ میں جو صحابی دولتِ اسلام سے مالا مال ہوا تھا۔ اس کے شب و روز کا یہ حال تھا کہ دن کو ایران اور بازنطین جیسی دو بڑی سلطنتوں کے حملوں کے خلاف دفاعی منصوبے تیار ہوئے تھے اور راتوں کو دارالخلافہ کی گلیوں میں گھوم کر ملت کے مسائل کا کھوج لگایا جاتا تھا اور اگر کوئی بے کس و بے آسرا کنبہ نظر آجاتا تو خلیفہ وقت جس کے نام سے عرب و عجم کانپ کانپ اٹھتے تھے اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لاد کر اس کنبے کے خیمے تک پہنچاتا تھا۔ یہی وہ سریر آرائے مسند خلافت تھا جس نے امیر وقت کی ذمہ داری کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ اگر دور دراز دجلہ کے کنارے کوئی ذی نفس بھوک سے مرجائے

گا تو یہ اس کی ذمہ داری قرار پائے گی۔ تکمیل رسالت کے تربیتی پہلو کی نشان دہی عمرؓ ابن خطاب کی ذات سے یوں بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آج تک اس کردار اور اس دور اندیش ذہن کا سربراہ مملکت تاریخ میں نظر نہیں آیا ہزاروں چاہتے ہیں کہ عمرؓ کا عکس اپنی ذات میں پیدا کر لیں مگر جب تربیت خیر الوراؐ موجود نہ ہو تو دوسرا عمرؓ کہاں سے وجود میں آئے۔ خود عمرؓ کو اپنے مقام کی ذمہ داریوں اور ان کی گراں باری کا احساس تھا۔ اس نے داعی اجل کو لبیک کہنے سے کچھ قبل جب اپنے جانشیں کے چناؤ کی مجلس قائم کی تو کہا کہ اس کے بیٹے کو ہرگز اس کا جانشین نہ چنا جائے۔ خاندانی جانشینی کے خوف کے علاوہ اس لئے بھی کہ خطاب کی اولاد عمرؓ کی خلافت کے ذریعہ اپنی تمام ذمہ داریاں ادا کر چکی ہے۔

اور پھر وہ جسے بیتِ نبیؐ میں دوبار شرفِ دامادی عطا ہونے پر "ذی النورین" کا خطاب عطا ہوا، اس کے قلب غنی کی مثال نہیں ملتی۔ یہ وہ صاحبِ مسند ہے جس نے جان دے دی مگر امت کے خون کو ارزاں کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی شہادت بھی اس کے فقر و غنا کی ایسی مثال ہے جو اس کی پوری زندگی کی قربانیوں کو مزید روشن کر دیتی ہے جس طرح اس نے زندگی بھر اپنی ضروریات پر امت کے مسائل کو ترجیح دی، اسی طرح آخری لمحات میں بھی اپنا خون پیش کر کے امت کے خون کی ندیاں روک ڈالیں۔ اُمت کے اس تیسرے سربراہ کا یہ کردار بھی نبیؐ آخر الزمان کی تربیت کا فیض تھا

اور وہ چوتھا خلیفۂ راشد جو صداقت، عدالت اور سخاوت کی جلوہ گری کے بعد صاحب مسند ارشاد بنا اور امت کی عنانِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لی وہ شجاعت کا مرقع تھا۔ دلیری و مردانگی میں وہ یکتائے زمانہ تھا۔ اسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ صغیر سنی سے خیر الوراؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا رہا تھا اور اس کے کردار کی تمامتر خوبیاں حضور پرُنور کی دی ہوئی تربیت کا فیض تھیں۔ میدان جنگ میں جب لشکر سالار مدینہؐ نے کسی مشکل کام کے لئے منتخب کیا تو اس نے خندہ پیشانی سے وہ مہم قبول کی اور اللہ نے اسے کامیابی سے نوازا۔ حضور اقدسؐ نے افراد کو ہی تربیت نہیں دی بلکہ آپؐ پورا معاشرہ وجود میں لائے تھے جب آپ کے تربیت یافتہ افراد نے جماعت کی صورت اختیار کی تو انہوں نے اجتماعی مسائل میں ایسی راہیں روشن کیں کہ آج پندرہ صدیوں بعد بھی لاکھوں کروڑوں کی یہ تمنا ہے کہ کاش وہ نظام ملتِ اسلام کو خلفاء راشدین کا ہلکا سا رنگ دے سکیں۔

ملی زندگی کی صحیح سمت وہ ہے جو بنی نوعِ انسان کو تصرف و تسخیر کائنات کی منزل کی جانب لے جائے۔ اس منزل کی جانب پیش رفت کو خود غرض اور کوتاہ بین گروہ روکتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے گروہ ظلم وستم کے ذریعے انسانی اقدار کو پامال کرنے کے علاوہ کمزور گروہوں کو غلام بنا کر انسانیت کی سطح سے گرنے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔ اللہ العالمین نے اس طرح کے ظلم وستم روا رکھنے والوں کے خلاف علَم جہاد بلند کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان احکام کے اولین مخاطب سرور کائنات اور آپؐ کے تربیت یافتہ صحابہ رضؓ تھے۔ آپؐ کے جاں نثاروں کی تعداد کم اور ان کے پاس آلاتِ جنگ اس سے بھی کمتر تھے۔ اس اُمت نے اللہ کے حکم کی تعمیل جس خوبی سے کی، تاریخ جنگ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دفاعِ ملت کے متعلق اللہ کا حکم زیر مطالعہ آچکا ہے۔ البتہ یہ بھی تو حقیقت ہے کہ ملت ابھی سامان جنگ کی استعداد سے محروم تھی۔ خداوند قدوس نے خذوا حذرکم کے علاوہ یہ بھی تو کہہ رکھا تھا کہ جب جہاد فرض ہو جائے تو ہلکے یا بوجھل ہونے کی طرف نگاہ نہیں کی جا سکتی۔ جو قدرت خداوندی اور حاکمیت ربِ ذوالجلال پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کمزور حالت میں بھی ملّت کے دفاع کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ اللہ کی مدد کے حق دار سمجھے جاتے ہیں۔ حکم خداوندی سے سرتابی کی مجال بندگانِ خدا کو کیوں کر ہو سکتی ہے اس کا حکم ہے:۔

اِنفِروا خِفَافاً وَّثِقَالاً

ہلکے یا بوجھل (جیسے بھی ہو) میدان جنگ کو کوچ کرو۔

وَجَاھِدُوا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِی سَبِیلِ اللہِ

اور اللہ کی راہ میں (ملت کے دفاع کے لئے) اپنی جانوں اور اپنے مال سے جہاد کرو (التوبہ ۹: ۴۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گنتی کے افراد تھے اور مال واسباب تو بالکل ہی کمتر تھا۔ مگر آپؐ نے دشمن کے ہر حملہ کے خلاف پورا پورا دفاع کیا۔ بدر و احد اور خندق و حنین کے صبر آزما لمحات اور پھر موطہ کے مقام پر تین ہزار صحابائے ختم الرسلؐ کا دو لاکھ بازنطینی لشکر کو میدان چھوڑنے پر مجبور کرنا یہ ایسے واقعات ہیں جو آپؐ کی اعلیٰ وارفع تربیت اور اس کے نتائج قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

بایں ہمہ جنگ نہ تو اسلام کا منتہیٰ مقصود ہے اور نہ ظالموں کے قلبی و ذہنی امراض کا حقیقی علاج۔ یہ امراض تو موعظہ حسنہ سے ہی دور ہوا کرتے ہیں اور آپؐ کے دور میں واقعتاً دور ہوئے۔ منزل تصرف و تسخیر کائنات ہے۔ اس کا راستہ امن اور علم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ امن کی اہمیت احکام قرآنی کے مطالعہ سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ فتنہ و فساد کو قتل سے گراں تر قرار دیا ہے اور ایک انسان کے قتل بے جا کو پوری انسانیت کا قتل تصور کیا ہے۔

مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (البقرہ ۳۲:۲)

اس لئے اسلام میں صلح قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ حکم ربانی ہے کہ دشمنوں کے ہم قوم جنہوں نے تم پر اپنے ہم قوموں کے ساتھ مل کر حملہ نہیں کیا یا وہ لوگ جو ایسی قوم کے حلیف ہوں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا عہد نامہ ہو تو ان کے خلاف تم جنگ نہیں کر سکتے۔ ان کا صلح کا پیغام ضرور قبول کیا جائے۔

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝

(النساء ۹۰:۴)

صلح کی پیش کش کو قبول کرنے کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے کہ مدینہ پر بار بار حملہ کرنے والے جب حدیبیہ کے مقام پر بے یار و مددگار رہ گئے تھے اور ان کا مرکز صرف بیس کیلو میٹر کے فاصلہ پر دفاع کے ناقابل تھا اور ادھر بدر و احد اور خندق کے صبر آزما لمحات کے تربیت یافتہ بیعت رضوان سے سرفراز ہو چکے تھے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے نبیؐ، اپنے ہادیؐ، اپنے سپہ سالار و سربراہ ملک و ملت اور شہنشاہ قلب و ذہن کے ہاتھ پر تا حد شہادت لڑنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت آپؐ نے ایسی شرائط پر صلح کر لی تھی جو بادی النظر میں اہل مکہ کی برتری کا احساس دلاتی تھیں۔ اسی صلح کے عہد نامہ کو اللہ العلمین نے فتح کے الفاظ سے نوازا تھا۔ اسی صلح کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تکمیل رسالت کے جلیل القدر عہدہ پر فائز اللہ کا آخری پیغام بردار امن اور سلامتی لانے والا رسول، اور تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آنے والا اللہ کا محبوب صلح اور محبت ہی کا درس دے سکتا تھا۔ اس عہد نامے کے اتنے دور رس پہلو ہیں کہ اگر قوموں کے رہنما اسے نگاہ میں رکھیں تو کشت و خون میں کمی ہوتی رہے۔ ایسے مواقع دیکھنے میں آئے ہیں کہ جب جنگ جاری ہو تو ایک فریق جنگ بندی پر اپنی رضا مندی کا اظہار کرتا ہے

جس طرح کہ دوسری جنگِ عظیم میں جرمنی کی جانب سے ہوا تھا، مگر طاقت ور فریق جنگ بندی سے قبل شرائط کی قبولیت پر مصر رہتا ہے اور یوں بے وجہ کشت و خون کا بازار گرم رہتا ہے۔ اس طرح کا کشت و خون جاری رکھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اللہ کا حکم ہے کہ جب دشمن صلح کی جانب مائل ہو تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ!

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الانفال ۸ : ۶۱)

حضور اقدس ؐ نے صلح حدیبیہ ان ہی احکامات کی روشنی میں کی تھی اور اہل مکہ کی جانب سے دوبارہ جنگ شروع ہونے کے خدشہ کے باوجود اللہ پر بھروسہ رکھا تھا۔

خیبر کا واقعہ بھی بین الملکی سیاسیات کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہے۔ اہل خیبر مدینہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ ان کے حلیف بنو غطفان بھی کئی سال سے مدینہ کے خلاف حملے کرتے رہے تھے۔ صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں فریقوں یعنی مکہ اور مدینہ کے ساتھ جو طاقتیں شمولیت کا اعلان کریں گی، وہ بھی اس صلح نامہ کی شرائط سے مستفیض ہو سکیں گی۔ اسی وقت اس شرط کا ردِ عمل بھی ہوا اور طرفین کے ساتھ ایک ایک حلیف شامل ہو گیا۔ مگر خیبر کے یہود اور بنو غطفان نے اس صلح نامے میں شرکت نہ کی۔ ایک مہینہ کے انتظار کے باوجود جب انہوں نے اپنے پرانے ساتھی اہل مکہ کے ساتھ حدیبیہ کے عہد نامے میں شامل ہونے کا فیصلہ نہ کیا بلکہ بنو غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ کے خلاف حملہ کی تیاریاں شروع کیں تو ان کے خلاف فوج کشی کی گئی، انہیں شکست ہوئی۔ اہل فدک نے خیبر کی شکست کی خبر سن کر صلح کا پیغام بھیجا، حالانکہ اہلِ فدک اہل خیبر کے حلیف تھے مگر آپ ؐ نے ان کے خلاف حملہ روک دیا اور جو شرائط اہل فدک نے پیش کی تھیں ان پر ان کے ساتھ صلح قبول کر لی۔

جنگ انسانی معاشرت کا جزو رہی ہے۔ شاید آئندہ بھی یہی حالات رہیں۔ تاریخ جنگ میں ایک بات مسلسل توجہ کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ جہاں کہیں کوئی مسلمان سپہ سالار فتح مند ہوتا ہے وہ مفتوح کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے اور ظلم کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ غیر مسلم سپہ سالار اور ان کی افواج ہمیشہ مفتوح کے ساتھ ظالمانہ رویّہ رکھتے ہیں۔ بیت المقدس ہو، خرطوم ہو، دہلی ہو یا غرناطہ یورپی فاتحوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ اسی بیت المقدس میں جب صلاح الدین ایوبی کی زیر کمان مسلمان فاتح بن کر داخل

ہوئے تو کسی ایک فرد بشر پر بھی ظلم نہ ہوا۔ اس فرق کی وجہ صرف یہ ہے کہ غیر مسلم سپہ سالاروں اور ان کی سپاہ کے سامنے کوئی مثال نہیں جس کے مطابق وہ عمل کریں۔ تکمیل رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی ہے اور آپؐ نے زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح جنگ اور بین الاقوامی سیاسیات میں بھی سیرت کے وہ نقوش چھوڑے ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے مینارِ نور کا کام دینا ہے۔ صلح حدیبیہ ہو، بدر کے قیدیوں کے ساتھ سلوک ہو۔ طائف کا محاصرہ اٹھا لینے کا فیصلہ ہو یا مکہ کے مفتوح دشمن کو بخش دینے کا منظر ہو اور یا پھر چند روز بعد جبران کے مقام پر ان لوگوں کو ایک ایک سو اونٹ انعام عطا کرنے کا واقعہ ہو جنہوں نے دارالندوہ میں بیٹھ کر اس اعلان کا فیصلہ کیا تھا کہ جو محمدؐ کو زندہ یا قتل کر کے لے آئے گا اسے ایک سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ (النحل ۱۶ : ۱۲۵)

کا درس تمام عمر دینے والے خیر البشرؐ کی سیرت ہی انسانیت کو امن و سکون کا وہ ماحول عطا کر سکتی ہے جو اسے تصرف و تسخیر کائنات کی منزل تک پہنچائے گا۔

خالق کائنات نے کائنات کا وجود پیدا کیا۔ اس میں اس کرۂ ارضی کو زندگی کا بوجھ سہارنے کے قابل بنا کر اسے انسان کا مسکن قرار دیا اور پھر اس کی بتدریج تربیت کے لئے نبی اور رسول بھیجے۔ آخر میں جب اس کا ذہن ابدی پیغام سمجھنے اور سمجھ کر اس کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل ہو گیا تو اپنی خاص توجہ سے سلسلہ رسالت کے آخری تاجدار کو اس پیغام پر مامور کیا کہ وہ ایسے انسانوں کو تربیت دے، جو انسانیت کے اس اہم سفر کے لئے اور اس کی منزل کی جانب رہبری کے لئے محکم نقوش چھوڑ جائیں، تاکہ انسانیت آپؐ کے کہنے کے مطابق علم کو فریضہ سمجھ کر پنگھوڑے سے لحد تک علم کی جستجو چین جیسے دور دراز خطوں میں کرتے رہیں اور پھر تسخیر کائنات کی ذمہ داریوں کو بدرجہ اتم ادا کر سکیں۔ کسے انکار ہو سکتا ہے کہ روزِ ازل سے یہ نقشہ خالق کائنات کے ذہن میں موجود تھا اور ان ہی معنوں میں لولاک لما خلقت الافلاک کہا گیا ہے۔ خالق کل، قادر مطلق، اللہ العلمین نے ان ہی جذبات و احساسات کو ہمیشہ زندہ

رکھنے کے لئے فرمایا ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط اس لئے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا ہ

(الاحزاب ۳۳ : ۵۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدرّسِ کامل کی حیثیت سے

رسولِ اکرمؐ بحیثیت معلّمِ کامل

★ پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد

اس ساتویں قومی سیرت کانفرنس کا مرکزی خیال " رسول اکرم بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت" اپنے اندر بہت جامعیت لئے ہوئے ہے۔ اس مرکزی خیال کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا تقریباً ہر پہلو آجاتا ہے کیونکہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہونیکی وجہ سے اس نبی آخر الزماں نے انسانی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں کامل عملی نمونہ چھوڑا ہے جس سے ہر عہد میں ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم جہاں ایک طرف یہ اعلان کرتا ہے کہ " فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۳۳ : ۲۱) یعنی بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ وہیں یہ حقیقت بھی واضح کہ "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین (۳۳ : ۴۰) یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں کچھ سیکھنا ہے تو اسی نبیؐ سے سیکھ لو کہ اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا اور اس نے جو ہدایت تمہیں دی ہے وہ حاصل کر لو کہ اس سے بہتر ہدایت کوئی

★ صدر شعبہ علوم اسلامی و ڈین کلیہ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی

اور نہ دے سکے گا. گویا مظہر تکمیل نبوت و رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ایسی جامع اور کامل ہے کہ انسان خواہ کسی شعبہ زندگی سے بھی تعلق رکھتا ہو حضور کا اسوہ اس کی رہنمائی کرے گا۔

چنانچہ رسول پاک کی سیرت میں دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح تعلیم و تعلم کے متعلق بھی ایک مثالی نمونہ ملتا ہے. آج کی مجلس میں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اس پہلو پر روشنی ڈالیں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تعلیم جیسے اہم شعبہ زندگی میں حضور کا کیا اسوہ تھا اور کس طرح ہم اس سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں.

دُنیا کے ہر معاشرہ میں علم کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے. یہی وجہ ہے کہ قومیں اپنی ترقی کے لئے علم کی ترویج و اشاعت کو انتہائی ضروری سمجھتے ہوئے اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرتی ہیں. البتہ اسلام کو اس سلسلے میں یہ منفرد مقام حاصل ہے کہ یہ سراپا علم بن کر آیا اور اس نے اس کو ایک بنیادی اور اولین ضرورت اور فضیلت کا معیار قرار دیا. چنانچہ تخلیق آدم کے وقت انسان کو فرشتوں پر فضیلت اسی علم کی بناء پر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے علم کی فضیلت کا اظہار اس طرح کیا کہ حضور اکرمؐ پر سب سے پہلے جو وحی آئی، اس میں پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ اسلام کا سب سے پہلا اعلان تھا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ
اسی طرح قرآن پاک کی دوسری بہت سی آیات میں لکھنے، پڑھنے یا علم سیکھنے کا ذکر آتا ہے. چنانچہ ایک جگہ لکھنے پڑھنے کی چیزوں کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے. "قسم ہے دوات کی اور قلم کی اور اس چیز کی جو تم لکھتے ہو" دوسری جگہ علم میں زیادتی کی دُعا مانگنے کی ترغیب دلاتے ہوئے یہ کلمات سکھائے جاتے ہیں "رب زدنی علماً" یعنی میرے آقا مجھے علم میں زیادتی عطا فرما. ایک اور مقام پر حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی زبان سے یہ دُعا منگوائی جاتی ہے کہ "اے اللہ اس اُمت کے لئے ایک نبی مبعوث فرما جو اسے علم و حکمت کی تعلیم دے۔

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالےٰ نے انبیاء و رسل کو معلم بنا کر بھیجا. تعلیم و تربیت ان کا وہ اولین فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے بغیر ان کے منصب کے تقاضوں کی تکمیل نہیں ہو سکتی. تمام انبیا نے یہی فریضہ انجام دیا اور اس کی ادائیگی کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں. اللہ تعالیٰ رسولوں کے اس کام کو انسانیت پر احسان سے تعبیر کرتا ہے. چنانچہ ارشاد ربانی ہے" درحقیقت مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ورنہ اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"

جب تمام انبیاء کا بنیادی فریضہ تعلیم ٹھہرا تو پھر نبی آخر الزماں مظہر تکمیل نبوت کے فرائض منصبی میں تعلیم کیوں نہ ہوتی، چنانچہ آپ نے اپنے بارے میں خود ارشاد فرمایا کہ "بعثت معلما" یعنی میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اگر ہم سیرت طیبہ کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ رسول اکرم کی پوری پیغمبرانہ زندگی میں از ابتدا تا انتہا علم کا عمل جاری وساری رہا۔ دیگر انبیاء کی طرح آپ کی اصل حیثیت معلم کی تھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم حاصل کر کے اللہ کے بندوں تک وہ باتیں پہنچائیں جن کا تعلق زندگی کے مختلف گوشوں سے ہے۔

البتہ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایسے معلم نہ تھے جو کسی عام درس گاہ کے ہوا کرتے ہیں اور جن کا علم کسی خاص مضمون تک محدود رہتا ہے بلکہ آپ کی تعلیم ایسی جامع تھی جو انسان کو زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی مہیا کرتی ہے، گویا آپ دنیا میں معلم کامل بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کا ارشاد ہے "میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں، میں تمہیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہوں" یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیرت کی کتابوں میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عقائد و عبادات کے متعلق ملتی ہیں وہیں ہمیں معاشرتی آداب، حقوق و فرائض اور کاروباری معاملات وغیرہ کا درس بھی ملتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نبوت کا آغاز لفظ "اقرا" سے ہوتا ہے جس کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ قرآن کے علاوہ متعدد احادیث نبویہ بھی موجود ہیں جن میں علم کی فضیلت و اہمیت، اس کے حصول کے طریقے اور معلم اور متعلم کے آداب و فرائض وغیرہ بہت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان احادیث سے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی معلمانہ حیثیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ تفصیلات میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے البتہ دو ایک قرآنی آیات اور چند احادیث کی مدد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اس پہلو پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ ایک کامیاب معلم کے لئے زیور علم سے آراستہ ہونا اس کی بنیادی ضرورت ہے، اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالٰی نے معلم بنانے کا فیصلہ فرمایا تو انہیں وہ سب کچھ سکھا دیا جو ایک معلم کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ زیور علم سے آراستہ ہو جانے کے بعد حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کو اپنے صحابہ میں منتقل کر دیا. علم کی یہ منتقلی اس طور پر ہوئی کہ ایک کامیاب معلم کی طرح آپ نے صرف زبانی ہدایات دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان پر عمل کر کے بھی دکھا دیا. گویا معلومات کا ذخیرہ اس طور پر طالب علموں میں منتقل کیا کہ یہ علوم انہیں اچھی طرح سمجھ میں آجائیں۔

حضورؐ کے اس عمل نے یہ درس ملا کہ معلم اس وقت تک تعلیم دینے کا اہل نہیں ہوتا جب تک خود اسے موضوع پر پورا عبور نہ حاصل ہو. دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تدریس و تعلیم کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ صرف لیکچر دے دیا جائے خواہ طالب علم کی سمجھ میں کوئی بات آئے یا نہ آئے بلکہ صحیح طریقہ تدریس یہ ہے کہ اپنی بات ہر ممکنہ طریقہ پر اس طرح سمجھائی جائے کہ متعلم کی سمجھ میں آجائے۔

تعلیم و تعلم سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی تعلیمات سیرت و احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں. ان میں سے ایک یہ ہے کہ علم حاصل کر لینے کے بعد محض اسے جان لینا یا دوسروں تک پہنچا دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس علم سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں رسول کی تعلیم یہ ہے کہ اعمال و کردار کی درستگی بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جتنی فکری تطہیر حقیقت ہے کہ علم سے اگر انسان کی تہذیب و تربیت میں مدد نہ ملے اور کردار پر اس کا کوئی نمایاں اثر نہ ہو تو اس کا حصول بے فائدہ ہے۔

معلم ربانی کی اس تعلیم میں آج کے طالب علموں کے لئے کتنی بڑی نصیحت ہے. حضورؐ کا فرمان بے مقصد تعلیم اور محض کسب معاش کی خاطر حصول علم کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ بتاتا ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد تہذیب اخلاق اور تربیت کردار ہے۔

احادیث و سیرت کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں معلمین کے لئے نہ صرف اصولی ہدایات بلکہ جزئی تفصیلات بھی ملتی ہیں. اس سلسلہ میں معروف حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ واضح طور پر ہمیں بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو ایسا اعلیٰ مقام دیا کہ اس کا حصول مردوں اور عورتوں پر یکساں طور پر لازم قرار دیا. ہم سب جانتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے کبھی کسی ایسی بات کی تلقین نہ کی تھی جس پر آپ نے خود عمل نہ کیا ہو چنانچہ جب آپ نے طلب علم کو ایک فریضہ بتایا تو خود ہی اس کی ترویج و ترقی کے انتظامات بھی کئے. بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر جو ہجرت سے دو سال

قبل منعقد ہوئی تھی جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ تقریباً ایک درجن مدینہ والے اسلام لائے ہیں تو آپؐ نے ان کے ساتھ ایک تربیت یافتہ معلم روانہ فرمایا جو لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے سکے۔ ہجرت سے قبل آپؐ نے کاتبوں کو مقرر فرمایا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی رہے اس کو ضبط تحریر میں لاتے جائیں ہجرت کے بعد جب استحکام حاصل ہوگیا تو آپؐ نے تعلیم کا باقاعدہ انتظام فرمایا۔ مدینہ آتے ہی آپؐ نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ اس عمارت کے ایک حصہ میں آپ نے ایک سائبان اور چبوترہ بنایا جیسے عربی میں "صفہ" کہتے ہیں یہ ایک اقامتی درس گاہ تھی جہاں ایسے اساتذہ مقرر کئے گئے تھے جو وہاں کے رہنے والوں کو لکھنا پڑھنا اور مسائل دین وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اس درس گاہ کے اساتذہ میں سے عبداللہ بن سعد بن العاص اور عبادہ بن الصامت کا کام لوگوں کو لکھنا سکھانا تھا۔ یہاں تعلیم پانے والے طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ یہ تعداد ایک مرتبہ چار سو تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اس اقامتی درس گاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے نصاب میں حفظِ قرآن اور فن تجوید بھی شامل تھا۔

رسول اکرمؐ کو تعلیم سے کس قدر دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب جنگِ بدر میں ساٹھ ستر مکہ والے گرفتار ہوکر مدینہ لائے گئے تو آپ نے ان لوگوں کا یہ فدیہ مقرر فرمایا کہ وہ مدینہ کے دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

مدنی زندگی میں رسول اکرمؐ کی یہ واضح پالیسی تھی کہ مختلف قبائل میں جو لوگ اسلام لائے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے معلم روانہ فرماتے چنانچہ بئر معونہ کے مشہور واقعہ میں ستر قراء اسی غرض سے بھیجے گئے تھے، اسی طرح دیگر قبائل کے وفود بھی بغرض تعلیم مدینہ آئے جن کے طعام و قیام اور تعلیم و تربیت کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود نگرانی فرماتے۔

"صفہ" کی درس گاہ کے علاوہ مدینہ میں نو مسجدیں اور کچھ "دار القراء" ایسے تھے جو علمی درسگاہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس دور میں بچوں کی ابتدائی تعلیم لکھنا پڑھنا سکھانے کے انتظام، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصاب تعلیم، عورتوں کی تعلیم، صوبہ جاتی تعلیمی انتظامات وغیرہ کی تفصیلات بھی حدیث و تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو صرف مردوں ہی تک محدود نہ رکھا بلکہ آپ نے عورتوں کی تعلیم و تربیت پر بھی زور دیا۔ آپؐ نے ہفتہ میں ایک روز مقرر کر لیا تھا جب آپؐ ان کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے اور ان کو تعلیم دیتے۔ خود اپنی زوجہ حضرت حفصہ کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنی ایک رشتہ دار خاتون شفا بنت عبداللہ سے لکھنا سیکھیں۔

آنحضورؐ کا اپنے معلم ہونے کا اعلان

حضورؐ نے علم کو کس قدر اہمیت دی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو مشہور صحابی عبداللہ بن عمرو بن العاص نے بیان کیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ ایک روز جب آنحضرتؐ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ کچھ لوگ نوافل پڑھنے میں مشغول ہیں اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم میں منہمک ہیں۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں لوگ اچھا کام کر رہے ہیں۔ جو لوگ خدا کی عبادت میں مصروف ہیں اور اس سے مانگ رہے ہیں ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے اور چاہے تو نہ دے۔ البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کر رہے ہیں اور جہالت کو دور کر رہے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اس حلقہ میں اپنے لئے جگہ بنائی جہاں درس ہو رہا تھا۔

اپنے اس طرز عمل سے حضورؐ یہ بتانا چاہتے تھے کہ تعلیم و تعلم نفلی عبادات سے بہتر ہے کہ اس کا فائدہ صرف اپنی ذات کو نہیں بلکہ پوری قوم کو پہنچتا ہے۔

معلم کے لیے ہدایت:۔

علم سے متعلق اپنے متعدد ارشادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلم اور متعلم دونوں کو واضح ہدایات دیتے ہیں چنانچہ ایک جگہ معلمین کے فرائض کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو کچھ علم رکھتا ہو اسے دوسروں تک پہنچانے میں بخل سے کام نہ لے البتہ اس علم سے فائدہ اٹھانے کا انحصار متعلم پر ہے۔ یہ محض ایک نظریاتی تعلیم نہ تھی بلکہ آپ خود اس پر عمل پیرا تھے۔

یہ حقیقت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جدید طریقہ ہائے تدریس جو مغربی مفکرین نے طویل غور و فکر کے بعد وضع کئے اور آج دنیا کے بیشتر ممالک میں رائج ہے ان کی بنیاد انہیں بنیادی اصولوں پر ہے جو ہمیں نبی اکرمؐ نے دیئے ہیں ان میں چند اصول جو تاریخ و سیرت و احادیث کی کتابوں میں ملتے ہیں، یہ ہیں۔

۱۔ اصولِ تکرار اس اصول کے مطابق اگر متعلم کے سامنے بار بار کسی بات کی تکرار کی جائے تو وہ زیادہ آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ جدید طریقہ تدریس میں اس اصول کو کافی اہمیت حاصل ہے لیکن بحیثیت معلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول پر بہت پہلے عمل کیا تھا۔ آپؐ کا عام طریقہ تعلیم یہ تھا کہ جب آپؐ کسی بات پر زور دینا چاہتے تو تین مرتبہ دہراتے تاکہ صحابہ کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۲۔ لیکچر کے دوران معلم سے سوال نہ کرنا تعلیمی ماحول کے بارے میں ایک اہم اصول یہ ہے کہ جب معلم اپنی بات کہنے میں مشغول ہو تو اس وقت اسے درمیان میں نہ ٹوکنا چاہیئے۔ یہ خلاف ادب بھی ہے اور اس سے تعلیمی ماحول میں تعطل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ معلم یا خطیب جو بات کہہ رہا ہے وہ درمیان سے منقطع ہو جاتی ہے اور پوری بات سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی بات پوچھنی ہو تو پہلے اس بات کا انتظار کرنا چاہیئے کہ معلم اپنی بات پوری کرلے، اس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

طریقہ تعلیم کا یہ اصول آنحضرتؐ نے چودہ سو سال قبل ہی دے دیا تھا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جب آنحضرتؐ کسی مجلس میں بیٹھے خطبہ دے رہے تھے کہ ایک بدّو آیا اور درمیان میں پوچھ بیٹھا کہ قیامت کب آئے گی۔ حضورؐ نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا اور اپنی تقریر جاری رکھی، لوگوں نے سمجھا کہ آپ نے بدّو کی بات نہیں سنی۔ اسی لئے کوئی جواب نہ دیا لیکن تقریر ختم ہونے پر آپؐ نے سائل کو طلب فرمایا اور اس کی بات کا جواب دیا۔

اپنے اس عمل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلمین کو یہ اصول سمجھایا کہ جب معلم درس دے رہا ہو تو انہیں درمیان میں کوئی سوال نہیں پوچھنا چاہیئے۔ دوسری طرف معلم کو یہ اصولی بات بتائی کہ جب وہ عام طلبہ کو بیٹھا پڑھانے میں مصروف ہو تو اس تعلیمی عمل کے دوران اگر کوئی شاگرد سوال کرے تو اپنی بات درمیان سے ختم کر کے اس

کی بات کا جواب ہرگز نہ دینا چاہیئے بلکہ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس کے سوال کا جواب دے۔

۳۔ **سقراطی طریقہ تدریس** جدید طریقہ تدریس کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو بہتر انداز سے سمجھانے کے لئے پہلے متعلین سے سوال کیا جائے اور پھر جواب نہ ملنے پر بات کی وضاحت کر دی جائے۔

اصلاح میں اسے سقراطی طریقہ تدریس کہتے ہیں۔

اس اصول پر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمل فرمایا تھا۔ احادیث میں بہت سے واقعات ملتے ہیں جہاں آپ نے اس قسم کا انداز تعلیم اختیار فرمایا تھا۔

۴۔ **بچوں کو سزائیں نہ دینا** موجودہ طریقہ تدریس کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ بچوں کو سخت سزائیں نہ دی جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معلمانہ زندگی میں یہ اصول بھی کار فرما نظر آتا ہے آپ کی ہدایت تھی کہ متعلین کے ساتھ سختی سے گریز کیا جائے۔ حتی الامکان مثبت انداز میں سمجھا کر تعلیم دی جائے اور ہر ممکن حد تک منفی طریقوں یعنی مار پیٹ، سزا یا خوف دلانے سے اجتناب کیا جائے۔ اس سلسلے میں آپ کا ارشاد ہے کہ یسّروا ولا تعسّروا یعنی آسانی سے کام لو اور سختی نہ کرو۔

غور کیجئے کہ اسکول کے بچوں کو جسمانی سزائیں نہ دینے کا جو فیصلہ جدید مفکرین تعلیم نے دور جدید میں کیا ہے اس کی ہدایت معلم ربانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل دے دیا تھا۔

احادیث میں طریقہ تدریس کے اور بھی بہت سے اصول ملتے ہیں جن پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی اس کو اپنانے کی تلقین کی۔ مثلاً آپؐ نے یہ اصول بتایا کہ اساتذہ کو طلبہ کے سوالات کے جواب دینے میں بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ حضورؐ کی معلمانہ زندگی میں ہمیں یہ عمل بہت نمایاں نظر آتا ہے آپؐ سے لوگ سخت سے سخت انداز میں سوال کرتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب انتہائی تحمل سے دیا کرتے تھے۔

تدریس کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ایک نشست میں طلبہ کو اتنا ہی پڑھایا جائے جتنا وہ آسانی سے یاد کر سکیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس اصول پر کاربند رہے کہ اپنے شاگردوں کو اس طرح تعلیم دیتے تھے کہ یہ لوگ اسے اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھنے لگیں. احادیث سے سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے معلمین کو یہ اصول سمجھایا کہ علم تھوڑا تھوڑا منتقل کیا جائے تاکہ اس کو آسانی سے سمجھا جا سکے اور اس پر عمل پیرا ہوا جا سکے ورنہ اگر بہت سارا بوجھ لاد دیا گیا تو یہ بھی ممکن ہے کہ متعلمین متنفر ہو جائیں یا اتنا بوجھ برداشت ہی نہ کر سکیں۔

اسی طرح آپؐ نے شاگردوں کے لئے بھی بہت سے اصول چھوڑے ہیں مثلاً معلم کے سامنے ادب سے بیٹھنا اس سے خوش خلقی سے پیش آنا، جس چیز کا علم حاصل کر رہا ہے اُسے رٹنے کے بجائے اس کی سمجھ پیدا کرنا وغیرہ۔

دوسری طرف معلمین کو یہ تلقین کی کہ وہ اپنے شاگردوں کو محض نظریاتی تعلیم نہ دیں بلکہ ان کی کردار سازی بھی کریں۔

مختصر یہ کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دیگر پہلو قابلِ تقلید اور مثالی نمونہ ہیں اس طرح ان کی معلمانہ زندگی اساتذہ و طلبہ دونوں کے لئے مشعل راہ ہے تعلیم و تعلم کے لئے آپؐ نے ایسے اصول چھوڑے جو موجودہ طریقہ ہائے تدریس کے لئے اصولوں کے لئے نمونہ ہیں. یہ وہ اصول ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معلمانہ زندگی میں خود اپنایا اور جنہیں اختیار کرنے کی دوسروں کو ہدایت فرما گئے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ تعلیمی نظام میں ان اصولوں کو اختیار کیا جائے اور اساتذہ و طلبہ علم کے میدان میں اپنے ہادی برحق اور معلم اعظم کے مثالی کردار کو اپنا شعار بنالیں۔

اگر ایسا کیا گیا تو ہمارے بہت سے تعلیمی مسائل حل ہو جائیں گے. اساتذہ میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گا. طلبہ اپنے اساتذہ کا احترام کریں گے، معیار تعلیم بلند ہو جائے گا، نصاب تعلیم اسلامی ڈھانچہ میں ڈھل جائے گا اور ملک کی عام تعلیمی فضا خوش گوار ہو جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقیدۂ ختم نبوت اور اس کے تقاضے

* پروفیسر عبداللطیف انصاری

قرآن کریم نے نبوت محمدی کی ایک خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو گیا ہے۔ اور آپ کے بعد دنیا کی کسی نبی کی حاجت اور ضرورت نہیں رہی۔ فرمانِ خداوندی ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ خاتم النبیین (الاحزاب ۴۰)

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں

بنی نوع انسان کو جتنی ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت تھی، وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کے ذریعے بھیج دی اور فرمایا

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ؛

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ (مائدہ ۔ ۲)

---

* چیف ایڈمنسٹریٹر زکوٰۃ و عشر حکومت آزاد کشمیر مظفر آباد،

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عالمگیریت، ابدیت اور دین کے مکمل ہونے کا ذکر آیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے، کہ بعثت محمدی تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے، نہ کہ ایک قوم کے لئے، اور ہمیشہ کے لئے ہے، نہ کہ کسی خاص زمانے کے لئے، اور آپؐ کے ذریعہ وہ کام بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، جس کے لئے دنیا میں انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری تھا حضور کی ختم المرسلینی اس امر کی مظہر ہے کہ اب دنیا کو کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف ایسے لوگوں کی ضرورت ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خود چلیں اور دوسروں کو چلائیں، آپؐ کی تعلیمات کو سمجھیں، ان پر عمل کریں، اور دنیا میں اس قانون کی حکومت قائم کریں، جس کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔

اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہو چکی تھی، ہر برائی، بھلائی اور حکم کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا تھا، اور ایک مکمل نظام حیات دیا جا چکا تھا، اس لئے رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کا جو فریضہ پہلے نبی اور رسول کو تفویض کیا جاتا تھا، وہ قیامت تک امتِ محمدیہ کے سپرد کر دیا گیا اس حقیقت کی وضاحت قرآن حکیم کی ان آیات سے بخوبی ہوتی ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ

تم ایک بہترین امت ہو، جو سارے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران ۱۰۴)

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون

اور تم میں ایسی جماعت تو ضرور رہنی چاہیئے، جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکتی رہے، اور صرف وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، (جو اس کام کو کرتے ہیں)

پہلی آیت میں خیر امم ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور دوسری آیت میں صراحت کی گئی کہ فلاح و بہبود صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔

اور پھر ارشاد فرمایا۔

وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا ۱؎

اور اس طرح ہم نے تم (مسلمانوں) کو ایک بہتر امت بنایا ہے، تا کہ تم دوسرے تمام لوگوں کے لئے (ہمارے نازل کئے ہوئے دین کے) شاہد بنو، اور ہمارا رسول تمہارے لئے شاہد بنے۔

فرمان الٰہی ہے کہ۔

تمہیں "امت وسطاً" یعنی بہتر امت اس لئے بنایا گیا کہ تم لوگوں پر شاہد بنو، اور اللہ کا رسول تمہارے لئے شاہد بنے۔ اس سے مراد یہ ہے، کہ آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا، اس وقت رسول تمہارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا، کہ فکر صحیح اور عمل صالح اور نظام عدل کی جو تعلیم اللہ تعالیٰ نے اسے دی تھی، وہ اس نے تم (مسلمانوں) تک بے کم و کاست پوری کی پوری پہنچادی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا۔ اور اس کے بعد رسول کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم (مسلمانوں) کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہو گا، اور یہ شہادت دینا ہو گی کہ رسول اللہ نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا، تم نے اسے پہنچانے میں اور جو کچھ رسول نے سکھایا تھا تم نے اسے سکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اس ارشاد ربانی سے شہادت حق کی عملی شکل یہ قرار پاتی ہے کہ۔

ا۔ دین حق کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا جو کام رسول اللہ اپنی زندگی میں کرتے رہے، ان کے چلے جانے کے بعد وہ "امت مسلمہ" کے ذمے ہو گیا ہے، اور اب یہ امت اس وقت کے لئے اس کام کی ذمہ دار ہے، جب تک وہ اس زمین موجود ہے۔

ب۔ دین حق کو دوسروں تک پہنچانے کا مطلب محض عام طرز کی تبلیغ و اشاعت نہیں، بلکہ تبلیغ و اشاعت اسلام کی ایسی سعی ہے، جس کو "شہادت" کہہ سکیں۔

ج۔ دین حق اور اسلامی تعلیمات کی شہادت دینے کا بھی ایک متعین مفہوم ہے، جس کا تعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کرتا ہے، یعنی اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کا کام "امت مسلمہ" حتی المقدور اسی طرح کرے، جس طرح آنحضرت ؐ نے خود "امت" تک اس کو پہنچانے کا کیا تھا۔

احکام قرآن سے معلوم ہوتا ہے، کہ سابقہ امتوں کی صرف ایک ذمہ داری تھی، کہ وہ اپنے دین کی مخلصانہ پیروی کرتی رہیں، جبکہ امت مسلمہ اس عام ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ایک ذمہ داری اور بھی رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کی دوسری قوموں کے سامنے دین حق اور اسلامی تعلیمات کی اسی طرح شہادت دیتی ہے جس طرح شہادت دینے کا حق ہے، اور جس کا عملی نمونہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سامنے پیش کیا ہے

واقعہ یہ ہے کہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ پوری دنیا اور قیامت تک کے لئے نبی تھے لیکن اس عالمگیر دعوت و تبلیغ کے قیامت تک جاری رہنے کی عملی شکل اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی تھی، کہ آپؐ اپنا قائم مقام ایک ایسا گروہ/امت تیار کر دیں، جو اپنے ایمان میں اتنی پختہ اور اپنے عمل میں اتنی معیاری ہو کہ وہ آپؐ کے بعد آپؐ ہی کی طرح بشارت حق اور اشاعت اسلام کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اور پھر یہ گروہ اپنے بعد اپنی نئی نسل کو اقامت دین کے اس کام کے لئے تیار کرے، اور یہ سلسلہ آخر تک یوں ہی چلتا رہے، چنانچہ تاریخ گواہ ہے، کہ جب عرب کے لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اور سرور کائنات کی تربیت یافتہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت تیار ہو گئی، تو آپؐ کے اصل فرض کو مکمل قرار دے کر آپؐ کو واپس بلا لیا گیا۔ اور اس کے بعد بنی نوع انسان کے سامنے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور شہادت حق کا کام اس "امت مسلمہ" کے ذریعے بدستور انجام پاتا رہا، جسے آپ شہداء علی الناس بنا گئے تھے۔

اس طرح عملی صورت یہ قرار پائی ہے، کہ آپؐ کی بعثت اہل عرب کی طرف تو براہ راست تھی، مگر باقی دنیا کی طرف اس امت مسلمہ کے توسط سے تھی، جسے آپؐ تیار کر گئے تھے۔ اور دین کی شہادت دینے والی یہ جماعت نسلاً بعد نسل تیار ہوتی رہے گی، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اب قیامت تک تبلیغ و اشاعت اسلام کا یہ فریضہ اس امت کے سپرد ہے، کہ دنیا کے سامنے حق کی شہادت دیتی رہے اور حتی المقدور اسی طرح دیتی رہے جس طرح انبیاء کرام دیتے آئے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ امت اپنے مجموعی وجود میں اپنے پیغمبر کی قائم مقام ہے اور بحیثیت امت اس کی زندگی کا مشن بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا تھا۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

تم ایک بہترین اُمت ہو، جس کو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لایا گیا ہے"، اس حقیقت کا آئینہ دار ہے، کہ یہ امت اسی طرح کی ایک امت نہیں ہے جو اب تک وجود میں آتی رہی ہیں بلکہ ایسی امت ہے، جو باقی ساری نوع انسانی کی ہادی اور پوری انسانیت کی پاسبان بنائی گئی، اور یہی اس کے وجود کا پہلا اور آخری مقصد ہے ۔

کسی چیز کی قدر و قیمت اسی وقت تک باقی رہا کرتی ہے، جب تک وہ اپنے وجود کے مقصد کو پورا کرتی رہے، ایسے مقصد سے لاتعلق اور بے خبر ہونے کے بعد وہ اپنی ساری اہمیت کھو بیٹھتی ہے، اس لئے امت مسلمہ کی اصل قدر و قیمت بھی اسی شہادت پر موقوف ہے ۔ وہ امت وسطاً خیر امت فی الواقعہ اسی وقت تک ہے، جب تک کہ دنیا کے سامنے شہادت حق کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے مستعد اور کمربستہ رہے ورنہ وہ اس منصب سے معزول ہو جائے گی ۔

اگر امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ گیارہ سو سال تک ہم عزت و عظمت، شان و شوکت، دبدبہ اور حشمت کے تنہا مالک اور اجارہ دار رہے ہیں ۔ اور دُنیا کی تمام اقوام کی قیادت و سعادت ہمارے ہاتھ میں رہی ہے ۔ اہل اسلام نے اسی عقیدہ ختم نبوت کے پیش نظر ملی ذمہ داری کے جذبے سے سرشار ہو کر تعمیر انسانیت کے سلسلے میں وہ کارنامہ سرانجام دیا جو انسانی تہذیب و تمدن کو بام عروج تک پہنچا دیا ۔ انسانی روح کو اوہام پر مبنی اور خرافات، ذلت و غلامی سے نجات دلائی ۔ معاشرے کو ناپاکیوں اور گندگیوں، کمزوریوں اور ناتوانیوں سے باہر نکالا ۔ دنیا کے مختلف ممالک میں انسانوں کو ظلم و سرکشی اور انسانی تہذیب کو انتشار و تباہی سے بچایا ۔ سماجی طبقہ واریت کے سلاطین کے جور و ستم، مذہبی پیشواؤں کی غلامی سے نجات دلائی اور بالکل نئی بنیادوں پہ دنیا کی تعمیر کی ۔ عقیدہ و اخلاق و ضمیر کی طہارت و پاکیزگی عطا کی ۔ تعمیر و ایجاد کی بلند قدریں بخشیں، حریت پسندی اور اختراعی صلاحیتیں پیدا کیں ۔ یقین و معرفت، وثوق و اعتماد، عدل و انصاف اور خودداری عطا کی، اور دنیا کو صحیح نشوونما

اور متوازن ارتقا کے لئے عمل پیہم اور سعی مسلسل پر آمادہ کیا. اور انسانوں کی صلاحیتیں بروئے کار آئیں اور پھولیں پھلیں، اور انسان سے وہ کام لیا، جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا تھا۔

یہ سب اس دور کی بات ہے، جب دنیا کی زمام اقتدار اہل اسلام کے ہاتھوں میں تھی اور مسلمانوں کو اپنی مرضی کے مطابق کتاب وسنت کے احکام کے مطابق کام کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی. حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے جوہر کھلتے ہی اس وقت ہیں جب اس کے ہاتھ میں قیادت ہو، اس لئے کہ اسلام کا عقیدہ سروری اور جہانبانی کا عقیدہ ہے، وہ دنیا کی قیادت کا ایک نظام ہے۔

جب امت مسلمہ نے اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتی تو وہ زوال پذیر ہوگئی، اور عالمی قیادت سے محروم ہوگئی اور اپنے مقام سے گر کر ذلت وخواری کا شکار ہوگئی اور پستی کے اس دور میں باہمی اخوت والفت اور فضائل اخلاق سے خالی ہوتی چلی گئی. یہاں تک کہ اغیار ہماری اس زبوں حالی کا مضحکہ اڑانے لگے. اس کا قدرتی اثر یہ ہوا کہ خود امت مسلمہ کی نئی نسل اللہ تعالیٰ کے ابدی پیغام اور جہانبانی کے دین سے بے بہرہ ہو کر نہ صرف تہذیب کی دلدادہ بن گئی بلکہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ گئی اور برملا یہ کہا جانے لگا، کہ شریعت مقدسہ جدید زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔

ان حالات میں اس یقین وایمان کو از سر نو تازہ کرنے کی ضرورت ہے، کہ ہماری شریعت ایک مکمل ضابطہ حیات اور نظام زندگی ہے جس کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہماری دینی ودنیوی فلاح کا راز مضمر ہے اور قرآن کریم قیامت تک کے لئے نوع انسانی کے لئے مکمل دستور العمل ہے تو کوئی وجہ نہیں، کہ وہ اس دور میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔

مالک ارض وسما کا سچا وعدہ ہے، کہ روئے زمین کی حاکمیت وخلافت مومنوں کے لئے ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض (نور)

اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے، ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے کہ ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ (حکمران) بنائے گا. اور یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ مومن ہمیشہ

کفار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

اور

کان حقاً علینا نصر المومنین ولا تھنوا ولا تحزنوا انتم الاعلون ان کنتم مومنین ماللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین

اور تم پر حق ہے، مدد ایمان والوں کی اور تم ہمت مت ہارو۔ اور رنج مت کرو، اور غالب تم ہی رہو گے۔ اگر تم پورے مومن رہے اور اللہ ہی کی عزت ہے اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی۔

ان ارشادات ربانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی عزت شان و شوکت، سربلندی و سرفرازی اور برتری بھی ان کی صفت ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر ان کا تعلق خدا اور رسول کے ساتھ مستحکم اور غیر متزلزل ہے تو سب کچھ ان کا ہے اور اگر خدانخواستہ اگر اس کا یہ تعلق کمزور ہو گیا۔ پھر سراسر خرابی اور ذلت و خواری ہے۔

دین حق کی بقا اور تحفظ کا باری تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے لیکن اس کے عروج اور ترقی کے لئے عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابہ کرام نے اس کے لئے جس قدر انتھک کوششیں اور سعی بلیغ کی۔ اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کئے۔ اور نصرت غیبی سے سرفراز ہوئے، ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں۔ اگر اب بھی ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کے لئے کمربستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرت خداوندی اور امدادی غیبی کے حق دار ہوں گے۔

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم

یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لئے مستعد ہو جاؤ گے، تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

راہ حق میں ہمیشہ کٹھن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فریضہ اقامت دین کے لئے ہمیں ہر قسم کی سختیوں کو برداشت کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ تبلیغ و اشاعت اسلام کا یہ کام انبیاء کرام کی نیابت ہے

اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کا خاصہ ہے اور یہ سب مصائب و مشکلات بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرام نے اس راہ میں برداشت کیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دعوت حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔ پس جب سرور دو عالم اور ہمارے آقا و مولا نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمل اور بردباری سے برداشت کیا۔ تو ہمیں بھی جو انہی کے کام کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، ان مصائب کو برداشت کرنے کا حوصلہ اور ہمت پیدا کرنی چاہیئے۔ ہمارا فرض قرار پاتا ہے کہ ہم فریضہ تبلیغ دین کو اسی طرح لے کر کھڑے ہوں، جس سے ہم میں قوت ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات پرورش پائیں۔ ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے لئے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سید الانبیاء والمرسلین نے مشرکین عرب کی اصلاح کے لئے فرمایا تھا۔

دین قیم کے علمبردار کی حیثیت سے ملت کے ہر فرد کو چاہیئے کہ دنیاوی اغراض سے قطع نظر کر کے اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعتِ اسلام اور احکام خداوندی کی ترویج و اشاعت کو اپنا نصب العین بنائے اور اس بات کا پختہ عہد کرے کہ حق تعالیٰ کے ہر حکم پر بسر و چشم عمل کیا جائے گا اور خداوند کائنات کی نافرمانی سے بچا جائے گا۔

حق تعالیٰ نے امت مسلمہ سے دو چیزوں کا مطالبہ کیا ہے۔ اوّل یہ کہ ہم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، دوسرے یہ کہ جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور اس کے بدلے میں دو چیزوں کی ضمانت دی ہے۔ آخرت میں بہشت بریں اور ابدی راحت و سکون اور دنیا میں نصرت و کامیابی۔ اور جب ہم ایمان و یقین کی دولت سے مالامال ہو کر راہ خدا میں جد وجہد کر کے اپنے آپ کو اعمالِ صالح سے آراستہ بنالیں گے تو پھر ہم روئے زمین کی بادشاہت اور خلافت کے ہر اعتبار سے مستحق قرار پائیں گے۔

لہٰذا امتِ مسلمہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ اپنی اجتماعی اور انفرادی ہر قسم کی قوت اس مقصد کی تکمیل کے لئے وقف کر دیں۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا وّلا تفرقوا

"تم سب دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ نہ کرو۔"

ختم نبوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے موجودہ دور میں اگر امت مسلمہ کو دین حق کا غلبہ مقصود ہے اور وہ پھر سے دنیا کی قیادت و راہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ انہیں علوم و فنون میں ترقی کر کے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بھی دیگر اقوام پر برتری حاصل کرنا ہو گی۔ تمام مادی وسائل کو بروئے کار لا کر صنعت و تجارت اور خصوصاً فنونِ حرب میں انہیں مات دینا ہو گی اور ہر شعبۂ زندگی میں اپنی ضروریات کے لئے غیر اقوام سے مستغنی ہونا پڑے گا۔

جب تک ہم اپنے قدرتی وسائل کو خود بروئے کار نہیں لائیں گے اور اپنی زمینوں میں مخفی ذخائر کو دوسروں کی مدد کے بغیر خود نہیں نکالیں گے اور اپنی صنعت و تجارت کو ترقی دے کر اپنی ضروریات صرف خود پیدا نہیں کریں گے اور کاسۂ گدائی لے کر دوسروں سے بھیک مانگنا ترک نہیں کریں گے، اس وقت تک ہم دیگر اقوام کا مقابلہ اور قیادت و سعادت تو درکنار ان سے آنکھیں بھی نہیں ملا سکتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی اس امر کی متقاضی ہے کہ ہم ہر اعتبار سے خود کفیل بن کر اپنے اندر تمام دنیا کی امامت کی اہلیت پیدا کریں۔

موجودہ وقت میں جبکہ مسلمانوں میں احیاء اسلام اور تبلیغ دین کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے، اسلام دشمن طاقتیں بھی ان کا راستہ روکنے کے لئے سرگرم عمل ہیں جب ایک طرف اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے اور اتحاد ملت کی سعی کی جا رہی ہے تو مخالفین بھی ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی نت نئی سازشوں میں مصروف ہیں۔ ایک طرف تو قومی سالمیت، ملی یک جہتی اور یگانگت کی کوشش کی جا رہی ہے تو دوسری طرف اغیار کی ریشہ دوانیوں کے زیر اثر مخالفین اور تخریبی عناصر بھی بیرونی اور اندرونی طور پر پوری قوت کے ساتھ اپنی منفی اور تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ ایران و عراق کا باہمی جنگ و جدال، افغانستان کا خلفشار اور روسی یلغار اور فلسطینی مسلمانوں کی آزمائش و ابتلاء، اسلامی ممالک کی مخالف کیمپوں میں تقسیم کرنے کی سازش اور خود وطن عزیز پاکستان میں علاقائی، قبائلی اور فروعی نوعیت کے

مذہبی اختلافات کی آڑ میں فرقہ پرستی کے روز افزوں رجحان کے پس پردہ جو عوامل کارفرما ہیں، ان کی نشان دہی کرنے اور خطرات سے ملت اسلامیہ کو خبردار اور متنبہ کرنے کی ذمہ داری ملت کے اہل علم و دانش پر عائد ہوتی ہے۔ ان حالات میں دُنیائے اسلام کے تمام اختلافات کو یکسر ختم کر کے ان کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند متحد کر کے ان پر عقیدہ ختم نبوت کی حقیقت کو واضح کرنا وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مظہر تکمیل نبوت و رسالت

★ پروفیسر محمد عبدالجبار شاکر

خالق کائنات نے انسان کو جسم و روح کے حسین امتزاج سے پیدا فرمایا ہے۔ انسانی زندگی دونوں سے عبارت ہے اور یہی انسان کے دو بنیادی تقاضے ہیں، ایک طرف اسے جسم کے لیے مادی اور جسمانی وسائل درکار ہیں اور دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کو درست سمت پر گزارنے کے لئے اخلاقی اور روحانی اصولوں کی ضرورت ہے۔ رب تعالیٰ نے دونوں ضرورتوں کو پورا فرما دیا ہے۔ مادی اور جسمانی احتیاجات کے لئے زمین و آسمان کے خزانے ودیعت فرمائے اور اخلاقی رہنمائی کے لئے انبیاء بھیجے جنہوں نے زندگی کا سلیقہ بتایا اور انسانوں کو ہدایت الٰہی کے مطابق صراط مستقیم پر چلنے کی تربیت دی۔

اس واسطے نبوت و رسالت نوعِ انسان کی ایک فطری اور بنیادی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر انسانیت کی تکمیل ممکن نہیں۔ احسن تقویم کا تخلیقی سانچہ نبوت کی تزئین کے بغیر نامکمل اور آدمیت کا شجر عالی انبیاء کی آبیاری کے بغیر شادابی سے محروم ہے۔ یہ انبیاء ہی ہیں جو اپنی تعلیمات سے انسان کو انسانیت سے معمور کر کے ان کا رشتہ خالق و مالک کے ساتھ جوڑتے ہیں اور انہیں صحیح

★ صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ

معنوں میں انسان بناتے ہیں ورنہ نبوی تعلیمات کے بغیر جہاں میں انسانوں کا روپ دھارے ہوئے جانوروں اور درندوں کا چرچا ہو اور انسانیت مسخ ہو کر رہ جائے۔

حضرت آدم علیہ اسلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء یہی فریضہ انجام دیتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کی ذات پاک پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی۔ آپؐ نے تشریف لا کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قوموں اور ملتوں کی بدلتی ہوئی شریعتوں کو مکمل فرما دیا اور ارتقائی دور سے نکال کر دین کو اکمال واتمام سے آراستہ فرمایا یہی وجہ ہے کہ آپؐ نبوت و رسالت کے آخری امام ہیں کہ آپؐ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئیگا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا:

"رسالت و نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم ہو گیا میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے نہ نبی" (ترمذی مسند احمد)

حضورؐ صاحب کمال ہیں

الیوم اکملت لکم دینکم میں جہاں تکمیل دین کی بشارت دی گئی وہاں پر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ کمال کا بھی اعلان فرمایا گیا۔ کثیر تعداد میں انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے کچھ ان میں سے صاحب جمال تھے اور کچھ صاحب جلال کہ ہر کوئی انسانوں کو اپنے جمال وجلال سے بہرہ ور کرتا رہا لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جمال وجلال دونوں میں کمال کے مرتبہ پر فائز ہو کر تشریف لائے اسی بنا پر آپ صاحب کمال ہیں اور خالق کمال کا خصوصی نمونہ اور ماڈل کہ جن کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے۔

واحسن منک لم تر قط عین	واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب	کانک قد خلقت کما تشاء

قدرت کا آخری شاہکار

اس واسطے آپؐ کی ذات پاک منتہائے خلائق ہے اور کائنات کی تخلیق کا مقصد اتم کہ انفس و آفاق کی وسعتوں میں پھیلا ہوا جہانِ رنگ و بو اپنے دائرہ میں سمٹ کر آپؐ ہی کی ذات کے انتہائی اور آخری نکتہ پر مرتکز ہوتا ہے کیونکہ آپؐ خالق کی تخلیق کا آخری شاہکار ہیں اور ایسا خدائی نمونہ کہ جس کی آمد پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی۔

خالق نے جس وقت کائنات کو پیدا کرنا چاہا تو اپنی صفاتِ جمال کو بکھیر دیا اور انہیں اپنے سے باہر فرض کیا تو کائنات وجود میں آگئی اور جب نفخت فیہ من روحی کہہ کر اس نے اپنی ذات کو غیر فرض کیا تو انسان کی پیدائش عمل میں آئی اور ایسی مخلوق منصۂ شہود پر آئی جو صفاتِ کمال کا نسخۂ جامعہ تھی۔ اور جسے خلق اللہ آدم علی صورتہ کہہ کر اس نے جسم و روح کے بہترین اوصاف سے مزین فرمایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احسن تقویم کے اعلیٰ ترین سانچے میں ڈھل کر انسان نے اشرف المخلوقات ہونے کا مرتبہ پایا اور اسے ازل سے ہی خلافت کے عظیم منصب پر سرفراز ہونے کا اعزاز ملا جس کا اعلان اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ کے الفاظ سے کیا گیا اور فرشتوں کو حکم ملا کہ آداب بجالاؤ اور اس کے سامنے جھک جاؤ

لیکن یہاں پر عقل یہ تجویز کرتی ہے کہ تخلیق کا جو دائرہ سمٹ کر حضرت انسان تک پہنچا ہے جو کہ خلاصۂ کائنات ہے اس پر مرتب ہونے والے درجاتِ خلافت کو مکمل ہوتے ہوئے بالآخر ایک ایسی ہستی پر ختم ہو جانا چاہیئے جو نہ صرف کائنات کے اسماء و صفات اور ذات کا مظہر اتم ہو بلکہ تکوین و تخلیق کا آخری نقطہ اور مرکز بھی قرار پا سکتا ہو۔

اس تجویز پر نہ صرف عقل والوں فلسفیوں اور مفکروں نے ہر زمانہ میں غور کیا ہے بلکہ وجدان و بصیرت والے بھی اسے انسانیت کی طویل الذیل تاریخ میں تلاش کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ صدیوں پہلے آسمانی آواز نے خُلقِ عظیم والے کو رحمۃ للعالمین بنا کر یہ کہتے ہوئے دنیا میں بھیجا کہ وہی کمالاتِ انسانی جو رفتہ رفتہ ارتقاء پا کر درجاتِ خلافت سے نبوت و رسالت تک پہنچے تھے آگے بڑھتے ہوئے سمٹ کر کمالات نبوت کے خاتم اور آخری مرکز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر پایۂ تکمیل کو پہنچے ہیں جو ذات نسل آدم میں سارے اسماء و صفات کے تخلیقی دائرہ کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے۔

اس طرح رب العالمین کی ساری حمد ساری ستائش سارے کمالات مخلوق بن کر رحمۃ للعالمین کی ذات اطہر میں جمع ہو گئے ہیں جس سے یہ کہا جائے گا کہ محمدؐ صرف نام ہی نہیں بلکہ قدرت کا بہترین کام اور تخلیق کا آخری شاہکار بھی ہے۔

نیتشے کا انسانِ اعلیٰ

دورِ جدید کے فلاسفہ میں نیتشے نے اپنے سارے فلسفہ کی بنیاد ارتقاء کی اسی آخری تقویم پر رکھ کر سپرمین یعنی انسانِ اعلیٰ کا نظریہ پیش کیا ہے کہ آج تک وہ جس کی تلاش میں ہے کاش کہ وہ عقل کی حدوں سے آگے نکل کر نورِ ایمان کی منزل پر پہنچتا اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اپنے سپرمین کو پالینے میں کامیاب ہوجاتا۔ کیونکہ آپؐ ہی تو وہ مرکزی نقطہ ہیں جس کی اسے تلاش تھی۔

ابنِ عربی کا فردِ کامل

ابنِ عربی فصوص الحکم کی ستائیسویں حکمت میں بعنوان "فردیّت کی فص کلمہ محمدیہ میں" یوں لکھتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ فردیت میں اس واسطے سے ہے کہ آپ نوعِ انسانی میں موجود یعنی فردِ کامل ہیں نوعِ انسانی سے بالاتر بھی ہیں اور اسی لئے امرِ وجود کا آغاز آپؐ سے ہوا اور آپؐ پر ہی انجام ہوا"

گویا کہ ابنِ عربی تخلیقی دائرہ کے آخری نقطہ ہونے کی حیثیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فردِ کامل قرار دیتا اور اوّل و آخر آپؐ ہی کو خیال کرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

علامہ اقبال کا عبدہٗ

نیتشے اور ابنِ عربی کے نظریات سے متاثر ہو کر حضرت علامہ اقبالؒ انسانِ کامل کا جو تصور پیش کرتے ہیں وہ اسے عبدہٗ کا لقب دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عبد اور عبدہٗ میں فرق ہے۔ عبد سے مراد صاحبِ ایمان انسان یعنی مردِ مومن ہے جبکہ عبدہٗ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک مراد ہے، جیسا کہ وہ جاوید نامہ میں رقم طراز ہیں۔

پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است — خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہمِ تو بالاتر است — زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر — ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ است — ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بو است
عبدہٗ چند و چگون کائنات!! — عبدہٗ راز درون کائنات

حضرت علامہ علیہ الرحمتہ نے قرآن پاک کو اپنے تصورِ انسانِ کامل کی بنیاد قرار دے کر محمد عبدہٗ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ کاملہ کو ان اشعار میں پیش فرمایا ہے۔ آپ کے خیالات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انسان ہوتے ہوئے بھی فوق البشر جو ہر کائنات اور مقصودِ خلائق ہے اور کائنات کے پس منظر میں جو کون ومکان کا تصور کارگر ہے اس کا جوہر اصلی آپؐ ہی کی ذات ہے۔ سورۂ اسراء اور سورۂ النجم میں واقعہ معراج کی نسبت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر خاص طور پر عبدہٗ کو زمان مکان کی بے پایاں وسعتوں سے ہم کنار کرتا ہے۔ کہ جس پر اقبال فخریہ کہہ اٹھتے ہیں۔

'عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ است'

شاہکار تخلیق کی امامت عظمیٰ

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تخلیق کا شاہکار بنا کر رب تعالیٰ نے معراج کرایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جتنا زمین سے آسمان اونچا ہے اسی قدر کائنات میں آپؐ کی شان بلند ہے۔ شبِ اسراء میں بھی جب ایک لاکھ چوبیس ہزار کی امامتِ عظمیٰ کا سوال تھا تو انبیاء کی صفوں میں اس امامت کے قابل بھی آپؐ ہی کی ذات پاک تھی کیونکہ امت میں امامت کا جو حق نبی کو ہوتا ہے وہ حق انبیاء میں آپؐ ہی کو حاصل تھا۔ نیز میدانِ حشر میں بھی تمام انبیاء آپؐ ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے اور وہاں پر شفاعت کے سلسلہ میں بھی آپؐ ہی سب کے امام اور خطیب ہوں گے۔

امام الانبیاء کے منصب عظیم کی خصوصیات

تکمیل نبوت ورسالت کے مظہر کامل ہونے کی حیثیت سے امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات پر مبنی جو نظام حیات دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے وہ بے شمار خصوصیات کا حامل ہے اور اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ تاریخ انسانی اپنی وسعتوں کے باوجود اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ان میں سے چند ایک خصوصیات درج ذیل ہیں۔

آفاقیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ کا پیغام کائناتی اور آفاقی ہے۔ کیونکہ وہ ملک مذہب قوم خطے وطن اور رنگ ونسل کی حد بندیوں سے آزاد ہمہ گیر اور دائمی ہے۔ اسلام نے ایسی تمام پابندیوں کو یکسر پامال کر کے رکھ دیا ہے جو اسے کسی زاویہ میں بھی محدود کرتی ہوں۔ اسی لئے اس کے تمام تر اصول عالمی اور بین الاقوامی نوعیت کے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔ بعثت الی الاسود والاحمر کہ میں کالے اور گورے سرخ وسفید سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

توحید ورسالت کا عقیدہ اسلامی آفاقیت کا اوّلین سرچشمہ ہے اس لئے کہ جہاں پر توحید اسلام کی عمودی جہت کی نمائندگی کرتی ہے رسالت اس کی افقی جہت کی دلیل ہے اور یہ دونوں جہتیں باہم مل کر اسلامی آفاقیت کو اجاگر کر رہی ہیں جس طرح توحید بندے کا رشتہ خدا سے جوڑتی ہے رسالت بندے کا رشتہ بندے سے استوار کرتی ہے۔ خدا سے غافل ہو کر بندے کے حقوق ادا نہیں کئے جا سکتے اور نہ بندوں کی حق تلفی کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں۔ توحید کی غایت تقویٰ ہے اور رسالت کی احترام آدمیت۔ تقویٰ کا ثمر عفو ورحم ہے اور احترام آدمیت کا عدل واحسان۔ بندوں کا بندوں سے رشتہ جوڑنے کے لئے ضروری ہے کہ احترام آدمیت کی بنیاد پر زندگی کو ایک ایسے نظام میں مربوط اور منظم کر دیا جائے جس کی خصوصیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس طرح بیان فرمائی ہیں۔

"قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر ومباہات کی اب کوئی گنجائش نہیں تمہارے خون مال اور عزتیں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے پر قطعی حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم پہچانے جا سکو تم میں زیادہ عزت اور بزرگی والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے ہاں بزرگی اور فضیلت کا اگر کوئی معیار ہے وہ صرف تقویٰ ہی ہے۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو تمہارا ان پر حق ہے اور ان کا تم پر۔"

یہ ہے وہ منشور جو محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا کہ جس میں تقویٰ پر مبنی عالمگیر اخوت اور ایک بین الاقوامی وحدت کی بنیاد فراہم کر دی ہے کہ جس کے سہارے ایک ایسی ملت معرض وجود میں آئی جو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند تھی اور ایک ایسی عمارت کی طرح جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو طاقت دے رہی ہو۔ اور ایک جسم کی مانند جس کے تمام اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ درد اور آرام میں برابر کے شریک ہوں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آیت تکمیل کا نزول

حجۃ الوداع کے دن حج اکبر تھا اور جمعہ کا دن اس موقع پر اس عظیم اور تاریخی خطاب کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین بار فرمایا اللّٰھم اشھد کہ میرے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیغام آج کے روز لوگوں تک پہنچا دیا ہے عین اس وقت جبریل امین تشریف لائے اور آیتِ تکمیلِ دین کا نزول ہوا جو کہ درج ذیل ہے۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔"

خدا کا شکر ہے کہ تاریخ انسانیت میں پہلی بار انسانی عظمت و وقار کے عنوان پر واضح اعلان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے میدان عرفات میں کیا گیا کہ اس کے ساتھ ہی دین کی تکمیل ہوئی اور صدیوں تک کے لئے انسانیت کا وقار بحال ہو گیا۔ کیونکہ یہ خطبہ حقوق انسان کے تحفظ اور استحکام کی پختہ ضمانت تھا کہ اس کے بعد کنگ جان کا میگنا کارٹا ۱۲۱۵ کا اٹلانٹک چارٹر یا اقوام متحدہ کا منشور بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے آفاقی اعلان سے بڑھ کر انسانیت کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ اگرچہ صاف ظاہر ہے کہ اقوام متحدہ کا منشور بھی خطبہ مبارکہ کا ایک حصہ ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ذیل میں منشور کے الفاظ خود بتا رہے ہیں۔

"نسل جنس زبان اور مذہب کی تفریق کے بغیر انسانی حقوق اور آزادی کی حوصلہ افزائی کرنا اور اسے فروغ دینا"

"رواداری سے کام لینا اور آپس میں امن سے زندگی بسر کرنا انسانی عظمت و وقار اور مردوں کو عورتوں کے مساوی حقوق کی حفاظت کرنا۔"

"دنیا والوں کو جنگ کی مصیبت سے بچانا"

آفاقی اقتدار اعلیٰ

دورِ حاضر کے ماہرین سیاسیات نے مستقبل کے لئے جو نظام سیاست تجویز کیا ہے اس میں سب سے زیادہ ضروری چیز آفاقی اقتدار اعلیٰ کا تصوّر ہے۔ جس کے تحت وہ ایک عالمی اور بین الاقوامی ریاست کے قیام کو انسانیت کی مشکلات کا حل سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اقوام متحدہ کا تجربہ بھی آفاقی حاکمیت کے آئیڈیل کی جانب ایک نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ اس آئیڈیل کا حصول پس منظر میں قائم اللہ تعالیٰ کی آفاقی قوت پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں جو توحید و رسالت پر مبنی ان عقائد و نظریات پر منحصر ہے جو اپنے ابدی پیغام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائے ہیں۔ بلکہ آپؐ نے تو اپنی زندگی میں ان عقائد و نظریات کو عملی جامہ پہنا کر ایک یونیورسل سٹیٹ قائم کر کے دکھادی ہے۔ آپ کے بعد صحابہ کرام اور ائمہ نے بین الاقوامی سطح پر آفاقی ریاست کی تمام تر جزئیات کھول کر بیان کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ دورِ نبوّت سے لے کر عثمانی ترکوں کے آخری زمانہ تک خلافت اسلامیہ کا بین الاقوامی ڈھانچہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ایک ہی مملکت کے تحت کئی قومیں اور رنگ و نسل کی تفریق کے بغیر کئی جماعتیں ایک ساتھ پر امن طور پر زندگی بسر کرتی رہیں اور کئی ملک اور متعدد برّاعظم ایک ساتھ خلافت کے دائرہ کار میں منسلک رہے کہ ہر کوئی عالمی ریاست کا یونیورسل شہری تھا۔ اور کسی کو دنیا کے کسی خطّے میں بھی نقل و حرکت کی کوئی پابندی نہ تھی۔ ملکوں اور قوموں کے درمیان پاسپورٹ اور ویزا کا کوئی نظام نہ تھا ہر کوئی ہر ملک میں آزادی سے آجا سکتا تھا۔ اس لئے کہ اسلامی نظریہ کے تحت حاکمیت اللہ کی مانی جاتی تھی

اور ان الحکم الاّ للّٰہ کے اصول پر اقتدار اعلیٰ رب تعالیٰ کی ذات تھی جو سب پر حاوی اور غالب ہے اور جس کی حکومت سب پر قائم ہے۔

علامہ اقبال نے بھی آفاقی اقتدار اعلےٰ کے اسی نظریہ کو ملت آدم کے نام سے دین اسلام کا حقیقی مقصود قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک مکّہ مکرمہ کی بین الاقوامی حج اسمبلی اسی نظریہ کے تحت آفاقی سیاسی نظام کے قیام کی جانب بڑھنے کا بہترین ذریعہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے ہوئی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود — اسلام کا مقصود فقط ملت آدم!
مکّے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام — جمیعت اقوام کہ جمیعت آدم!

خاتمیت

آفاقیت کے بعد رسالت عظمیٰ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ دعوت عالم گیر ہے۔ اور کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں۔ بلکہ قیامت تک کے لئے اور ہمیشہ کے واسطے ہے یہی وجہ ہے کہ حضور ختم المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کے ساتھ ہی وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد کو پہنچ گیا۔ کیونکہ قیامت تک اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبییّن خاتم خاتم مہر کو کہتے ہیں جب کسی لفافے یا دستاویز پر مہر لگا دی جائے تو اس کے بعد اس میں کوئی چیز ڈالی نہیں جاسکتی اور نہ ہی کوئی شے اس میں سے نکالی جاسکتی ہے۔ اسی معنیٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے انبیاء کا خاتم فرمایا جانا اس حقیقت کا اعلان بلیغ ہے کہ اب دین کامل ہو چکا ہے اور یہ آخری رسول قیامت تک کے لئے ہمارا پیام لے کر آچکا ہے۔ اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ علامہ اقبال اپنی کتاب تشکیل جدید الہٰیات میں اس حقیقت کو یوں پیش فرماتے ہیں۔

"عقیدۂ ختم نبوت کی ایک بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس سے لوگوں کے باطنی واردات کے متعلق ایک آزادانہ اور ناقدانہ طرزِ عمل قائم ہوتا ہے۔ اس لئے ختم

نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسانی کی تاریخ میں کوئی شخص اس امر کا مدعی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی مافوق الفطرت اختیار کی بنا پر دوسروں کو اپنی طاعت پر مجبور کرے"۔

اسی بنا پر اہل لغت اور اہلِ تفسیر نے بالاتفاق خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے لئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دین مکمل ہو چکا اور اس میں کمی اور زیادتی کی گنجائش نہیں رہی جبکہ کمی اور زیادتی پیغمبر ہی کر سکتا ہے تو پھر نبی اور پیغمبر کی ضرورت بھی اب باقی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اسی چیز کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا۔

۱۔ بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے جب کوئی نبی مرجاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے۔

۲۔ میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے اور کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں (یعنی میرے آنے پر نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی اب کوئی جگہ باقی نہیں ہے جسے پُر کرنے کے لئے کوئی نبی آئے)

۳۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں (یعنی کسی نئے آنے والے نبی کی امت نہیں)

لہٰذا معلوم ہوا کہ مظہر تکمیل نبوت و رسالت ہونے کی حیثیت سے آپؐ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ آخری نبی اور رسول ہیں اور آپؐ کا پیغام دائمی ابدی اور قیامت تک کے لئے اور وقت کی قید سے آزاد ہے، تمام ادیان آپؐ کے دین کے بعد منسوخ ہو چکے ہیں۔ اور اب اللہ کے نزدیک منظور شدہ آخری دین آپؐ کا لایا ہوا دین یعنی اسلام ہی ہے ضروری ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور ہر قوم ملک اور زمانے کا انسان اسی کی پیروی کرے کیونکہ جب دین ساری کا دنیا کا دین ہے

اور اس کا لانے والا پیغمبر پوری نوع انسانی کا پیغمبر قرار دیا گیا ہے تو اب کسی اور دین اور پیغمبر کا زمانہ باقی نہیں رہ سکتا جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدّین کلّه

"وہ ذات جس نے اپنے پیارے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔"

جامعیّت

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ختم نبوت کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ جو تعلیمات آپؐ لے کر آئے ہیں ان میں جامعیت پائی جائے اور آپ کی ذات گرامی خود جامع کمالات ہو۔ چنانچہ آپؐ کو قرآن پاک جیسی جامع کتاب عطا کی گئی جو جہانوں کی ہدایت کے واسطے ایک اعلیٰ ترین نسخۂ کیمیا ہے اور جس کا ایک ایک نقش جامع اور کامل ہے۔ اس جامعیّت کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں کوئی چیز زائد نہیں کہ نکالی جائے اور نہ ہی کوئی نقص اور کمی ہے کہ اس میں اضافہ کیا جائے۔ اصول کی تشریح تو ہو سکتی ہے لیکن ان میں ردّ و بدل اور ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ازل سے دین ایک ہی رہا ہے شریعتیں بدلتی رہیں اور قوموں کے مزاج کے مطابق ان میں ردّ و بدل ہوتا رہا جب مزاج پختہ ہو گیا تو دین کی بھی تکمیل ہو گئی۔

جیسا کہ لباس ہر ایک انسان کی قدر مشترک ہے۔ لیکن پیدائش سے لیکر جوانی تک کپڑوں کا ماپ بدلتا رہتا ہے جوں جوں جسم کی نشو و نما ہوتی ہے اسی حساب سے کپڑوں کی سلائی بھی بدلتی رہتی ہے یہاں تک کہ اعضائے جسمانی کی تکمیل پر ماپ بھی مکمل ہو جاتا ہے جس میں ردّ و بدل کا امکان نہیں ہوتا۔ ایسے ہی تکمیل دین پر نبوت و رسالت کی تمام تر تعلیمات کو جامعیّت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس لئے کہ اب نوع انسانی بھی ذات و صفات میں درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے اور ترمیم و اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مزاج میں شدت تھی اس لئے انتقام لینا آپ کی شریعت میں واجب تھا

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف

بالانف والاذن بالاذن والسنّ بالسنّ والجروح قصاص ۵

"اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب (یعنی توریت) میں کہ جان بدلے

جان کے آنکھ بدلے آنکھ کے کان بدلے کان کے دانت بدلے دانت کے اور زخموں

کا بدلا ان کے برابر"۔

اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کا قومی مزاج نرم تھا ان کے ہاں انتقام حرام اور عفو کو واجب قرار دیا گیا۔ انہوں نے فرمایا۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ شدید کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ

مارے تو دوسرا گال اس کی طرف پھیر دے جو تیرا کرتہ لے تو اسے چغہ بھی لے لینے دے

جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا"۔

لیکن محسن انسانیت حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حرا کی وادی میں اتر کر اپنے پیروکاروں کو جو تعلیم دی اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مکمل کر دیا گیا اور دونوں کی افراط و تفریط سے ہٹ کر میانہ روی اور اعتدال پر قائم اخلاق کا ایک جامع اور مبسوط نظام پیش کیا گیا۔ ایک طرف فرمایا کہ:۔

جزاء سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا "بدلہ برائی کا برائی ہے اس جیسی"

نیز فرمایا کہ فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم

"پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی"

یعنی یہ کہ مظلوم کو انتقام کا پورا پورا حق دیا اور اعلان فرمایا "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب کہ اے عقل والو! بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے"۔ تو دوسری طرف فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ، پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور "فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ تو جس نے معاف کر دیا اور صلح کرا دی تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے"۔

جس سے واضح ہوگیا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت انتقام قانون اور سیاست کی شریعت تھی اور حضرت عیسیٰ کی شریعت رحم وعظ اور اخلاق کی شریعت تھی یہ دونوں الگ الگ دنیا کے لئے بے کار تھیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کے قانون اور حضرت عیسیٰ کے وعظ کو اعتدال پر جمع کر کے اس طرح ترتیب دیا کہ قانون کا عدل اور اخلاق کا رحم باہم مل گئے اور ایسا ضابطہ تیار ہوا جو ہر دو کا جامع تھا اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ قول پورا ہوگیا کہ

"میرے بعد آنے والا میری باتوں کو پورا کرے گا"

اسی طرح نوح علیہ السلام کی زندگی کفر کے خلاف جہاد کا منظر پیش کرتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات بتوں کے دیس میں یقین محکم کی مثال ہے۔ حضرت یعقوب خدا پر توکل اور اعتماد کے علمبردار ہیں حضرت یوسف قید و بند میں بھی جوش تبلیغ سے سرشار ہیں حضرت ایوب صبر و شکر کا نمونہ ہیں۔ حضرت یونس ندامت و انابت کا محور حضرت داؤد حمد و ستائش اور دعا و مناجات کا صحیفہ اور حضرت سلیمان شاہانہ اولوالعزمی پر قائم نبوت کی شان و شوکت۔

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ان سب کا سراپا ہے اور تمام انبیاء و مرسلین کی سیرتوں اور زندگیوں کا مرکز کہ جہاں پر سب کے سارے کمالات سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

معجزات کی جامعیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل الانبیاء والمرسلین ہیں اس لئے آپ کی ذات نبوت کے تمامتر کمالات کی پیکر ہے۔ آپ نبوت و رسالت کے آفتاب ہیں دیگر تمام پیغمبروں کو جس قدر فضائل و مناقب عطا ہوئے ہیں وہ سب اسی آفتاب عالمتاب کا پرتو اور فیض ہے۔ بنا بریں آپ کے تمام معجزات خواہ وہ معنوی ہوں یا حسی ہر طرح سے جامع اور بے مثال ہیں۔ معنوی طور پر قرآن پاک آپ کا سب سے بڑا علمی اعجاز ہے۔ آپ کے علوم معارف رموز و اسرار اور مکارم اخلاق نیز آپ کے جملہ اوصاف و معالی جن کی عالم میں نظیر نہیں ملتی آپ کے زندہ وجاوید معجزات ہیں۔

ان کے علاوہ آپؐ کے حسّی معجزات بھی جامعیت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ جیسا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عصا مارنے سے حضرت موسیٰ کے ہاتھوں پہاڑ سے چشمے جاری ہو گئے۔ یقیناً معجزانہ بات ہے لیکن کمال یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی انگلیوں سے چشمے پھوٹ پڑیں کہ بظاہر چند قطرے پانی سینکڑوں افراد کے پینے جانوروں کو پلانے اور نہانے کے لئے کافی ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا نے روشن ہو کر دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا لیکن کمال یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خادمین صحابۂ کرامؓ کے ہاتھوں کی چھڑیاں رات کو رستہ چلتے روشنی کے مینار بن کر چمکنے لگیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام قم باذن اللہ کہتے تو مردہ زندہ ہو جاتا یقیناً یہ کھلا معجزہ ہے۔ لیکن کمال اعجاز یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دست مبارک میں سنگریزے تسبیح کرنے لگے کہ آواز غیروں نے بھی سنی۔ اسی طرح ستون حنّا کا اس وقت گریہ وزاری کرنا جب آپؐ نے پہلی بار اسے چھوڑ کر منبر پر خطبہ دیا عصائے موسیٰ کے سانپ بن جانے سے کہیں زیادہ معجزانہ کمال اور جامعیت کی دلیل ہے۔

اسود عنسی ملعون نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو مقام صنعا پر غلبہ کے بعد ایک صحابی ذویب بن کلیبؓ کو آگ میں ڈال دیا لیکن ہوا یہ کہ ایمان کی برکت سے آگ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا جس پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

الحمد للہ الذی جعل فی اُمّتنا مثل ابراھیم الخلیل

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم خلیل اللہ کا نمونہ بنایا ہے۔"

شق القمر کا اعجاز عظیم اور معراج النبی کا واقعۂ عظمیٰ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی آفاقی برتری اور عظمت کی نمایاں دلیل ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے = کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اجتماعیت

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت عظمیٰ مجمع کمالات ہے اور آپؐ کی تعلیمات کا ہر پہلو جامع اور مکمل ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا دین اسلام میں اس قدر صلاحیت موجود ہے کہ ہر کس و ناکس اس سے مستفید ہو اور یہ دین عملاً نافذ ہو جائے تو اس مقصد کے حصول کے لئے خلافت کا

سیاسی نظام قائم کیا گیا۔ جس سے اجتماعیت کی صورت میں تکمیل دین کی ایک اور خصوصیت اجاگر ہوئی۔ قرآن کے نزدیک یہی اتمام نعمت ہے جس کے تحت اجتماعی قوت حاصل ہوتی ہے اور نفاذ اسلام کی راہ کی تمام کاوٹیں دور ہو جاتی ہیں نیز اس صورت میں دین کی جامعیت افادہ عام کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ بہت سے فتنے ایسے ہیں جو وعظ و نصیحت سے نہیں بلکہ طاقت و قوت سے ختم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ارشاد نبوی ہے:

الملك و الدّين توأمان حکومت اور دین دونوں جڑواں ہیں۔ اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عبادات میں بھی اجتماعیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ تاکہ اسلام کا غلبہ ہو اور کفر و الحاد مغلوب ہو جائیں۔

نماز با جماعت سے لیکر میدان جہاد تک کوئی بھی ایسا زاویہ عبادت نہیں جس میں اجتماعی فکر کو بروئے کار نہ لایا گیا ہو اور انسانوں کو باہم مل جل کر احکامات خداوندی سے عہدا برآ ہونے کی ہدایت نہ ہو۔ نماز روزہ زکواۃ حج اور جہاد سب کے سب اسلام کی اجتماعی زندگی کے نمایاں عناصر ہیں۔ اسی لئے واتممت علیکم نعمتی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کی تذلیل ہے جو کہ انہیں فتح مکہ پر حاصل ہوا اور جس کے بعد اللہ سبحانہٗ نے انہیں قوت اور اقتدار عطا فرمایا۔ تاکہ دین کے احکام جاری ہوں۔

جمعیّت

نبی آخر الزّمان کی تعلیمات کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو نظام زندگی آپ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے اس کے مختلف حصے آپس میں مضبوطی کے ساتھ جڑے ہیں۔ جیسے ایک مشین کے مختلف پرزے آپس میں جڑے ہوتے ہیں۔ نظری طور پر سمجھنے کے لئے تو انہیں الگ الگ قانون میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مگر عملاً ان کا علیحدہ علیحدہ وجود ناممکن ہو جاتا ہے۔ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے یہ سارے اجزاء اصل ایک ہی وحدت میں منسلک ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک جز اپنا عمل جوہر اسی وقت دکھا سکتا ہے جب کہ پورا دین کل کا کل حرکت میں آجائے ایک ایک کر کے اجزاء بکھیر کر کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ دین اسلام اپنی تمام جزئیات میں باہم منضبط منظم اور ایک مکمل وحدت ہے۔ لہٰذا فرمایا۔

ادخلوا فی السّلم کافۃ "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"

اور اسے مکمل طور پر اختیار کرو تاکہ اس کی برکتوں سے بہرہ یاب ہو سکو۔

ورضیت لکم الاسلام دنیا کے اعلان سے رب تعالیٰ نے دین کی اسی وحدت کو اکمال و اتمام کے بعد ہمارے لئے پسند فرمایا کیونکہ آخرت کی نجات اسی پر موقوف ہے اور اس کی پیروی ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ اب کوئی اور دین اللہ کو قبول نہیں ارشاد فرمایا

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین کہ "جو کوئی اسلام کے علاوہ زندگی کا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا اسے رد کر دیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نامراد ہوگا"

"اسی بات کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور دے کر بیان فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اس امت میں سے جس شخص تک میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ دوزخی ہوگا" (مسلم)

بلکہ آپؐ نے تو یہاں تک اعلان فرما دیا کہ "اگر موسےٰ زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ میری پیروی کرتے" کیونکہ ایک مسلمان کے لئے دنیا و آخرت میں اس نعمت کا حصول ہی سب سے بڑا مقصدِ زندگی ہے۔ ورضوان اللہ اکبر کہہ کے بتایا کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول واقعی سب سے بڑی بات ہے۔ اور یہ بڑی بات کسی بڑے کام سے حاصل ہوگی ولذکر اللہ اکبر اور یہ بڑا کام اللہ کی یاد ہے نیستر یہ۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ "اللہ کے ذکر سے دل اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں" اور اسی کا نام جمعیت خاطر ہے کہ جس کے بغیر دین اسلام کی جامع صداقت دلوں پر اجاگر ہونا ممکن نہیں۔

دین اسلام کے جامع اور ابدی قوانین پر کامیابی سے عمل پیرا ہو کر اللہ کا محبوب بندہ جس وقت اپنے مالک کے پاس پہنچتا ہے تو اس کی کامیابی کا یوں اعلان کیا جاتا ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کہ "جمعیت خاطر کے ساتھ اپنے رب کے پسندیدہ دین پر چلنے والے اپنے رب کی طرف پلٹ جا۔ اس سے راضی ہو کر اور اس کو راضی کر کے اور میرے برگزیدہ بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا" مومن کی اسی انتہائی کامیابی کو حلاوت دل رضائے خاطر یا جمعیت خاطر کہا جائے گا جو ایمان والے کا مقصود حیات ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

مظہر تکمیل نبوت و رسالت

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد صرف یہ تھا کہ اپنے عہد کی وہ ہر قوم خدا کی ہدایت سے محروم نہ رہ جائے جو کسی بھی اعتبار سے آس پاس کی دوسری اقوام کو متاثر کر سکتی ہے یا اپنے نسلی دائرے یا جغرافیائی خطے میں کسی بھی لحاظ سے کوئی نمائندہ حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کی تہذیبی تاریخ پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جو خاصا طویل بھی ہے جب بنی نوع انسان کا اجتماعی شعور ابھی اپنے ارتقاء کی ابتدائی منازل طے کر رہا تھا اور علم اور عقل تہذیب کی معراج کو نہیں پہنچ سکا تھا، چنانچہ شعری ارتقا کے اس عبوری دور میں انسان یا اقوام کی ذہنی سطح کے مطابق انبیائے کرام کے واسطہ سے انہیں تعلیمات الٰہیہ سے نوازا گیا۔ خدا تعالیٰ نے انسانی شعور کے ارتقاء اور پیغمبرانہ شعور کے ارتقاء میں ایک توازن رکھا۔ یہاں تک کہ انسان ذہنی ارتقاء کی اس منزل تک آ گیا کہ اپنے بدلے ہوئے تہذیبی حالات کے متوازی الہیاتی تعلیمات کو سمجھ سکے، اپنی زندگی پر اس کا نفاذ کر سکے اور شعوری طور پر اس بات کو محسوس کر سکے کہ شعوب اور قبائل محض پہچان کا ذریعہ ہیں ورنہ انسان خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل اور خطے سے متعلق ہو فی الاصل ایک ہے، اس تصور کو چلا

صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج جھنگ

بخشنے کے لئے اور اس حقیقت کو نکھارنے کے لئے اور اس اعزاز پر خدا کا شکر بجالانے کے لئے اور اس حقیقت کو نکھارنے کے لئے اور اس اعزاز پر خدا کا شکر بجالانے کے لئے بالآخر ذاتِ احدیت نے انسانوں میں سے ایک انسان کو آخری نجات دہندہ بنا کر اس دنیا میں بھجوایا۔ ایک آخری کتاب اس کی وساطت نوعِ انسانی کو عطا فرمائی جس میں سب سے پہلا اعلان انسان کی زبان سے اپنے مقام کے انتہائی روحانی اور تہذیبی ارتفاع کے حصول کے شکرانے کے طور پر ان الفاظ میں کرایا گیا کہ:

الحمد للہ رب العالمین

اس لئے کہ انسان کا تہذیبی شعور اب واقعی اس درجے پر آچکا تھا کہ اس بے پایاں نعمت پر خدا کا شکر واجب تھا۔ چنانچہ نبی اکرمؐ انسانی تاریخ کے اس موڑ پر دنیا میں تشریف لاتے ہیں جو انسانی کی روحانی تہذیب کا تکمیلی موڑ ہے۔ یہ انسانی تہذیب کا وہ اہم موڑ ہے جب ہر رنگ و نسل کا انسان یہ صلاحیت حاصل کر چکا ہے کہ وہ امتِ واحدہ کا فرد بن کر اپنا عرصۂ حیات مکمل کرے اور بہترین نقوش چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد اور آگے آنے والے ہر عہد کے انسان کو یہی باور کرانے کے لئے تشریف لائے تھے کہ فی الحقیقت انسانیت کے اس مرحلے پر انسان کن صلاحیتوں سے سرفراز ہو چکا ہے اور تاریخ میں اب اسے اپنا مرتبہ اور مقام کس ڈھب سے زندگی گزار کر متعین کرانا ہے۔ انسان کی تاریخ کے جس عہد میں حضورؐ تشریف لائے وہ خدا کی ربوبیت کی انتہاؤں کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان معنوں میں حضورؐ انسان کی تاریخ میں دوسرے آدم قرار پاتے۔ پہلے آدم کے ساتھ انسان کے شعور کی طفولیت کا آغاز ہوتا ہے۔ درمیانی عرصہ میں انسان نے اپنے شعور کے سفر کی مختلف منازل طے کیں جس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰ بہت عظیم سنگ میل ہیں۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد انسانی تہذیبی شعور کی آخری منزل بن جاتی ہے کیونکہ یہ اعلان پچھلے کسی پڑاؤ پر نہیں سنا گیا جو رسالت و نبوت کے آخری پڑاؤ پر انسان نے یوں سنا ہے کہ آج سے دنیا بھر کا انسان ایک انسان ٹھہرتا ہے کیونکہ اس کا خدا ایک ہے۔ اب عقائد کے تمام دھارے توحید کے سمندر میں جذب ہوتے ہیں۔ خدا کی وحدت کی طرح انسان کی وحدت کا اعتراف بھی ضروری تھا کیونکہ انسانی کی روحانی تاریخ کی آخری معراج اور تکمیل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو یہی معراج بخشا اور انسان کی روحانی تہذیبی تربیت کے ادارے یعنی نبوت و رسالت کی تکمیل فرمائی۔ انسانی تاریخ کا سابقہ تجربہ یہ تھا کہ خدا نے انسان

کو مختلف علاقوں میں اور مختلف ماحول میں طبائع کی رنگا رنگی کے ساتھ پیدا کیا اور ہر زمانے اور ہر علاقے میں مختلف روحانی ہدایات سے بھی اس کے مطابق ہی انسان کو نوازا۔ لیکن انسان کو زمین پر ہمیشہ بٹے رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ انسان کے تہذیبی شعور کا سفر بیک وقت پھیلاؤ کا بھی ہے اور سمٹنے کا بھی چنانچہ مختلف نسلوں اور تمدنوں کے انسان بتدریج ایک دوسرے کے قریب آتے رہے کیونکہ نوعِ انسان کے ایک نقطہ پر جمع ہونے کے دن قریب آ رہے تھے۔ خدا انسان کی فطرت میں وحدت کا مادہ رکھ کر اسے مذاہب کی مستقل تفریق کا شکار نہیں رکھنا چاہتا تھا، تضادات کی باطنی ہم آہنگی کو سامنے لاکر اپنی کامل احدیت کا اظہار بھی چاہتا ہے۔ چنانچہ جب نظام قدرت فقط ایک دینی وحدت کا متقاضی ہے تو انسانی وحدت کا اعلان بھی ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ یہ فضیلت اور استکمالِ نبوت و رسالت اس نے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اسی حکمت کے تحت جس اتحادِ انسانی کا مشن آپؐ دنیا کے سامنے لے کر آئے تھے اس کا آخری اعلان آپ نے ان الفاظ میں ڈیڑھ لاکھ انسانوں کے سامنے یوں فرمایا:

"لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور جدِّ اعلیٰ بھی ایک ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، آدم مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خدا کے ہاں صرف وہی معزز ترین ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ برتری کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔"

(طبری)

دراصل اسی اتحادِ انسانی کے اعلانِ عام نے نینوا کے عداسؓ، یہود کے عبداللہ بن سلامؓ، سوڈان کے مدعمؓ، حبشہ کے بلالؓ، خراسان کے فیروزؓ، فارس کے سلمانؓ، روم کے صہیبؓ اور نجد کے ثمامہؓ کو مہاجرین اور انصار کا بھائی بنا دیا تھا۔

خدا کو صرف ایک قبیلے بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص کر کے بھی دیکھا گیا۔ خدا کے نور کو ایران کی سرزمین کا ورثہ بھی قرار دیا گیا۔ انسان کو خدا بیٹا بھی بنایا گیا۔ ویدوں کی مذہبی عبادتوں کو غریب اور نادار شودر کی سماعتوں کے لئے حرام اور خوفناک جرم قرار دے کر بھی تسکین حاصل کی گئی۔ حصولِ نجات کے لئے نروان اور آواگون کے چکروں میں بھی انسان کو گرفتار کرنے کی سعی کی گئی اور بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش کے دعوٰی پر بھی اکتفا کیا گیا لیکن انسان کے روحانی اور تہذیبی شعور کی تکمیل کہیں بھی نہ ہو سکی، اس لئے کہ یہ تمام تر مقاصد اور رائجہ ہائے

عمل محض ادھورے، نامکمل اور وقتی تھے۔ ان میں سے ایک اعلان بھی آفاقی نہیں تھا۔ دنیا بھر کے انسانوں کو کسی نے مخاطب نہیں کیا تھا۔ نہ کرشن نے نہ بدھ نے نہ زرتشت نے نہ موسیٰؑ نے نہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے ایک طویل سلسلے نے اور نہ ہی عیسیٰؑ نے۔ انسانوں کو اجتماعی طور پر مخاطب کیا تو فقط محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے انسان کی اکائی کو فقط آپؐ نے یہ کہتے ہوئے تسلیم کیا کہ:

یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (اعراف)

انسان کی روحانی تاریخ میں صرف یہ ایک اعلان اور تخاطب ہے جو ان تمام اختلافات کو ختم کر دیتا ہے جو وقتی اور نسلی اور ہنگامی تعلیمات سے پیدا ہوئے تھے لیکن اپنے اپنے عہد کی ضرورت بھی تھے۔ اگر یہ پیغام جس کا دوسرا نام قرآن ہے اور اس کا لانے والا جس کا نام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے انسان کو ذات احدیت کی طرف سے عطا نہ ہوتے تو دنیا کی روحانی تاریخ خدا کی احدیت کو ثابت کرنے سے عاجز رہتی حضورؐ انسان کے روحانی ارتقاء کی تکمیل کے آخری مظہر تھے۔ اگر جسم کے ارتقاء کا ایک خاص مقام پر پہنچ کر مستقل شکل اختیار کر لینا ضروری تھا تو روح اور شعور کے لئے بھی یہ بات بے حد ضروری تھی کہ وہ نبوت اور رسالت کے حوالے سے بے شمار روحانی منازل طے کرنے کے بعد بالآخر ایک آخری منزل پر آکر مستحکم ہو جاتے اور نبی اکرمؐ نے انسانی روح اور شعور کو اپنی رسالت اور اپنی نبوت کے ساتھ استکمال اور استحکام بخشا۔ حضورؐ کی ذات کے ساتھ انسانی تمدن اور تہذیب دونوں اپنے کمال اور اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں مادی ترقیات انسانی اعمال میں جو یکسانیت اور سہولت پیدا کرتی ہیں وہ تمدن ہے اور کلچر یعنی تہذیب و ثقافت ان افکار کا صلہ ہے جو کسی بھی معاشرے میں مذہب اور اخلاق کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی تاریخ کے ہر عہد میں یہ دونوں ادارے موجود رہے ہیں۔ انبیاء کلچر پر اثر انداز ہونے والی ہستیاں ہیں اور خود عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک کا ہر کلچر اقوام میں اختلاف کا باعث رہا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ سابقہ انبیاء نے ایک ہی کلچر کو اپنی اپنی اقوام اور خطوں کے سامنے پیش کیا مگر اپنی جزوی شکل میں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کلچر کو اپنی کلی شکل میں تمام انسانیت کے سامنے پیش فرمایا اور مظہرِ تکمیلِ نبوت و رسالت ٹھہرے۔

تمدن اور تہذیب انسان کی تاریخ میں اپنی تبدیلیوں کے جلو میں ہمیشہ ساتھ ساتھ نہیں چلے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کبھی صرف تمدن کا دور تھا اور کبھی صرف تہذیب یا کلچر کا۔ مثلاً رومنوں کا اقتدار تمدن کا عہد تھا مگر

ابتدائی عیسائیت نے صرف کلچر کے فروغ میں حصہ لیا اور کوئی تمدن پیش نہیں۔ پھر ایک دور ایسا بھی آیا جب روم عیسائیت کے زیر اثر آیا تو تہذیب تمدّن پر غالب آگئی تا آنکہ آج یورپ میں تہذیب یا کلچر تمدّن کے تابع ہو چکے ہیں بہر حال اسلام سے پہلے نہ کبھی تہذیب یا کلچر آفاقی ہو سکا نہ کوئی تمدّن عالمگیر قرار پایا۔ گویا دنیا اور دین یا مادیت اور روحانیت اکٹھے نہیں ہو سکے۔ تورات کے پیش کردہ نظام میں اس اجتماع کی ایک صورت ملتی ضرور ہے مگر وہ ابتدائی ہے دوسرے مذاہب کے ہاں تو اس کی سرے سے کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت و رسالت اس اعتبار سے بھی کاملیت کی مظہر ٹھہرتی ہے کہ جب ہم اسلام کی روحانی اور تہذیبی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بلا شبہ یہ ہمیں تمدن اور تہذیب کو مملو کرنے کی ایک کامیاب اور آخری کوشش نظر آتا ہے۔

مختصر معاشروں یا ایک یا چند اقوام یا قبائل کی رہنمائی بے لچک قوانین کے بل پر کی جا سکتی ہے۔ شاید اسی لئے سابقہ انبیاء کی تعلیمات میں ہمیں بالعموم کوئی لچک دار رویہ نظر نہیں آتا لیکن ساری انسانیت کی رہنمائی ایک ایسی تعلیم کی متقاضی ہوتی ہے جو اپنے اندر لچک رکھتی ہو۔ انسان منفی اعتبار سے ہم اعضاء ہونے کے باوجود اپنے سوچنے کے انداز میں خدا تعالیٰ کی ہر دوسری مخلوق سے مختلف ہے، اس ہستی کو ایک وحدت بنانے کے لئے کس قدر ضروری تھا کہ ایک ایسا رسول دنیا کے سامنے آئے جو اس ادارے کی تکمیل کرتے ہوئے تمام انسانوں کو اعتصام بحبل اللہ کی طرف لے آئے۔ اور اس کا پیش کردہ نظام بے لچک نہ ہو۔ نبوّت اور رسالت دراصل انسان کو نجات کا راستہ دکھانے والے الوہی ادارے کا نام ہے مگر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہی مذاہب جو نجات کا راستہ دکھانے کے دعوٰی دار تھے تمدنی ترقیوں میں یوں جذب ہو گئے کہ خدا کے راستے کی بجائے اپنے لئے آپ رستے اختراع کرنے لگے اور یوں سابقہ انبیاء کی تعلیمات ضائع ہو کر رہ گئیں۔ اس باب میں پچھلے تمام تر روحانی تجربات ناکارہ ہو گئے اور اب یہ ضروری تھا کہ ایک ایسا نبی اور رسول دنیا کے سامنے آئے جو اس قدیم ترین ادارے کا مظہر استکمال ہو یہی ہمارے آقا و مولا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

ایسا بھی نہیں ہوا کہ کلچر یا تہذیب کو نمو دینے والی الہامی تعلیمات تورات اور انجیل اور زبور اور غیر الہامی تعلیمات وید اور گیتا اور ژند اور پاژند یکسر دنیا سے مٹ گئیں۔ اوراق میں اپنی محرّف و مبدل شکل میں تو یہ آج بھی موجود ہیں مگر خود ان کے ماننے والوں کے نزدیک مستند نہیں رہیں۔ ان میں اپنی اصل شکل میں کوئی

ایک بھی باقی نہیں۔ یہ ساری تعلیمات جن پر انسانی کلچر کا اپنے اپنے زمانے میں مدار تھا نہ صرف تاریخی شہادتوں کے اعتبار سے بلکہ اپنی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر بھی اپنا مرتبہ اور مقام کھو چکی ہیں اور یہ بات انسان کے تہذیبی رویّے کو غیر مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے پھر وہ تضادات اور توہمات اور اختلافات اور غیر عقلی اور غیر اخلاقی اور غیر انسانی باتیں اس پر مستزاد ہیں جو ان کتب کا حصہ بن چکی ہیں چنانچہ انسانی کلچر کی سابقہ تمام بنیادوں کا زوال قرآن کو بطور آخری اور مکمل اور دائمی کتاب ثابت کرنے کا سبب بن جاتا ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی جس کا استکمال کیا بلحاظ مضامین اور اسالیب اور زبان اور اعجاز کے اور کیا بلحاظ اپنی تعلیمات کے چیلنج نہیں ہو سکا۔ اور جب یہ آخری پیغام محفوظ ہے تو اس کا لانے والا بھی تہذیبِ انسانی کے اہم ترین ادارے یعنی نبوت اور رسالت کا مکمل کرنے والا ٹھہرتا ہے۔

رسول عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کے موقع پر یہود بھی اپنے کلچر کے احیاء بذریعہ ادارہ نبوت منتظر تھے مگر یہ مقام صرف اور صرف آپؐ ہی کو عطاء ہوا اور اس اعلان کے ساتھ عطاء ہوا کہ :-

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام)

یہودیوں کی طرف سے یہ بات بار بار کہی گئی کہ نَحْنُ اَوْلٰی بِالْمُلْکِ وَالنُّبُوَّۃِ فَکَیْفَ نَتْبَعُ الْعَرَبَ (تفسیر الخازن) لیکن جب یہودؔ اپنے کلچر کی آپ اپنے اعمال کے باعث نفی کر چکے تھے تو یہ ادارہ بھی اپنی آخری اور مکمل شکل میں حق بحقدار رسیدہ ہونا لازم ہو چکا تھا۔ آخر چار ہزار سال پہلے ابراہیمؑ کی اس دعا کا مظہر جسے قرار پانا تھا وہ کوئی معمولی درجے کا نبی یا انسان تو نہیں ہو سکتا تھا کہ :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ (البقرہ)

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مظہرِ تکمیلِ رسالت و نبوت ہونا ابو الانبیاء ابراہیمؑ کی اس دعا کا صلہ بھی ہے۔ اس آیت میں نبی کی بعثت کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں۔ خدا کا نشان دکھانا، اس کی طرف سے حاصل کردہ تعلیم کو پیش کرنا۔ اس تعلیم میں بیان شدہ امور کی حکمتیں اور فوائد کا پتہ بتانا اور اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعہ انسانوں کو پاکباز بنانے کی سعی کرنا ظاہر ہے کہ یہ چاروں اغراض انسان کے کلچر کی نمو کا ذریعہ بنتی ہیں چنانچہ ابراہیمؑ کی اس دعا کے نتیجے میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ امام رازی نے تفسیر الکبیر کے جزء سوم میں اس پر بیحد خوب صورت گفتگو کی ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

"انبیاء اور رسولوں کی بعثت سے دین کے متعلق فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور وہ چند وجود سے ہوتا ہے اوّل اس طرح کہ مخلوق میں طبعی طور پر قلتِ فہم اور ناسمجھی کی صفت پائی جاتی ہے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کے دلائل ان کے سامنے پیش کئے اور ان کو واضح فرمایا اور جب بھی ان کے دلوں میں کوئی شک وشبہ گزرتا تو آپؐ اس کا ازالہ فرماتے اور اس کا جواب دیتے۔ دوم لوگ اگرچہ جانتے ہیں کہ انہیں اپنے مولیٰ کی خدمت کرنا ضروری ہے لیکن وہ اس خدمت کے ادا کرنے کا طریق نہیں جانتے تھے آپؐ نے اس خدمت کی کیفیت کو بیان فرمایا تاکہ وہ اس خدمت کو بجالا سکیں اور یوں کہ غلطی سے بھی محفوظ رہیں اور کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں جو نامناسب ہو۔ سوم لوگوں میں طبعاً سستی، غفلت اور ملال کی صفت بھی پائی جاتی ہے چنانچہ آپؐ نے ان کے سامنے مختلف قسم کی ترغیب وترہیب رکھی جو انہیں اطاعتِ احکامِ الٰہی کے لئے چاک وچوبند کر دے اور ان کے اندر شوق اور ولولہ کو اجاگر کر دے۔ چہارم انسانی عقل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آنکھ کا نور اور یہ بات واضح ہے کہ آنکھ کے نور سے کامل طور پر فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جبکہ سورج کا نور بھی پھیلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نور عقلی اور الٰہی سورج کے نور کی طرح ہے۔ پس وہ لوگوں کی عقلوں کو اپنے نور سے تقویت دیتا ہے اور ان کے لئے ان غیبی امور کو ظاہر کرتا ہے جو اس کے ظہور سے قبل پوشیدہ تھے۔"

گویا حضورؐ انسان کے اس کلچر کو اپنی معراج پر پہنچانے والے وہ آخری نبی اور رسول تھے جو تمدن کو بھی ہمراہ لے کر چلتا ہے۔ ادارۂ نبوت کے حوالے سے امام رازی نے تفسیر الکبیر میں لکھا ہے کہ لا یجوزُ أن یَبعثَہُ اللہُ إلّا مَعَ کمالِہٖ فی العقلِ والرّأیِ والعلمِ بالتوحید جب دوسرے انبیاء کا یہ مقام ہے تو نبیٔ آخر الزمان ختمی مرتبت کا عقل اور رائے اور علم توحید میں مظہرِ کامل ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔

امام رازی نے تفسیر الکبیر کے پانچویں جزء میں نبی اور ولی کے استکمال میں ایک فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے فَالوَلِیُّ ھُوَ الانسان الکامل لایَقْوٰی علی التکمیلِ والنبیُّ ھُوَ الانسان الکامِل المکمّلُ بے شک تمام دوسرے انبیاء نے انسانوں کے لئے اپنا نمونہ چھوڑا بلکہ اپنی زندگی کی روح

دوسروں میں پھونکنے کی سعی کی مگر سیرت النبیؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم گواہی دیتی ہے کہ اپنے اصحابؓ کو ستارے بنا دینے والے تمام انبیاء میں صرف ایک آپؐ ہی تھے گویا تکمیلِ نبوت و رسالت کا اصل کام صرف آپؐ نے ہی انجام دیا۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں نبی اکرمؐ کے کامل مظہرِ رسالت و نبوت ہونے کی گواہی پیش کرتی ہیں۔

سورۃ دخان میں ویسے تو سب رسولوں کے لئے خدا کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ

لیکن رحمۃ للعالمین کا خطاب فقط رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر کے انہیں رسالت کا مظہر کامل شمار کیا گیا اور یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔ یوں تو ہر نبی نے اپنے مصاحبین کو اندھیروں میں نور عطا کیا لیکن صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور معیت سے جو نور صحابہ کرامؓ کو عطا ہوا۔ وہ ان کی چشم بصیرت کو بھی روشنی عطا کرنے والا تھا اسی لئے ایک نشست میں فرمایا:

"اگر تمہاری روحانی حالت اور ایمانی کیفیت اسی طرح قائم رہے جس طرح میرے ساتھ بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔" قوتِ قدسیہ کا یہ مقام انبیاء و مرسلین میں سے سوائے نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو بھی عطا نہیں ہوا صحابہؓ نے نور نبوت کے فیضان کو جس طرح اپنی حرزِ جاں بنانے کی کوشش کی اور اپنے آقا کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو جس طرح یاد رکھا پرانی نبوتوں کی تاریخ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کرتی۔ بے شک ہر نبی کامل ہوتا ہے اور اپنے متبعین کو کامل بناتا ہے لیکن آج سابقہ انبیاءؑ کی سیرت کے نمونے کہیں بھی نہیں ملتے نہ ان انبیاء کے متبعین نے انہیں محفوظ رکھا ہے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کسی نبی اور رسول کی وہ واحد سیرت ہے جو افراد اور الفاظ ہر شکل میں محفوظ ہے اور قرآن آپؐ کی سیرت اور اخلاق کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم) فقط آپؐ کے لئے ارشاد ہوا ہے آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کی عظمت، وسعت اور گہرائی کی شہادت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ آپؐ صرف انسانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ دیگر عوالم کو بھی محیط ہیں۔ چنانچہ خدا نے فرمایا:

ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے باعثِ رحمت بنایا

گویا رسالتِ محمدیؐ اِن معنوں میں بھی مکمل ہے کہ اسے تمام عوالم کے لئے بنایا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخِ نبوت و رسالت میں جملہ انبیاء اسلام کا صرف سراغ دیتے نظر آتے ہیں ان کی زندگیوں کا جو کچھ حال بھی معلوم ہو سکا ہے

وہ انسان کی تہذیبِ نفس کے لئے کوئی مکمل اور جامع کلچر یا نظام دیتا نظر نہیں آتا۔ یہ بزرگ ہستیاں دینِ فطرت کو کامل اور مکمل نہ کر سکیں اس میں ان کی ناکامی کو نہیں بلکہ ان کے منصب کی حدود کو دخل تھا چنانچہ ان کی صرف وہی سنت محفوظ رہ سکی یا یاد کی جاتی رہی جس جس میں وہ مظہرِ کامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف انبیاء اپنی کسی نہ کسی صرف ایک صفتِ خاص کے ساتھ مشخص ہیں جبکہ حضورِ ختمی مرتبت اجتماعِ کمالاتِ نبوت و رسالت نظر آتے ہیں آپؐ کی ذات میں وہ تمام صفات جو دیگر انبیاء اور مرسلین کو الگ الگ عطا ہوئی تھیں تمام کی تمام شامل ہو جاتی ہیں شاید محمدؐ کا نام بھی اسی استکمال کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے معنی ہی یہ ہیں کہ حد درجہ تعریف کیا گیا متقدمین انبیاء کے کمالاتِ متفرقہ اور خصوصی صفات کا حضورؐ کی ذات میں ہونا آپؐ کو اسم بامسمّٰی ثابت کرتا ہے قرآن کہتا ہے: فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ تو ان کی تمام متفرق ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کر لے اور فرمایا وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ تجھ پر تیرے خدا کا فضل سب سے زیادہ ہے۔

گو یا محمدؐ کے مقام کو اب کوئی دوسرا نہ پہنچ سکے گا بلکہ ادارۂ نبوت و رسالت میں بھی اب کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا نہ ظلی نہ بروزی۔ زبور میں حضورؐ ہی کے لئے کہا گیا: "خدا نے جو میرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے معطر کیا۔" نبوت کے تمام اخلاقِ فاضلہ حضورؐ کی ذات سے اجاگر ہوئے حضور کا وجود ہر نبی کے لئے متمّم اور مکمل ہے۔ آپؐ کی ذات کی برکت سے دوسرے انبیاء کی مخفی باتوں کو بھی سامنے آنے کا موقع ملا اور تمام کمالاتِ نبوت آپؐ کی ذات میں تمام ہوئے صحیح مسلم اور ترمذی میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: "مجھے دوسرے انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت بخشی گئی ہے اور ان میں سے ایک بات حضورؐ نے یہ بیان فرمائی کہ مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا مگر میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نبی بنایا گیا ہوں" انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے لفظ قرآن کی ذیل میں اعتراف کیا ہے کہ: "دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب محمدؐ ہیں"۔ یہ اعتراف حضورؐ کے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ کے مقام پر سرفراز ہونے کے باعث ممکن ہوا اور جس کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ آپؐ نے تمام متقدمین انبیاء اور مرسلین کے صحائف اور کتب اور تعلیمات کی تصدیق فرمائی اور ان کے اخلاقِ فاضلہ کو اپنے اسوۂ حسنہ میں شامل کر لیا اور سورۃ الحدید کی زبان میں "خدا نے آپ کے ذریعہ سے مردہ زمین کو نئے سرے سے زندہ کیا۔"

خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ الیوم اکملتُ لکمُ دینکم و اتممتُ علیکم نعمتی ورضیتُ لکمُ الاسلام دیناہ (آل عمران) اس بات کی بھی شہادت ہے کہ حضورؐ ایک ایسے وقت میں دنیا سے رخصت ہو کر اپنے رفیقِ اعلیٰ سے ملے جب وہ اپنا فریضہ نبوت و رسالت مکمل طور پر انجام دے چکے تھے۔ قرآن کا نزول مکمل ہو چکا تھا اور اس کی تعلیم بے شمار انسانوں کی زندگیوں میں مستقل انقلاب پیدا کر چکی تھی۔ انسانوں کی تربیت کا عمل اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا اور انسان پر ایک دائمی کلچر یا تہذیب کے استکمال کی نعمت تمام ہو چکی تھی۔ حضورؐ اس وقت تک اس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے جب تک دینِ اسلام، تنزیلِ قرآن اور تکمیلِ نفوسِ انسانی کی نعمتوں سے متمتع نہیں ہو چکا تھا کسی دوسرے نبی نے ایسی شانِ استکمال پہلے نہیں دکھائی۔ قرآن کی بہت سی آیات اس پر گواہ نہیں، خاص طور پر سورۃ اذا جاء جس کا مضمون یہ بتاتا ہے کہ جس کام کے لئے آنحضرتؐ تشریف لائے تھے وہ بے شک پورا ہو گیا اور ہزارہا انسانوں نے آپؐ کی زندگی میں آپؐ کی آفاقی تحریک میں شمولیت اختیار کر لی چنانچہ اس مرحلے پر شکر، تسبیح اور استغفار کا متواضع عمل واجب ٹھہرتا ہے۔ تورات میں لکھا ہے کہ "میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی قائم کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو اس کے کلام کو سنے گا میں اس سے مطالبہ کروں گا۔" گویا قرآن کی موجودگی نے تورات کے نسخ کو خود تورات سے ثابت کر کے نبی اکرمؐ کو مظہرِ کامل نبوت و رسالت ثابت کر دیا۔ انجیل نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ انجیل کی تعلیم کامل اور جامع اور دائمی ہے بلکہ صاف کہا کہ: "اور بہت سی باتیں تھیں مگر تم برداشت نہیں کر سکتے تھے لیکن جب محمدؐ یم (یا فارقلیط یا بے حد و حساب تعریف کیا گیا) آئے گا تو وہ سب کچھ بیان کر دے گا۔" گویا دونوں بڑے مذاہب نے اپنی محدود تعلیم کا اعتراف کیا ہے اور ایک مکمل ہدایت لے کر آنے والے آخری نبی کی نوید سنائی ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ ابھی مکمل الٰہی کے بیان کرنے کا وقت نہیں آیا مگر جب فارقلیط یعنی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم آئیں گے تو وہ قرآن کی شکل میں اپنی کامل تعلیم اور بطور ایک معیار کے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کریں گے اور اپنی نبوت اور رسالت کے کمال کے مظہر بنیں گے۔

قرآن میں نبوت و رسالت کے تمام علوم جمع ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی جامع اور کامل وحی قرار دی گئی۔ جملہ معارف اور متقدمین کو دی جانے والی ہر روحانی نعمت آپ کو عطا کر دی گئی اور یوں بھی آپؐ کی ذات پر کمالِ نبوت و رسالت تمام ہوا۔ خدا کی حمد اور تعریف انبیائے سابقہ نے بھی کی مگر احمد

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس باب میں بھی خدا کی تعریف کو اپنے کمال پر پہنچا دیا اور خدا شناسی کا ایک نیا معیار پیش کیا لہٰذا خدا کا احمد ہونے کے اعتبار سے بھی کوئی نبی یا رسول حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرح کامل اور اکمل نہیں ہے اور یہ حضورؐ کی عبودیت کی حیثیت کا کمال ہے قرآن نے حضورؐ کے کمال کی ایک شہادت یوں بھی دی ہے کہ اقراء کا حکم آپؐ کی ذات کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی دوسرے نبی یا رسولؑ کو نہیں ملا۔ گویا آپؐ کی تربیت، خاص عطائے الٰہی ہے اور یہ تاریخ رسالت میں ایک منفرد اعزاز ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی علمی تکمیل بغیر کسی واسطہ کے ہوئی اسی لئے فقط آپؐ کو مہدی کہا گیا۔ایک مستشرق ہرش فیلڈ نے اپنی کتاب NEW RESEARCHES میں لکھا:

"دنیا کی کسی قوم نے اتنی جلدی تہذیب حاصل نہیں کی جیسے کہ عربوں نے واقعی اسلام کی بدولت حاصل کی ہر اس تہذیب کے پیچھے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وہ مہدّویت کار فرما تھی جس نے ان گنت انسانوں کو عارف کامل بنا دیا اور ایک شاندار کلچر کی بنیاد رکھی۔ یہ اعزاز دنیا میں صرف ایک ہی انسانِ کامل کو عطا ہوا جس پر سلسلۂ کمالاتِ انسانیہ بھی تمام ہوا اور سلسلۂ نبوت و رسالت بھی اور دائرۂ استعداتِ بشریہ بھی اسی بے مثال ہستی پر اپنے کمال کو پہنچا۔حق تو یہ ہے کہ وراء الوراء ذات احدیّت کو انسانی عقل محض اپنی طاقت سے دریافت کرنے سے قاصر ہے اگر نبی اکرمؐ نے اس کا پتہ ہمیں نہ بتایا ہوتا چنانچہ اس عالی مقام انسان کی قوت قدسیہ کا مکمل اندازہ دوسرے انسانوں کے بس سے باہر ہے۔ جس طرح عبادت صرف اللہ واحدہٗ لاشریک کے لئے ہے اسی طرح اتباع کے لئے بھی صرف رسولِ عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات ہی واحد ہے۔

نبی کریمؐ کی ذات کے ساتھ نوعِ انسانی کے اتحاد اور عالم گیر برادری کے مادی، اخلاقی، سیاسی اجتماعی اور دستوری نشو و نما کی ابتدار ہوتی ہے۔حکم کے سرچشمہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے ساتھ انذار اور تبشیر کا فریضہ پورا ہوا۔بعثتِ انبیاء کے ہر مقصد کی تکمیل اسلام نے کر دی اور نبی اکرمؐ کی نبوت و رسالت انسانیت کے لئے ایک عظیم مستقبل کی نوید لے کر آئی اب انسان کے فکر اور وجدان کو ایک ساتھ آگے بڑھنا تھا۔ ہر چند کہ دوسری تحریکوں نے بھی نوعِ انسان کے قدم کسی نہ کسی اعتبار سے آگے بڑھائے لیکن کارنامہ اسلام کو دنیا کے تہذیبی انتکال کے سلسلہ میں انجام دینا تھا وہ صرف نبی اکرم صلّی اللہ علیہ

وسلم کی رسالت و نبوت کی قطعیت اور حاکمیت نے سنبھالا۔ حضورؐ کی رسالت کا مقصد خالصتاً انسانی معاشرہ کو وجود میں لا کر نصب العین، قیادت، اطاعت، آئین حیات، راہِ عمل، غرض ہر چیز کو ایک مرکز پر مرتکز کرنا تھا، اور یہ مقصد آپؐ نے پورا کر دیا۔ بقولِ اقبال: "آپؐ کی ذات کے ساتھ نبوت اپنے کمال کو پہنچ گئی اور وہ مقصد پورا ہو گیا جس کے لئے اس ادارے کی ابتداء ہوئی تھی"۔ حضورؐ کی خاتمیت اب محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے اسلام کے پیش کردہ تہذیبی معاشرے میں بطور ایک اٹل حقیقت کے قبول کرنا ہو گا کیونکہ عقائد بدل سکتے ہیں مگر حقائق اٹل ہوتے ہیں اقبال نے حضورؐ کی نبوت و رسالت کو اسی خیال سے روحانی کے علاوہ ایک اجتماعی ادارہ بھی کہا ہے کیونکہ اگر اس سے مقصود امتِ واحدہ کی تشکیل ہے تو اس کا مؤسس قائد بھی فقط ایک ہی ہو گا اور ایک ہی رہے گا۔ اس کی کوئی ایسی تعبیر اس نبوت کے استکمال کو مجروح کر دے گی جس سے کوئی نئی قیادت ظہور میں آئے۔ حضورؐ نے جس نبوت اور رسالت کو پیش کیا وہ اگر ایک "اجتماعی ادارہ" بھی ہے تو گویا فرد اور جماعت کے لئے منظم اور منضبط زندگی کا اصول بھی ہے۔ قرآن کے بقول حضورؐ کی بعثت ہی اس لئے ہوئی کہ "جن زنجیروں نے انسان کو جکڑ رکھا تھا وہ توڑ دی جائیں"۔ اقبال نے لکھا ہے کہ: "نوعِ انسان کے اپنے بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد یہ قدرتی امر تھا کہ نبوت بھی اپنے استکمال کے ساتھ اپنے خاتمے پر خود اپنی خاتمیت کی مہر ثبت کر دے اور انسان اب کسی مزید رہنمائی کے انتظار میں مضطرب اور مذبذب نہ رہے۔ اب اسے اپنے آپ پر بھروسہ ہو اور وہ اس آخری نبوت کے سہارے جو اسے عطا ہوئی ہے اپنی تہذیبی زندگی کا بوجھ آپ اٹھائے" کیونکہ اس نبوت نے انسان اور انسان کے درمیان مصنوعی حدبندی ختم کر دی ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان کلیسائی روک مٹا دی ہے۔ حریت، مساوات، آزادی، اخوت اور عدل و احسان کی اقدار ایک حقیقت بن کر معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کرنے کے لئے پیش کر دی ہیں اور اب ایک جہان امکان طلوع ہو رہا ہے۔

اقبال اپنے پانچویں خطبے "مسلم ثقافت کی روح" میں کہتے ہیں:

پیغمبرِ اسلام قدیم اور جدید دنیا کے درمیان کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے پیغام کے ماخذ کے لحاظ سے وہ قدیم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس پیغام کی روح انہیں جدید دنیا سے وابستہ کرتی ہے۔ ان

کی ذات میں زندگی نے اپنی جدید رہنمائی کے لئے مناسب اور پہلے سے مختلف ذرائع علم دریافت کئے ہیں۔ اسلام کے ذریعہ نبوت اپنے خاتمے کی ضرورت کے احساس کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اس سے مراد اس امر کا شدید احساس ہے کہ زندگی ہمیشہ کے لئے خارجی سہارے کی محتاج نہیں رہ سکتی۔"

چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات میں نبوت اور رسالت اپنے خاتمہ کی ضرورت کے احساس کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور دیکھا جائے تو ختم نبوت کا مقام مرحلہ وار رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچا۔ اقبال کے بقول:

"ختم نبوت سے مراد اس امر کا شدید احساس ہے کہ زندگی ہمیشہ کے لئے خارجی سہارے کی محتاج نہیں رہ سکتی اور یہ کہ خود شعوری کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ بالآخر انسان محض اپنی استعداد پر انحصار کرنے لگے۔"

انسان کو اس منزل تک لانے کے لئے انبیاء کی تعلیم کا اسلوب بتدریج بدلتا رہا اور یہ بھی ایک طرح کا انسانی اور پیغمبرانہ شعور کا ارتقاء تھا۔ ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزاد نے اسی خیال کے پیش نظر کہا:

"انبیائے کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفت کے لئے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہ تھا بلکہ اس کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے۔"

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے نبوّت و رسالت کے مظہرِ کامل ہونے نے دنیا کو عقلیت کے دور میں داخل کر دیا ہے اقبال نے ٹھیک ہی تو کہا ہے کہ:

"اسلام جدید تفکر اور تجربے کی روشنی میں قدم رکھ چکا ہے۔ اب کوئی ولی یا پیغمبر اسے قرونِ وسطےٰ کے تصورات کی تاریکی کی طرف واپس نہیں لے جا سکتا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

* سید فیضی

سرور کائنات و فخر موجودات، ہادیٔ عالم و نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ماہ ربیع الاول کو خصوصی نسبت حاصل ہے اسی مبارک مہینے میں نکہتِ میلاد النبیؐ سے چمنستانِ حیات کا ذرہ ذرہ مسکرایا تھا، کفر و باطل کے مطلع تاریک پر ایمان و ایقان کا وہ آفتاب طلوع ہوا تھا جس کی روشنی میں سسکتی ہوئی انسانیت نے آنکھیں کھولی تھیں؛ آنے والا ختمِ رسالت کی آخری کڑی، توحید کا مبلغ اور اسلام کا شارع بن کر آیا تھا، رسالت جس کا مقصد ہدایت، توحید جس کا پیغام ہمہ گیر اور اسلام جس کی تعلیمات آفاقی ہیں، انسانی زندگی کے ہر شعبے کو اپنی دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ کوئی پہلو ایسا نہیں جو مذہب اسلام کی دسترس سے باہر ہو اور اس کے لئے خاص احکامات موجود نہ ہوں، شریعت اسلام کی یہ ہمہ گیری اور دستورِ محمدی کی یہ افادیت اس لئے ہے کہ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ایک ہی حیثیت سے اپنی زندگی لوگوں کے سامنے پیش نہیں کی، اللہ نے اپنی اس آخری رسول کو رحمتِ عالم بنا کر بھیجا تھا۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحدت کی تبلیغ فرمائی ہے، لوگوں سے جھوٹے خداؤں کی عبادت چھڑوا کر انہیں ذاتِ واحد کا پرستار

---

* معروف انشوپرداز، و سابق مدیر ماہنامہ اوقاف

بتایا ہے۔ تو پیغمبرانِ اخلاق کی حیثیت سے بھی وہ خلقِ عظیم کی منزل پر فائز ہیں، خلقِ عظیم کی یہ منزل اِس ارشادِ ربانی سے اور بھی واضح ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین

اے نبیؐ! ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالموں کے لئے رحمت بنا کر۔

اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے رحمت کا ہر وہ عنصر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں جمع کر دیا ہے جو انسانی فہم و ادراک میں آسکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی رحمت کی حدوں کو محدود نہیں کیا۔ بلکہ اسے علاقے، مذہب، نسل اور رنگ کے کسی اختلاف کے بغیر ہر اس عالم اور جہان پر محیط کر دیا گیا ہے جہاں بسنے والے موجود ہیں اس میں نہ مومن کی قید ہے نہ کافر کی اور علامہ طبری نے تو اس ضمن میں ابن عباس کے اس نظریے کی حمایت کرتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اس میں مومن بھی شامل ہیں اور کافر بھی۔ مومنوں کے لئے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں حضور اکرمؐ کے ذریعے صحیح راستہ دکھایا اور اللہ کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا۔ اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے کے باعث جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی۔ کافروں کے لئے رحمت کا مفہوم یہ ہے کہ ان پر سے وہ عذاب اور آزمائشیں دور کر دی گئیں جو رسولوں کو جھٹلانے پر پہلی امتوں پر مسلط کر دی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس رحمتِ عالم کے وجود باجود سے تاریخ انسانی جس نئے دور میں داخل ہوتی ہے وہ خود اس امر کی شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رب العالمین کی طرح رحمۃ اللعالمین کی مظہر ہے۔ جہانوں کے مالک نے ایک ایسے نبی کو جہانوں کی رحمت بنا کر دنیا میں بھیجا جس کا دل محبت و شفقت، دوستی و اخوت، رافت و مودت کا ایسا موجیں مارتا ہوا سرچشمہ ہے جو دوستوں ہی کو نہیں اپنی دشمنوں کو بھی سیراب کرنے کے لئے بے قرار ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ بے پایاں نے کبھی اپنے اور بیگانے میں فرق روا نہیں رکھا۔ چھوٹے اور بڑے میں کوئی تمیز نہیں کی۔ بارش برستی ہے تو وہ زرخیز اور بنجر زمین میں فرق روا نہیں رکھتی۔ رحمتِ عالمؐ نے بھی کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ قرآن آج بھی اُن کے متعلق یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے:

لقد جآءکم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رءوفٌ رحیم ۝

(تمہارے پاس تمہیں میں سے ایسے رسول آئے جن پر تمہاری بدحالی بہت شاق گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کا جن کو ہو کا لگا رہتا ہے۔ ایمان والوں کے لئے تو وہ بے حد رحم دل اور بے انتہا مہربان ہیں۔)

اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ طبقات میں بٹی ہوئی انسانیت پیغام وحدت کو ماننے میں چون وچرا سے ضرور کام لے گی۔ بعض تو اسے کھلے دل سے قبول کرلیں گے لیکن بعضوں کے دلوں پر خود غرضی اور مفادات کے تالے پڑ چکے ہیں، اس لئے راہ ہدایت قبول کرنے میں انہیں تامل ہوگا۔ لیکن رحمتِ عالم یہ معلوم ہو جانے پر بھی اپنی کوشش میں مصروف دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ "اے پالنے والے! میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ یہ حقیقت سے بے خبر ہیں۔"

دین اور عبادات کی اس وقت جو شکل تھی، اس کی حیثیت رسوم وظواہر کے گورکھ دھندوں کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ انسان اور خدا کے درمیان براہ راست تعلق کی بجائے کئی وسیلے قائم ہو چکے تھے۔ معاشرہ اس سے علیحدہ کٹ کر رہ گیا تھا۔ اور عقائد نے بھی ایک پیچیدہ صورت اختیار کر لی تھی۔ رحمتِ عالمؐ تشریف لائے تو صدیوں کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے ان عقائد کی روشنی نصیب ہوئی جن کی بے مقصدیت نے اپنا طلسم خود ہی توڑ کر رکھ دیا تھا، نورِ حقانیت نے اوہام وتصورات کے ان جالوں کو صاف کر کے انسانیت کی فلاح وبہبود کا جو سرمدی پیغام دیا وہ یہ تھا کہ تم سب اولادِ آدم ہو اور خدائے واحد کی عبادت کے لئے تخلیق کئے گئے ہو۔ اولادِ آدم ہونے کی حیثیت سے تم سب برابر ہو، کسی کو دوسرے پر کوئی تفوق اور برتری حاصل نہیں اور برتری حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ راہِ تقویٰ اختیار کرو۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

(بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہی لوگ ہیں جو تم میں سے زیادہ متقی ہیں)

دنیا کے دانشوروں پر آج یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے اور وہ کالے گورے، امیر غریب، مفلوک الحال اور سرمایہ دار کے فرق کو مٹانے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور رنگ ونسل، قوم وقبیلہ، ذات برادری اور ملک وملت کے افتراق کو ختم کرنے میں کوشاں ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ مساوات کا یہ نعرہ سب سے پہلے کس نے بلند کیا۔ انسان اور انسان کے درمیان کس نے تفریق دور کی۔ رنگ ونسل اور حسب نسب کے افتخار کو کس نے باطل قرار دیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ ذات ختمی مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جنہوں نے پیغمبرِ مساوات بن کر دنیا کو ہدایت کی راہ دکھائی جنہوں نے سرزمین مکہ سے یہ نعرہ بلند کیا

کہ جو بھی لا الٰہ الا اللہ کہہ دے وہ چاہے کسی بھی نسل و رنگ اور قوم و قبیلہ سے تعلق رکھنے والا ہو ہمارے دائرے میں آ کر ہمارا ہم مرتبہ و ہم وقار بن جائے گا یہ ہے ختم نبوت سے حاصل شدہ وہ منزل جس پر اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر فائز ہے۔ وہ گری ہوئی انسانیت کو کمال اخلاق کی ان بلندیوں تک لانے میں مصروف رہا۔ جو فضائل کی حد آخر میں اور اپنی نبی کی اس جدوجہد پر قرآنِ حکیم نے مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہو کہا : اے نبیؐ تمہاری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ اگر یہ لوگ تمہاری بات نہ مانیں تو عجب نہیں کہ تم ان کے پیچھے افسوس کے مارے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دو۔"

یہ ہے وہ عظیم انسان جس کے قول اور فعل میں ہم رنگی تھی جس کا خلوص اور للہیت زبان زدِ عام ہے جس کے صدق و صفا سے رہ و رسم وفاداری کی عمارت سر بلند ہوئی جس کے عدل و خیر خواہی سے جبر و استبداد کے تیور بدلے اور جس کے سیرتِ مقدسہ نے زندگی کو سلیقہ عطا کیا۔ یہ عظیم انسان اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ سلسلۂ انبیا کی وہ آخری کڑی ثابت ہوا کہ اس کے بعد پھر کسی نبی یا رسول کی حاجت نہ رہی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ
خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور وہ ہیں جن پر سلسلۂ انبیا ختم کر دیا گیا ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، نبوت و رسالت خدا کی جانب سے ہے۔ یہ ایک منصب ہے، جو مخلوق کی رشد و ہدایت کے لئے کسی مخصوص انسان کو عطا ہوتا ہے اور جو پیغام اس انسان کو ملتا ہے اسے وحی کہا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ اس پیغام کو دوسروں تک پہنچا دیتا ہے وما ینطق عن الھویٰ نبوت و رسالت کا جو سلسلہ انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام سے چلا وہ حضرت آدم علیہ السلام سے چلا وہ حضرتِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اس دوران جو انبیا اور رسل آتے رہے۔ سب ایک ہی پیغامِ الٰہی کے حامل تھے، اسی لئے قرآن نے کہا لانفرق بین اَحَدٍ مِن رُسُلِه اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں میں فرق روا نہیں۔ اللہ نے انہیں اس منصب عظیم سے نوازا ہے۔ بنی نوع انسان کی ہدایت کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے اور اس اعتبار سے یہ بالکل برابر ہیں ان کے عام خصائص بہ حیثیت نبوت و رسالت سب مشترکہ ہیں لیکن ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وفضلنا بعضهم علیٰ بعض اور ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض رسولوں کو بعض پر ظاہر ہے کہ یہ فضیلت حقیقت رسالت و نبوت کے اعتبار سے نہیں دی گئی۔ اس میں تو سب ایک ہی جیسے ہیں لیکن ہر نبی کو جو خاص ذمہ داری اور مخصوص فرائض سپرد کئے گئے ہیں انہیں تکمیل دینے کے لئے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ قرآن حکیم نے انبیاء و رسل کے وہ خصائص و کمالات بھی بیان فرما دیئے ہیں اور اس کے بعد حکم دیا ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۝

یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔ سو آپ بھی انہی کے طریقہ پر چلئے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے (تبلیغ قرآن) پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے (یعنی وہ تمام طریقے اللہ نے ذات ختمی مرتبت میں جمع کر دیئے تھے' جو انبیائے سابق کے زیر عمل رہے اور اس طرح سرکار نبوت ان کے جملہ علمی و عملی کمالات کی حامل بن کر مبعوث ہوئی، گویا نوع انسانیت آہستہ آہستہ ترقی کے مدارج طے کر کے اس درجے پر پہنچ چکی تھی کہ مناسب وقت آنے پر وہ تجلی افروز پیغام جو انبیائے اسبق دیتے چلے آ رہے تھے اب وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رشد و ہدایت کی شکل میں آفتاب روحانیت بن کر سارے عالم پر چھا گیا۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین کہہ کر روشن کیا اور اس کی شہادت خود ذات قدسی صفات نے بھی دی۔

میری اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے مکان بنایا اور اس کو مکمل کر لیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس میں قصر نبوت کی وہی اینٹ ہوں جس نے آ کر اس قصر کی تکمیل کر دی۔

اور جب اس قصر نبوت کی تکمیل ہو گئی تو وحی نے آواز دی

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔

تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کی یہ نعمت اس ذات ستودہ صفات کی شکل میں تمام ہوئی جو بشر ہو کر بھی !! ہر بشر سے بلند و بالا ہے۔ خیر البشر ہے۔ ذات و صفات کی جملہ اچھائیوں میں منفرد و یگانہ، جس کا باطن ظاہر

سے زیادہ روشن، جس کا عمل تفسیرِ علم و معرفت، جس کا علم سرچشمۂ افکار و نظریات، سراپا رحمت خیرِ مجسم، منبعِ لطف و عطا، ہر درد کا مسیحا، ہر زمانے کا ہادی، رسالت میں مجتبےٰ، نبوت میں مصطفےٰ، خلیل اللہ کی اشارت، ابنِ مریم کی بشارت۔

کوثر چکد از لبم بہ ایں تشنہ لبی
خاور رمد از شبنم بہ ایں تیرہ شبی
اے دوست ادب کہ در حریمِ دلِ ماست
شاہنشہِ انبیاء رسولِ عربی

رسولِ عربیؐ کی پوری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ وہ ایک نیا نظام لے کر آئے تھے، انہوں نے ایک نیا ماحول پیدا کیا۔ ایک نئی تاریخ کے معمار بنے، اپنے قول و فعل سے وہ انقلاب پیدا کیا کہ انسانی قدریں بدل گئیں۔ لوگوں کے ذہن تبدیل ہو گئے۔ مزاج و اطوار میں تغیر آ گیا۔ تہذیب و تمدن رسم و رواج، یہاں تک کہ لوگوں کے اندازِ فکر میں بھی تبدیلی ہو گئی۔ ختمِ نبوت کا یہی منظہر ہے، جو نبوت کی ہر منزل پر بڑی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ہر قدم پر اک منزل ارفع نثار اور ہر منزل قربِ الٰہی سے سرشار، فکر و عمل کا یہ عالم کہ ہر لفظ و بیان شریعتِ الٰہی اور ہر حرکت دیں پناہی، ان کا طور و طریق قانونِ فطرت اُن کا پیغام منشورِ انسانیت اور ان کا سلوک مکمل رحمت۔

ایک ایسی ذات جو بشر ہے تو فخرِ بشریت، رسول ہے تو تاجدارِ رسالت، نبی ہے تو نازشِ نبوت۔

اپنی ذات میں ایک ایسی طویل اور مربوط تاریخ جو چودہ سو سال پر محیط ہے۔ ہر لحاظ سے کامل، ہر اعتبار سے مکمل، جس کی زندگی کا لمحہ لمحہ تاریخ ساز! یہیں سے انسانیت کو ایک بہترین معلم سے علم حاصل ہوا، اک حق نگر کی حق نمائی ملی۔ اک پیکرِ صدق و صفا کا خلوص ملا، اک رحمتِ مجسم کی شفقت نے سر پہ ہاتھ رکھا اور منتشر افراد ایک ملت بن کر ایک دوسرے کے رفیق ہمدرد اور معاون بن گئے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے یونہی تو نہیں کہا تھا:

غنچہ از شاخسارِ مصطفےٰ
گل شو از بادِ بہارِ مصطفےٰ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت
بہرۂ از خلقِ او باید گرفت
فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں ۔ اس سے بڑھ کر انسانیت کو اور کونسا نظامِ زندگی مل سکتا ہے، امانت، صداقت اور شفقت ہو کہ ایثار و قربانی، حسنِ سلوک ہو یا جود و سخا، رحم و کرم ہو یا عدل و انصاف، حق پروری ہو یا ہمدردی و غم گساری ـــــ زندگی کی کوئی کیفیت ہو، ذاتی ہو کہ معاشرتی انفرادی ہو کہ اجتماعی، اسلام اور شارعِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ہمیں ایک جیسا اندازِ فکر اور یکساں طرزِ عمل بخشا ہے ۔ ظاہر و باطن کا ایک ایسا مکمل اور حسین امتزاج مظہرِ ختمِ نبوت کے سوا اور کہیں دکھائی نہیں دیتا ۔

فیصلہ عقل کا ہے اور یہ تقاضئے شعور
مظہرِ ختمِ نبوت پہ فضائل ہیں تمام

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

مظہر تکمیل نبوت و رسالت

٭ ڈاکٹر عبدالرشید

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی خاتم النبیین،
اپنا مختصر مقالہ" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت" پیش کرتے ہوئے اصلاح معاشرہ کے لئے اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند عملی نمونے پیش کروں گا۔ میں نے اس مقالہ میں اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر ہم میں سے ہر فرد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اپناتے ہوئے اصلاح معاشرہ کی کوشش کرے گا تو انشاء اللہ ہماری کامیابی یقینی ہو گی۔

ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق و کردار سے ایک ایسے معاشرہ کو مثالی معاشرہ بنا کر پیش کیا جس میں ہر برائی اپنے عروج پر تھی تو آج بھی ہم آپؐ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے اس معاشرے کی اصلاح کرتے ہوئے ایک مثالی معاشرہ بنا سکتے ہیں۔ تو آیئے آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے اس کی ابتداء کرتے ہیں۔

واحسن منک لم تر قط عینی　　واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب　　کانک قد خلقت کما تشاء

٭ شعبہ علوم اسلامی　کراچی یونیورسٹی

عرب کے مشہور شاعر حسان بن ثابت کے یہ وہ اشعار ہیں جو انہوں نے پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میری آنکھوں نے آپ سے زیادہ کبھی کسی کو حسین نہیں دیکھا اور عورتوں نے آپ سے زیادہ کوئی صاحب جمال نہیں جنا۔ آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا گویا کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق پیدا کئے گئے۔ شاعر کا یہ کہنا کہ آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برکات عالی صفات جمال میں اعلیٰ واشرف ہے۔ اور وہ تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے سب کے سب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اور یہ اس لئے کہ آپ بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت تشریف لائے۔

ان ہی کمالات میں سے ایک کمال یہ ہے کہ آپ نے معاشرے کی اصلاح وفلاح کے لئے ایسا ضابطہ اخلاق پیش کیا کہ جس پر عمل کر کے ہم معاشرے کی اصلاح کر سکتے ہیں اور یہ ایسا ضابطہ ہے جس کی بنیاد قرآن ہے۔ جیسا کہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس ضابطہ اخلاق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔
کان خلقہ القرآن یعنی جو کچھ قرآن میں اخلاق وصفات محمودہ مذکورہ ہیں، ان سب سے آپ متصف تھے۔
اس لئے قرآن نے آپ کی ہر بات کو اپنی بات قرار دیا اور واضح کر دیا کہ آپ جس طرح کے اخلاق کی تعلیم دیں گے وہ عین قرآن ہے۔

وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی ۝ (۵۳-۳،۴)

ترجمہ:۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہیں ان کے تمام احوال وافعال اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت وبعثت صرف ایک نبی کی یا صرف ایک امت کی یا ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش تھی، جو آپ کی بدولت ظہور میں آئی۔
آپ کی بعثت مبارک کے آثار اس دنیا کے چپے چپے پر موجود اور اس کے ذرّے ذرّے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ اور دنیا اپنے عقیدے، انداز فکر، تہذیب وتمدن، اخلاق ومعاشرے اور علم وثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں۔ اور اگر وہ اس سے الگ کر دیئے جائیں تو وہ اپنی بہترین سرمائے اور اثاثے سے محروم ہو جائے گی، دنیا دراصل اپنی زندگی کے لئے بھی بعثت محمدی کی ممنون ہے۔ اس لئے اسی نے اسے زندگی کا استحقاق بخشا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دیا، اور خیر کو شر پر غالب کر کے خدائی غضب کی مار اور اللہ کی لعنت اور

بدبختی سے اسے بچالیا جس کی وہ مستحق ہو چکی تھی۔ دنیا بعثت محمدی سے پہلے اس کی بالکل سزاوار تھی کہ اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کی بنیاد کھود ڈالی جائے۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون ٭ (پ ۲۱)

ترجمہ :- لوگوں کے کرتوتوں کے سبب خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا تاکہ وہ انہیں ان کے کئے کا کچھ مزہ چکھائے شاید وہ اپنے کئے سے باز آئیں۔

مظہر تکمیل نبوت و رسالت نے اس جاہلی ماحول کو یکسر بدل دیا، جس کے نتیجے میں ہر زمانے میں اور ہر جگہ خدا کے مخلص بندے ربانی و حقانی علماء، عادل حکمران، زاہد بادشاہ، مجاہد مرد کثرت سے پائے جانے لگے، ان پر خدا کو فخر تھا اور تاریخ ان کے احترام پر مجبور اور دشمن بھی ان کے آگے سرنگوں تھے اور بالآخر صحیح اور مفید علم اور صالح اور برگزیدہ عقل، خیر پسندی کا قوی جذبہ اور مومن و مجاہد جماعت کے افراد ہر طرف پھیل گئے جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے۔ اللہ پر ایمان لاتے اور اس کے راستے میں جہاد کرتے اور اس سلسلے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اس طرح جہاد و اصلاح، دعوت و ارشاد کی ایک مسلسل تاریخ بن گئی جس میں کوئی خلل اور وقفہ نہیں

گویا مظہر تکمیل نبوت و رسالت نے مردم سازی اور آدم گری کا کام اس سطح سے شروع کیا جہاں سے کسی نبی یا مصلح کو نہیں کرنا پڑا تھا۔ اور نہ وہ اس کا مکلف بنایا گیا تھا۔ اس لئے کہ عام طور پر دیگر انبیاء کی قوموں کی معاشرتی سطح، زمانہ جاہلیت سے بہت بلند تھی، اس کے باوجود آنحضرتؐ نے اپنے اس عظیم کام کو اس سطح سے پہنچا دیا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔

آپؐ نے اس سطح سے کام شروع کیا کہ جہاں حیوانیت کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی تھی اور اس اعلیٰ سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی منزل ہے اور جس کے بعد نبوت کے سوا کوئی اور درجہ نہیں اور جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔

اس طرح مظہر تکمیل نبوت و رسالت نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعے ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی رسی پکڑ سے ڈرنے والا، دیانت دار و امانت دار دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظر حقارت سے دیکھنے والا، اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے۔ چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے

میدان میں آتا ہے تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا۔ اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف و محنتی انسان نظر آتا، وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور غم خوار مالدار ہوتا، جب وہ مسند قضا اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا، اسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و غم خوار حاکم اور سردار ہوتا اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحب فہم خازن ہوتا۔

ان ہی اینٹوں سے اسلامی معاشرت کی عمارت بنی تھی اور اسلامی حکومت ان ہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی، آج بھی ہم اگر اپنے معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو مظہر تکمیل نبوت و رسالت کی پیروی اسی انداز سے کرنا ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے پیش منظر میں معلم اخلاق کی حیثیت سے پیش کیا گیا قرآن کریم کی سورہ بنی اسرائیل میں اسلام نے ایک ایسا مکمل ضابطہ اخلاق پیش کر دیا ہے۔ (۵) جس کی پیغمبر اسلام نے بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت اپنی زندگی میں سب کے سامنے وضاحت کر دی۔ یوں تو کم و بیش وہ بارہ اخلاقی قدریں ہیں جو کسی معاشرے کی اصلاح و فلاح کی ضامن ہیں لیکن اس مقالہ میں ان میں چند ایک کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ اگر ہم کم از کم ان اخلاقی قدروں کو ہی اپنے معاشرے کا جزو بنا لیں تو ہمارا یہ معاشرہ ایک مثالی بن کر ابھر سکتا ہے۔

۱۔ عدل و انصاف

کسی بھی معاشرے میں عدل و انصاف کا اہم مقام ہوتا ہے اور یہی معاشرے کو سنوارنے اور بگاڑنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے پیغمبر اسلام نے اس کا ہمیں کیا درس دیا۔ ملاحظہ ہو۔

غزوہ بدر کے قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور ان میں آپؐ کے چچا حضرت عباس بھی شامل ہیں انصار نے اس خیال سے کہ آپؐ کے قریبی عزیز ہیں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اجازت دیں تو ان کا زر فدیہ معاف کر دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں ایک درہم بھی معاف نہیں کیا جائے گا (۶)

۲۔ اساتذہ کا کردار

آج ہمارے معاشرے میں استاد و شاگرد کے درمیان ایک خلیج حائل ہے اور دن بدن یہ وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس خلیج کو پاٹنے میں اساتذہ کیا کردار ادا کر سکتے

ہیں اور ان میں طلباء کے لئے کیا جذبہ ہونا چاہیئے تاکہ اصلاح معاشرہ میں اساتذہ بھرپور حصہ لے سکیں۔ اس سلسلے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ موجود ہے۔

آپؐ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے اس قدر محبت تھی کہ جب آتیں تو فرط محبت میں کھڑے ہو جاتے، پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے لیکن جب اتنی عزیزہ بیٹی نے ایک کنیز فراہم کرنے کی درخواست دی تو ارشاد ہوا، ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو جائے میں دوسری جانب توجہ نہیں دے سکتا (۷) اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی درخواست پر فرمایا یہ نہیں ہو کہ میں تم کو دوں اور اہلِ صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔ (۸)

۳۔ وعدہ کی پابندی

غزوہ بدر میں کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی تھی ایسے موقعوں پر کسی بھی سپہ سالار کی یہ قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ جس قدر فوج میں اضافہ ہو سکے بہتر ہے۔ لیکن آپؐ نے اس موقعہ پر کیا درس دیا ملاحظہ کیجئے۔

حذیفہ بن الیمان اور حیدر و صحابی مکّہ سے آرہے تھے راستے میں کفار نے روکا اور اس شرط پر چھوڑا کہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں گے۔ ان دونوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کی تو آپؐ نے فرمایا وعدہ کی پابندی ضروری ہے۔ ہمیں صرف خدا کی مدد پر بھروسہ ہے۔ (۹)

۴۔ تواضع و انکساری

ہمارے معاشرے میں آج کل خاص و عام کا اتنا فرق ہے کہ ایک چپڑاسی اپنے دفتر کے سامنے دن میں بار بار کھڑا ہوتا ہے۔ جو نہیں صاحب تشریف لائے، چپڑاسی کے لئے ضروری ہے کہ ان کی تعظیم میں کھڑا ہو جائے۔ اور جتنی مرتبہ آمنا سامنا ہوگا اس بے چارے کو یہ پریڈ کرنا ہوگی لیکن اسلامی معاشرہ کے مصلح نے تو خود اپنی غیر ضروری تعظیم سے منع فرمادیا۔ ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے لوگوں نے تعظیماً کھڑا ہونا شروع کیا آپؐ نے فرمایا اہل عجم کی طرح تعظیم کے لئے نہ اٹھو۔ (۱۰)

۵۔ والدین کا مقام

آج ہمارے معاشرے کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اولاد کو کس طرح والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ والدین کا مقام پہچانیں اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"وبالوالدین احسانا" (۱۱)

ترجمہ :۔ اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ پیغمبر اسلام کے حقیقی والدین موجود نہ تھے لیکن رضاعی والدین کے ساتھ آپؐ کا جو برتاؤ تھا اور جس اخلاق سے آپؐ ان سے پیش آتے اس کا ثبوت ابوداؤد کی یہ روایت ہے۔

آپ تشریف فرما تھے آپؐ کے رضاعی والد آئے آپؐ نے ان کے لئے چادر کا ایک کونہ بچھا دیا پھر آپؐ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں تو آپؐ نے دوسرا کونہ ان کے لئے بچھا دیا اور یہاں تک کہ جب آپؐ کے رضاعی بھائی آئے تو آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے ساتھ بیٹھا دیا اور ایک صحابی کے دریافت کرنے پر تین مرتبہ فرمایا کہ والدہ کے ساتھ نیکی کرو پھر والدہ کے ساتھ اور پھر جو ان کے قریب تر ہوں۔ (۱۲)

۶۔ دوسروں کو معاف کر دینا

معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اگر ہم دوسروں کو معاف کرنے کا جذبہ پیدا کر دیں تو معاشرے کے افراد میں باہمی محبت پیدا ہوگی جو اصلاح معاشرہ کا سبب بنے گی۔ مظہر تکمیل نبوت و رسالت کا علمی نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

عبداللہ بن ابی عمر بھر منافقت پر قائم رہا اور ہر موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔ غزوۂ احد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر الزام لگانے والوں میں آگے آگے تھا لیکن رحمۃ اللعالمین نے اس کی موت کے بعد بھی اس کی معافی کے لئے کوشش فرمائی اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور نہ صرف یہ بلکہ فرمایا اگر مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ میں ستر مرتبہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھوں تو یہ بخش دیا جائے گا تو میں اس سے بھی زیادہ کرتا (۱۳) معافی اور درگزر کی اس سے بڑھ کر تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے۔

مزید ملاحظہ کیجئے کہ سفر طائف میں آپؐ پر پتھروں کی بارش کی جاتی ہے آپؐ بہو میں تر بہ تر ہو جاتے ہیں خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں جم جاتا ہے اور وضو کے لئے پاؤں جوتے سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس موقع پر بھی آپؐ نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ کسی کے لئے برا نہ چاہو معاف کرو اور درگذر سے کام لو شاید یہ نہیں تو ان کی اولاد انسانی فلاح کے لئے کچھ کرے۔ لہذا اس موقع پر بھی جب آپ کے ہاتھ اٹھتے ہیں تو اللہ کی خوشنودی ہی کے لئے اسے اللہ تعالیٰ جب تو مجھ سے ناخوش نہیں تو مجھے ان تکالیف کی کوئی پرواہ نہیں، کیونکہ تیری عافیت اور بخشش میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر غضب نازل کرے بس تو راضی ہو جائے اور تیری مدد اور تائید کے بغیر کسی کو کوئی قدرت نہیں (۱۴) اور آپؐ کا یہ فرمانا کہ میں ان لوگوں کی تباہی کے لئے کیوں دعا کروں اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور اللہ پر ایمان لانے والی ہوں گی۔ (۱۵) اور تاریخ نے یہ بات ثابت بھی کر دی کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم طائف ہی کے قبیلے کے ایک فرد ہے۔

۷۔ اصلاح معاشرہ میں حکومت کا کردار

آج ہم میں سے ہر ایک کی زبان پر یہ بات ہوتی ہے کہ کیا کریں یہ حکومت کا کام ہے اس سلسلے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ درس دیا کہ حکومت کیا ہے تم خود حکومت ہو۔ تم میں اگر ہر ایک اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن انجام دے تو حکومت خود بخود بہتر کارکردگی کی شکل میں نظر آئے گی۔ آپؐ نے فرمایا۔ مسلمانوں تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ہر آدمی اپنے گھر کا راعی ہے۔ اور گھر والے اس کی رعایا ہیں۔ ہر ملازم اپنے آقا کے مال واسباب پر راعی ہے اور یہ مال واسباب اس کی رعایا ہے پس ہر راعی سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہو گی۔ (۱۶)

اصلاح معاشرہ کیلئے اتھارٹی

پیغمبر اسلام نے جہاں معاشرے کی اصلاح کیلئے ہمیں ایک ضابطہ اخلاق عملی صورت میں پیش کیا۔ وہاں یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس ذات مقدس کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے والدین اور اولاد

سے زیادہ محبوب نہ جانے (۱۷) اور یہ حقیقت ہے کہ کس کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس پر یقین کامل ہو جائے کہ وہ جو کہہ رہا ہے اس پر عمل کر کے انسان کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس حیثیت کی اللہ نے نہ صرف ضمانت دی بلکہ آپ کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ :۔

اے رحمتہ اللعالمین ان بندوں کو بتا دو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو جس کے بدلے میں وہ نہ صرف تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو جس کے بدلے میں وہ نہ صرف تم سے محبت کرے گا بلکہ تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ (۱۸) اور یہ مقام صرف اور صرف پیغمبر اسلام کو حاصل ہے کہ جن کی اتباع کر کے ہم ایک ایسے معاشرے کو جنم دے سکتے ہیں۔ جس میں ہر فرد اپنے آپ کو محفوظ و مامون تصور کرے اور یہی مقصد ہے اصلاح معاشرہ کا۔

حرف آخر

یہ ایک مسلمہ بات کہ ادنیٰ سے ادنیٰ علم بھی بغیر علم کے کمال کے نہیں پہنچ سکتا۔ علم الاولین والآخرین رکھنے والی اس ذات گرامی نے ایسا مکمل نقشۂ عمل کھینچا کہ سارا عرب بیدار ہو گیا اور ہر جہت زندگی میں کمال ہی کمال نظر آنے لگا۔ عبادات میں کمال، معاملات میں کمال، علم و معرفت میں کمال، محبتوں میں کمال، استعدادات میں کمال، یہ سب اس مظہر تکمیل نبوت و ریاست کے طفیل ہوا۔

رسول کریم خود کمال و مکمل ہیں اس لئے آپؐ نے اپنے صحابہ کو بھی تکمیلی مدارج پر لے جانے کے لئے ایک کامل نمونہ اصلاح پیش فرمایا جو دنیا کی تمام اقوام کے لئے یکساں مفید ہے۔ آپؐ نے پہلے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد بتلائے۔ کھانے پینے، بات چیت، اٹھنے بیٹھنے کے طریق سکھلائے تاکہ لوگ مؤدب اور شائستہ ہو جائیں۔ پھر اخلاق زیادہ کو معتدل فرمایا، پھر اسلام و ایمان کے ذریعے محبت و رضا سکھلایا، پھر تزکیہ نفس فرمایا تاکہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوں۔ اس درجہ کمال پر صحابہ کو حیات طیبہ ملی جس سے وہ ایام جاہلیت اور عہد اسلام میں خوب تمیز کر سکتے تھے۔ حیات طیبہ کے بعد صحابہ پر معرفت کے دروازے کھلے جو مجموعہ کمالات ہے۔ انہی تکمیلی مراحل کو آیت تکمیل میں یوں بیان فرمایا گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔[۱۹] طریقہ زندگی کمال کو پہنچ گیا، تمام نعمتیں

کمال کو پہنچ گئیں۔ مسلم نے اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے اس کی رضا حاصل کر لی۔ یہی تو کمال حیات ہے اب نہ کسی رسول کی ضرورت اور نہ کسی کتاب کی تکمیلی مراحل سارے طے ہو گئے۔

فاق النبیین فی خلق و فی خلق　　ولم یدانوہ فی علم و لا کرم

وکلھم من رسول اللہ ملتمس　　غرفاً من البحر او رشفا من الدیم

وواقفون لدیہ عند حدھم　　من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم

فھو الذی تم معناہ و صورتہ　　ثم اصطفاہ حبیباً باری النسم

ان اشعار میں شاعر نے کمال خوبی سے آپ کو بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت پیش کیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ مظہر تکمیل نبوت و رسالت کی تعلیمات کی ابدیت کے دشمن بھی معترف تھے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح معاشرہ کا بیڑا اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو آپ کو بچپن سے جانتے تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے آپ کے اس مشن کو ناکامیاب بنانے کے لئے اپنے مال، اولاد اور اپنی جانیں تک گنوا دیں لیکن اس کے باوجود کسی نہ کسی انداز میں آپ کی تعلیمات اور مثالی کردار کی تصدیق کرتے رہے۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ کے متعلق اظہار خیال ہو رہا تھا نصر بن حارث جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ شخص تھا کہنے لگا۔ اے قریش تم پر جو مصیبت آئی ہے۔ اب تک تم اس کی تدبیر نہ نکال سکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا وہ تم میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ صادق العقل اور امین تھا۔ اب جب اس کے بالوں میں سفیدی آئی ہے اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے۔ کاہن ہے۔ شاعر ہے۔ خدا کی قسم میں نے ان کی باتیں سنی ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کوئی بات نہیں تم پر کوئی نئی ہی مصیبت آئی ہے[۲۱]

ہم ایک ایسی مملکت کے شہری ہیں جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی لہذا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر تکمیل نبوت و رسالت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں تاکہ ہماری موجودہ حکومت نے اصلاح معاشرہ کے لئے جو کوششیں شروع کی ہیں۔ انہیں کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہم اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ حکومت نے عملی قدم اٹھا لیا ہے

اگر ہم اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کریں گے تو اس کا جواب دہی اللہ کے سامنے ہمیں کرنا ہوگی. کیونکہ حکومت اب بڑی الذمہ ہو چکی ہے اور اس کے لئے ہمیں اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ اور اسی کی طرف حضرت علامہ اقبال نے بھی اشارہ فرمایا ہے.

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۲۲)

ماخذ

(۱) الانصاری، حسان بن ثابت، دیوان حسان بن ثابت. مصر، المطبعة ۔ ۱۳۷۴ھ

(۲) بخاری، ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، مصر، مطبع مصطفی البابی الحلبی ۱۳۵۵ھ

(۳) قرآن سورۃ ۵۳، آیت ۳

(۴) قرآن سورۃ ۳۰، آیت ۴۱

(۵) سورۃ بنی اسرائیل کی ان آیات کا ترجمہ ہے۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو. فضول خرچی نہ کرو. زنا کے قریب مت جاؤ. ناحق کسی کی جان نہ لو، یتیم کے مال پر نظر نہ رکھو اور ناپ تول صحیح رکھو وغیرہ (قرآن سورہ ۱۷، آیات ۲۳ تا ۳۷)

(۶) بخاری، ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الصحیح بخاری، محولہ بالا

(۷) ابوداؤد، سلیمان بن ثابت، سنن ابوداؤد، مصر، مصطفی البابی ۱۹۵۲ء

(۸) احمد بن حنبل، امام، مسند احمد بن حنبل، مصر، المطبعة المیمنیة ۱۳۰۶ھ

(۹) مسلم، بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۸ھ

(۱۰) ابوداؤد، سلیمان بن ثابت، سنن ابوداؤد، محولا بالا

(۱۱) قرآن سورۃ ۱۷، آیت ۲۳

(۱۲) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، دہلی، فخر المطابع ۱۲۷۰ھ

(۱۳) بخاری ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل ، الصحیح بخاری ۔ محولہ بالا

(۱۴) طبری ، ابو جعفر محمد بن جریر ۔ تاریخ الرسل والملوک ۔ لیدن ، ای ۔ بی ۔ بریل ۱۹۰۱ء

(۱۵) مسلم ، بن الحجاج القشیری ۔ صحیح مسلم ۔ محولہ بالا

(۱۶) احمد بن حنبل ، امام ۔ مسند احمد بن حنبل ۔ محولہ بالا

(۱۷) بخاری ، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل ۔ الصحیح بخاری ۔ محولہ بالا

(۱۸) قرآن سورۃ ۳ آیت ۳۱

(۱۹) قرآن سورۃ ۵ آیت ۳

(۲۰) عبداللہ محمد بن سعید البوصیری ، کواکب دریہ فی مناقب خیر البریہ (قصیدہ بردہ) مصر
المطبعۃ المیمنیۃ ، ۱۲۹۸ ھ

(۲۱) ابن ہشام ، ابو محمد عبدالملک ، السیرۃ النبویہ ، مصر ، مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۵ھ

(۲۲) محمد اقبال ، ڈاکٹر ، بانگِ درا ۔ لاہور ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۲۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقامِ مصطفیٰ

بلوچی و براہوئی ادب کے آئینے میں

★ ڈاکٹر انعام الحق کوثر

بلوچی کا ایک شعر ہے :-

برحق ایں ہماں پیمبر
فرقان پہ درو رہدر ، بر !

(ترجمہ : نبی اکرمؐ سچے پیغمبر ہیں اور فرقانِ مجید کا عملی نمونہ ہیں)

براہوئی میں مولانا عبدالباقی درخانی کہتے ہیں :-

زمین آسمان ستارہ ٹی محمدؐ اُس محمدؐ اُس
نناف کرواشارہ ٹی محمدؐ اُس محمدؐ اس

ترجمہ : زمین، آسمان اور ستاروں میں محمدؐ ہی محمدؐ ہے اور ہمارے فکرواشارہ میں محمدؐ ہی محمدؐ ہے۔
یہ دونوں شعر بلوچی و براہوئی ادب میں حضور پاک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ برحق کی ایک واضح اور روشن جھلک پیش کرتے ہیں۔

★ چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کوئٹہ

بلوچی شاعری میں قدمات اور متوسطین کے ہاں نسبتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ایک منفرد رنگ ہے۔ یہ شعرا جو اکثر طویل منظومات نظم کرتے تھے۔ نظم کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے کرتے ہوئے ایک دو شعروں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی جانب رجوع کرتے اور تب اپنے موضوع کی طرف آتے تھے۔

قدیم بلوچی شاعری چونکہ سینہ بہ سینہ روایات کی مرہونِ منت رہی ہے اور ناخواندگی اور قبائلی جنگوں کے باعث لوگوں نے معتدبہ اشعار چھوڑ کر صرف ان اشعار کو حفظ کیا جن کی انہیں جنگی رجز یا بزم کی ہماہمی میں ضرورت تھی۔ اسی لئے جو تھوڑی بہت مذہبی اور اخلاقی نظمیں ملتی ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں اسلامی عقائد کا بیان ہے۔ دوسرے حصے میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک، حضرت علیؓ اور درویشوں کے متعلق قصے ملتے ہیں۔

بلوچی کا دور متوسط پڑھے لکھے شعراء کا دور ہے، جنہیں بلوچی میں عموماً ملا کہا گیا۔ ملا عالم کے علاوہ بلوچی میں پڑھے لکھے کے لئے بھی مستعمل ہے۔ ملا عبداللہ کی نظم کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے؛

"میں محمدؐ اور آلِ محمدؐ کی مدحت کرتے ہوئے، رسالت پر ایمانی شہادت دیتا ہوں۔"

ملا بہرام کہتا ہے؛

بحق حق شناس احمد جو یٰسین و طٰہٰ ہیں
اُمتِ مسلمہ کو نارِ جحیم سے رستگاری عطا فرما

ملا بہادر اپنی مناجات میں گویا ہوتا ہے؛

اے بدر الدجیٰ کے مالک آپؐ خوف اور مایوسی سے تبرا ہیں میں آپؐ کی درگاہ میں ملتجی ہوں، میری دعائیں قبول فرما؛

ملا فاضل رند المتلقب بہ "غالب مکران" اپنی ایک عبرت انگیز نظم میں کہتے ہیں ؎

نبیوں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت کا درود سے آغاز کرتا ہوں۔

سو درود اور سو سلام، یہی میرا ارمغاں ہے۔

جام درک (ڈُرک یعنی دُرِّناب کی مانند اور جام تخلص) بلوچی زبان کا ملک الشعرا، میر نصیر خاں نوری کے زمانے میں تھا، بہت حساس شاعر ہے۔ نعت کی روایت تو اس کے ہاں نہیں ملتی۔ مگر اس کی ایک نظم رمز میں ہے۔ جو نعت کا تاثر دیتی ہے، ملاحظہ ہو!

اے کہ خوشبوؤں میں معطر، چاند سی منور جبیں ہے
ہم بیشک اس سے وفادار نہ ہوئے
وہی نگہِ لطف سے ہم پر نظر کرے
وُہ مجسم خوبی اپنی بہت سی اداؤں سے
بلاشبہ بادشاہ ہے
لعل کی طرح درخشندہ
سلاطین کی طرح باجبروت،
یہ ہمارے حبیب کی پہچان ہے۔
یہ ہمارے محبوب کا تعارف ہے۔

مست توکلی نے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، مثلاً (ترجمہ)

پاک ہے تیرے حبیب کے (معراج) دیدار کی ساعت
وُہ محمدؐ جو شیر آسا اپنے عہد کا سچا ہے
جس کے سر پر توحیدی طلائی تاج ہے اور جس کی سخاوت بے مدیل ہے۔

ملا عمر مری کا کلام بلوچی کے علاوہ فارسی اور اردُو میں بھی موجود ہے اس نے حمد، مداح اور مولود بھی کہے ہیں۔ مولود میں حضورؐ کی ثنا اور صفت ہوتی ہے۔ یہ صنف سندھی سے بلوچی میں آئی ہے۔ محمد ابراہیم جو انساں بگٹی دورِ متوسط کے شعرا کی آخری کڑی ہے۔ اس کے یہاں نعت اردو، فارسی شاعری

کی روایات کے عین مطابق ہے، کہتے ہیں:

ترجمہ: محمدؐ ہمارے رہنما ہیں ہم کتنے خوش قسمت اور ذی شان ہیں

وہ گوہر گراں مایہ، وہ ایک عطر بیز پھول ہیں

جب سورج آگ اُگلتا ہوگا تو محمّد مصطفٰےؐ تشریف لائیں گے، ہم پر اپنی چادرِ رحمت کا سایہ فرمائیں گے. اپنے ملبوس سے ہم پر عنایت فرمائیں گے۔

دُرخانی مکتبۂ فکر کے قادر الکلام وشاعر میاں حضور بخش جتوئی کا عظیم ترین کارنامہ قرآن مجید کا صاف اور شستہ بلوچی میں ترجمہ ہے، آپ گویا ہوتے ہیں:

ہمارے دین اور دُنیا کی روشنی آپؐ ہیں. آپؐ کی وجہ سے چاروں طرف روشنی ہے۔

مکران کے میر عیسیٰ قومی کے کلام میں امید ہی امید کی جھلکیاں نظر آتی ہیں کہتے ہیں۔

ترجمہ: تیری اُمّت کے گناہگاروں کو شاہ مدینہؐ تیرا ہی سہارا ہے

تیری درگاہ ہی کے اُمیدوار ہیں۔

ہماری فریاد پر دستگیری فرما اور ہمیں مزید شرمسار نہ کر

قومیؔ تیری دعائے سحر گاہی ضرور قبول ہوگی اور خدا اور رسولؐ کے دربار سے مدد ملے گی۔

بلوچی کے جدید شعرا بھی کم و بیش ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام برحق کا ذکر دل کی گہرائیوں سے کرتے ہیں، ان میں شامل ہیں، مولانا عبدالغفور درخانی، حاجی محمود مومن، محمد حسین عاجز، عبدالحکیم حق گو، عبدالمجید سرابی، عطا شاد، انور صاحب خان، عبدالنبی پرواز، غوث بخش صابر خدائے رحیم حکیم، ملک رمضان بلوچ، قاضی عبدالرحیم صابر، پیر محمد زبیرانی، عبدالرحمٰن غور، احسن خارانی، شیر عبدالقادر شاہوانی، حاجی فقیر محمد عنبر بلوچ، آزاد جمالدینی، محمد اسحٰق برُدار، بیتاب، فیض بخشاپوری، اور خمیسا خان وغیرہ

غوث بخش صابر کہتے ہیں ترجمہ:

خلق ایسا کہ ملی ہے نہ ملے اس کی نظر   شاہدِ اخلاق یہ ہے قرآن رسولِ عربیؐ

بقول حاجی فقیر محمد عنبر بلوچ

ترجمہ: دونوں جہانوں کا سرور رسول پاکؐ ہے
شافع روزِ جزا، رسول پاکؐ ہے

آپؐ کا نُور اگرچہ ابتدا ہستی سے ظہور پذیر ہُوا لیکن رسالت کا خاتمہ بھی آپؐ پر ہی ہوتا ہے۔

آزاد جمالدینی گویا ہوتے ہیں۔

ترجمہ: کسی بشر میں یہ عظمت نہیں جو اللہ نے اپنے محبُوب کو بخشی۔
صاحب کمال کی عرش پر تعظیم کی — بلغ العُلےٰ بکمالہٖ

اپنے رنگ روپ حسن و جمال سے اس تاریک جہاں کو منوّر فرمایا، رات کو اپنے پاکیزہ خیالوں سے دن میں بدل ڈالا، کشف الدجےٰ بجمالہٖ، قاضی عبدالرحیم صابر اپنی بلوچی نعت کا منظوم اُردو ترجمہ یوں پیش کرتے ہیں۔

مروت فخر کرتی ہے شرافت تم پہ نازاں ہے
رسولِ پاک واللہ یہ رسالت تم پہ نازاں ہے
فقیروں کے شہنشاہ ہو، امام الانبیاء ہو تم
ترے خُدام ذیشاں ہیں امامت تم پہ نازاں ہے!
لقب ہے رحمۃ للعالمین اللہ کی جانب سے
خدائے پاک شاہد ہے کہ رحمت تم پہ نازاں ہے
تیرے الطاف سے کی ہے غلاموں نے جہانبانی
تمہیں شایاں جہانبانی حکومت تم پہ نازاں ہے!
خُدا نے صاف فرمایا تیری خاطر بنی دنیا
تیرا درجہ وہی جس سے مشیت تم پہ نازاں ہے!
شب معراج حاصل ہو گیا ہے وعدہ بخشش
شفیع المذنبین ہو تم شفاعت تم پہ نازاں ہے
نہ جائے گا کوئی صابر درِ سرکار سے خالی
حبیب خالق اکبر سخاوت تم پہ نازاں ہے

میر نصیر خاں نوری کے عہدِ حکومت (۱۱۶۴ھ تا ۱۲۰۰ھ بمطابق ۱۷۵۰ء تا ۱۷۹۴ء) میں عربی فارسی، پشتو، بلوچی اور براہوئی کے ایک جید عالم اور شاعر ملا ملک داد ابن آدین غرشین نے نورِ اسلام کو یہاں کے قبائلیوں تک پہنچانے کا پختہ ارادہ کیا، چنانچہ انہوں نے اپنی معروف براہوئی منظوم کتاب "تحفۃ العجائبات" ۱۱۷۳ھ بمطابق ۱۷۵۹ء میں لکھی۔ دو تین نعتیہ شعروں کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

محمدؐ اللہ تعالیٰ کے پاک رسول ہیں، محمدؐ اللہ تعالیٰ کے پاک خلیل بھی ہیں، محمدؐ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں، محمدؐ ہمارے دلوں کے طبیب ہیں، ملک داد آپؐ کے غلاموں کا غلام اور آپؐ کے محاسن کی تعریف کرنے والا ہے۔

ملا ملک داد کا اثر اس قدر ہمہ گیر تھا کہ وہ انہی کے زمانے تک محدود نہ رہا۔ چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں دُرخاں (ڈھاڈر) سے جو تحریک نشاۃ الاسلامیہ شیخ البلوچستان جناب مولانا محمد فاضل کے زیرِ قیادت ابھری وہ نہ صرف لسانی بلکہ موضوعاتی اور ذہنی اعتبار سے بھی ملا ملک داد کی روایت کو لیئے ہوئے تھی اور چونکہ دُرخانی مدرسۂ فکر اور اس کی نگارشاتِ عالیہ اب بھی مصروفِ تخلیق و تطہیر ہیں، لہٰذا یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ملا ملک داد کی روایت اب بھی براہوئی علم و ادب اور ذہن و قلب میں رچی بسی ہے۔

عشقِ محمدیؐ سے سرشار مولانا محمد فاضل کے نامور شاگردوں میں ان کے نواسے مولانا محمد عبداللہ درخانی کے علاوہ مولانا نبوجان، مولانا عبدالمجید چتوئیؒ اور مولانا عبدالحییؒ تھے، ان سب نے نعتیہ شعر کہے ہیں، مولانا محمد عبداللہ درخانی کہتے ہیں: ترجمہ:۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک تعالیٰ کے نور ہیں، تمام جہاں آپؐ کے لئے پیدا کیا گیا، اور آپؐ اس کی روح ہیں۔

آپؐ کے لئے عرش سے بھی اُس پار سوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے طور تھا اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لئے آسمان تھا۔ مولانا نبوجان یوں مشورہ دیتے ہیں۔

اے مسلمانو! تم خدا کا ذکر کرو۔ اے لوگو تم محمدؐ مصطفیٰ پر کثرت سے درود و سلام بھیجو۔

مولانا عبدالمجید چوتوئی کے مجموعہ کلام "جوش حبیب" کے اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں دل کی پہنائیوں سے نکلے ہیں۔ رواں اور شیریں ہونے کے ساتھ ساتھ درد و اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں جیسے ترجمہ :

میرے حبیب آپؐ کی شان اور شرافت سب سے زیادہ ہے۔ آپؐ سے استدعا ہے کہ آپؐ مجھے اپنی قربت سے دور نہ رکھیں۔ مولانا عبدالحیٔ کے عظیم ترین شاگرد مولانا محمد عمر دین پوریؒ تھے جنہوں نے اڑتالیس کتب براہوئی زبان میں تصنیف و تالیف کیں۔ آپ نظم و نثر دونوں پر یکساں طور پر حاوی تھے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآنِ مجید کا براہوئی زبان میں ترجمہ ہے۔ آپ نے اپنی کئی کتابوں جیسے سودائے خام، مشتاقِ مدینہ، فی الفراق، نصیحت نامہ اور وبعض الطیب فی ذکر الحبیب وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں مثلاً ترجمہ :

محمدؐ کی صفت ہر جگہ موجود ہے
دریاؤں میدانوں اور پہاڑوں پر
مجھے بتاؤ! آپؐ سے بہتر کون ہے (کوئی نہیں)
یہ بندہ عاجز قربان ہے
آپؐ کے در پر اپنی جان پہنچا دوں
آپؐ دعا فرمائیں کہ میں خاکِ مدینہ بن جاؤں

مولانا محمد عمر دین پوری کی صاحبزادی، مائی تاج بانو حمد، نعت، منقبت، مرثیہ اخلاقی غزل اور دینی کلام سے خصوصی لگاؤ رکھتی ہیں۔ آپ براہوئی زبان کی اولین ادیبہ، شاعرہ اور مرثیہ نگار ہیں، ویسے تو علامہ دین پوری نے درجنوں اچھے شاگرد چھوڑے مگر ان کا شاہکار ان کی صاحبزادی مائی تاج بانو ہیں۔

تاج محمد تاجل کا کلام بلوچستان بھر میں مقبول ہوا۔ آنحضرتؐ کے منکر کی کیفیت تاجل کی زبان میں کیا سے کیا ہو جاتی ہے ؛ دیکھیے : ترجمہ

اگر تم اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عاشق ہو۔
اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کے چاہنے والے ہو۔ اگر تم محبوب سے منکر ہو۔

جو کوئی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منکر ہو۔

(تو سمجھ لو) چکی کے ٹوٹے پاٹ کی طرح ہے!

اسے دنیا میں پریشانی اور بیقراری ملے گی۔

وہ (محبوب سے منکر) جہاں بھی جائے

اسے

لق و دق صحرا کی طرح آبادی نہیں ملے گی۔

بلوشاعر گل، ہٹو احمدوال ضلع چاغی کا رہنے والا تھا، بدیہہ گوئی میں ماہر تھا، اس کی صرف ایک طویل نظم بطرز مثنوی ملی ہے۔ جس میں ضلع چاغی کی "ماہ گل" کی داستان بیان ہوئی ہے۔ اس میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ مثلاً (ترجمہ)

آپؐ قیامت کے روز شافع ہیں

محمدؐ ہمارے لئے کافی ہیں

چھ زبانوں (فارسی، اردو، بلوچی، سندھی، سرائیکی اور براہوئی) کے صوفی شاعر فیض محمد فیضل کا مجموعۂ کلام "گلشنِ اشعار" کے نام سے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے نومبر ۱۹۶۸ء میں چھپوایا، جو زیادہ تر نعتیہ کلام (۳۵۵ شعر) پر مشتمل ہے۔

مولانا محمد عمر ولد شیر محمد بنگل زئی کی ایک منظوم تصنیف "معجزاتِ مصطفےٰ معہ وفات نامہ رسول اکرمؐ" ۹۶ صفحات پر مبنی ہے۔ حاجی محمد عمر ابن حاجی علی محمد نے اپنی منظوم تصنیف "راغب المسلمین" میں اسلامی تاریخ کے بعض واقعات کو براہوئی اشعار میں پیش کیا ہے، نعتیہ اشعار بھی موجود ہیں۔

حاجی گل محمد نوشکوی نے اپنی منظوم تصنیفات جیسے "گلشنِ مصطفےٰ" "تحفۃ الفقراء" "گلدستہ نوشکوی" اور "رفیقِ راہِ مدینہ" میں جابجا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کیا ہے۔ ایک شعر کا ترجمہ ہے:

میری آرزو ہے کہ آپؐ مجھے اپنا شاہی دربار دکھائیں

اے محبوبوں کے سرتاج! میں صرف ایک بار آپؐ کی آواز سننا چاہتا ہوں، محمد اسحاق سود ولد مولوی عطا محمد صوفی کے مجموعہ کلام "گلشنِ سوز" کا پہلا باب توحید، رسالت اور منقبت وغیرہ پر مبنی

ہے۔ مولوی مراد علی رئیسانی کے مجموعہ کلام "کلامِ نور" میں جو نعتیہ شعر درج ہیں ان میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے:

زندگی کے ہر شعبے میں تم سنتِ رسول کی پیروی کرو
اگرچہ تم مفلس ہو پھر بھی اپنی کامیابی کا یقین کرلو۔

رئیس نبی داد لانگو کے مرتب کردہ منظوم "گلدستہ" میں بھی براہوئی نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ حافظ سعید احمد کی "معراجِ محمدیؐ" ۱۳۸۹ھ میں طبع ہوئی، اندازِ بیان شگفتہ اور متاثر کن ہے۔ کریم بخش سائل کے مجموعہ کلام "غزلیاتِ سائل" پیر محمد کے مجموعہ کلام "مہر و وفا" واحد بخش زند کے مجموعہ کلام "(استاناپاک"۔۔۔ زخم ہائے دل) اور قدم قدم آباد میں نعتیہ اشعار موجود ہیں، تراب لاڑکانوی کہتے ہیں (ترجمہ)

ہر وقت میرا دل رسول اللہ پکارتا ہے
میرا ذکر صبح شام رسول اللہ ہے
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوں تو میرا دل خوش ہو جاتا ہے۔
اے سید! اے سید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبدالصمد شاہین سورابی نے جناب محشر رسول نگری کی شہرہ آفاق مثنوی فخرِ کونینؐ حصہ اوّل کا منظوم براہوئی ترجمہ کیا ہے جو قابلِ توصیف ہے۔ مولانا محمد فاضل مینگل نوشکوی مرحوم، مولانا عبدالباقی درخانی، مولانا عبدالغفور درخانی اور صالح محمد شاد کو نعت گوئی سے خصوصی شغف ہے۔ گل بنگلزئی، غلام حیدر حسرت اور بابا عبدالحق شاہوانی وغیرہ نے بھی براہوئی میں نعتیہ شعر کہے ہیں بلوچی اور براہوئی کے شعرا کے نعتیہ کلام میں نبی آخر الزماںؐ کے اوصافِ حمیدہ، فضائل و شمائلِ پاکیزہ، دوسرے انبیا پر آپ کا تفوق، دیگر امتوں پر امتِ محمدی کی فضیلت، نبی اکرمؐ سے محبت و عقیدت کی برکات اور کثرتِ درود خوانی کی برکتیں اور رحمتیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور قول ہے کہ "قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوگا" بیان ہوئی ہیں۔

علاوہ ازیں روایات و بیانات میں حد اعتدال کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ غیر معتبر اور غیر مصدقہ روایات سے اجتناب برتنے کی سعی کی گئی ہے، قرآن و احادیث سے استدلال کیا گیا ہے اور درود سلام عقیدت سے معمور ہیں۔

عام طور پر میلاد ناموں میں تین اہم موضوعات ہوتے ہیں، اولاً ولادتِ مبارک آنحضرتؐ ثانیاً معراج شریف ثالثاً وفات کا بیان، باقی عام بیانات انہی موضوعات کے تحت آجاتے ہیں۔ انداز و بیان سادہ، آسان اور عام فہم ہوتا ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے بھی دیئے جاتے ہیں، بلوچی اور براہوی شعرا اسی انداز کو اپناتے ہوئے شاعرانہ مبالغہ آرائی اور افسانی رنگین بیانی سے اجتناب برتنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مختصراً بلوچی و براہوی شعرا کا کاروان خلوص، محبت اور عقیدت کیشی کے پھول لئے ہوئے اور مقام مصطفٰےؐ کو آشکارا کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی جانب رواں دواں نظر آتا ہے ؎

زبانُ سرائیں مدینہ مدینہ ۔ خیالوں کی جاں ہے مدینہ مدینہ

ترجمہ ،

وردِ زباں ہے مدینہ مدینہ ۔ خیالوں کی جاں ہے مدینہ مدینہ

۱۔ دوجہان ءِ سردار

مؤلف قاضی عبدالرحیم صابر کراچی ۱۹۶۶ء صفحات ۱۹۲

اس میں حضور پاکؐ کی حیاتِ طیبہ، تعلیمات، اخلاق اور کردار کو پیش کیا گیا، انداز بیان دلکش، شگفتہ اور توانا ہے۔ سیرت رسولؐ پر بلوچی زبان میں پہلی تالیف ہے۔

۲۔ رسولؐ ءِ ہیکیں زند

مولفہ حاجی عبدالقیوم بلوچ کوئٹہ ۱۹۸۰ء صفحات ۵۶

حضورؐ پاک کی حیاتِ مبارکہ کے اہم واقعات کو اختصار کے ساتھ بلوچی میں پیش کیا گیا ہے صرف بلوچی جاننے والے قاری کے لئے بہت مفید اور اہم کتاب ہے۔

موقع و محل کے مطابق قرآنی آیات کے حوالوں نے متن کو زیادہ مصدقہ بنا دیا ہے

۳۔ سیرت النبیؐ

مؤلفہ میر مٹھا خان مری کوئٹہ ۱۹۸۱ء صفحات ۲۲۰

اس میں مولانا شبلی اور علامہ سید سلمان ندوی کی معرکتہ آلارا، سیرت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف ۵۸ عنوانات کے تحت بلوچی میں ترجمے کئے گئے ہیں، ترجمہ رواں، دلپذیر اور متاثر کن ہے بلوچیات میں یہ ایک قابلِ توصیف اضافہ ہے، افادیت کے اعتبار سے آخرت کا توشہ متصور ہوگا۔

۴۔ سیرت النبیؐ (نگینہ براہوئی)

مولفہ غلام نبی راہی کوئٹہ ۱۹۷۸ء صفحات ۱۶۷

اس موضوع پر براہوئی میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ غلام نبی راہی نے "سیرت النبیؐ" از مولانا شبلی اور علامہ سید سلمان ندوی سے ان پچاس عنوانات کے مواد کا براہوئی میں ترجمہ کیا ہے جن کا ہماری روزمرہ زندگی میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

غلام نبی راہی کے ترجمے کا انداز دلکش متاثر کن اور شستہ ہے وہ خواہاں ہے کہ قاری نہ صرف حضور پاک کے افکارِ عالیہ سے آگاہ ہو، بلکہ ان پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا کی سعادتوں اور نعمتوں سے مالامال ہو جائے۔

سیرت النبیؐ

مؤلف پروفیسر عبدالرؤف کوئٹہ ۱۹۸۱ء، صفحات ۷۲۔

یہ سیرت پر براہوئی زبان میں شائع شدہ دوسری کتاب ہے، کتابت و اشاعت دیدہ زیب ہے۔

چالیس عنوانات جیسے صبر و تحمل، دلاوری، شکر و توکل، ایمانداری، زکوٰۃ، انصاف وری وغیرہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افکارِ عالیہ پیش کئے گئے ہیں، اندازِ سلیس، معرا اور سیدھا سادا ہے، قاری کو اکساتا ہے کہ وہ راہِ عمل پر گامزن ہو جائے۔

متذکرہ بالا کتابوں میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع ترین مقام کو اجاگر کیا جائے تاکہ عام قارئین اپنی زبانوں میں اسے بہتر انداز میں ذہن نشین کر سکیں۔

بقول عبدالقادر شاہوانی ؎

سرزرتہ مہر پر روشنی
کلاں شہ برزشان نی

شمال چاریں کنڈنی
عرش پر سراسر نام نی

صلِّ علیٰ ، صلِّ علیٰ

ترجمہ :

مہر و محبت کی ابھری ہے روشنی
سب سے اونچی ہے شان اسکی

چاروں سمت پھیلی ہے روشنی
عرش پر ہے اس کا نام نامی

صلِّ علیٰ ، صلِّ علیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسولِ خدا بحیثیت

پیغمبرِ انقلابِ رحمتؐ

پروفیسر فضل حق میر

وہ لمحے کتنے جاں گداز تھے، کتنے صبر آزما تھے، کتنے عظیم تھے، جب انسانیت کے رہبرِ کامل، محسنِ اعظم اور پیغمبرِ انقلاب رحمت، سارے جہاں کے درد کا درماں لئے، اپنے شہرِ عزیز سے نکل کر ریگ زارِ عرب کی وسعتیں عبور کرتے، ایک نظامِ حیات لئے ہوئے سوئے یثرب رواں تھا، جسے اسلام کا مرکز بننے، مدینۃ النبی کہلانے اور اسلامی حکومت کا صدر مقام ہونے کا اعزاز ملنے والا تھا۔ اونٹنی پر رفیقِ سفر، صدیق اکبرؓ ہمرکاب ہیں۔ ناگاہ سراقہ، بجلی کی طرح کوندتا ہوا، گھٹا کی طرح گرجتا ہوا، گرد و غبار کے بادل اڑاتا ہوا قافلۂ حجاز کے سالار اور اس کے رفیق و دمساز کی تلاش میں آپہنچا، ہمدرد و غمگسار، رفیق کی زبان سے بیقراری میں یہ الفاظ نکلے۔ "یا رسول اللہ! دشمن آپہنچا" جواب میں رسولِ خدا نے کمال استقلال اور پامردی سے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ڈرو نہیں! اللہ ہمارے ساتھ ہے، ادھر زبانِ رسالت مآبؐ سے یہ کلمات سکینتِ قلب لئے ہوئے نکلے اور ادھر مرکبِ سراقہ اپنی دونوں اگلی ٹانگوں سے زمین میں دھنس گیا، سراقہ گھوڑے سے اترتا ہے۔ اس کی ٹانگیں ریت سے نکالتا ہے، اسے مہمیز دیتا ہے لیکن مرکب ہے کہ راکب کو لئے اوندھے منہ دوبارہ زمین بوس ہو جاتا ہے۔ سراقہ ایک مرتبہ پھر گھوڑے کی ٹانگیں ریت سے نکال کر، اس پر سوار ہوتا ہے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اسے اپنی منزل چند

پرنسپل ملت پبلک سکول کوئٹہ

گام پر نظر آ رہی ہے لیکن ساری قوتوں کے مالک خدا کا فیصلہ ہے کہ اس کے نبیؐ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ سراقہ کا گھوڑا پھر ٹھوکر کھاتا ہے اور سراقہ فرشِ خاک پر اوندھے منہ گر جاتا ہے۔ یہ خدا کے جلال کی نمود اور جہانوں کے مالک کی قدرت کا اظہار ہے۔ یہ عبرت کا تازیانہ ہے جو سراقہ کی بند آنکھوں کو کھول دیتا ہے۔ ابرِ رحمت کا پہلا چھینٹا جب سراقہ کے دلِ اضطراب پر گرتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے: یا رسول اللہ! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں، میری خطا بخش دیجئے۔ مجھے اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے دیجئے۔ رحمۃ اللعالمین کی رحمت کی گھٹا اٹھتی ہے اور نہ صرف سراقہ کی خطا بخشی جاتی ہے بلکہ بے پناہ عطا سے نوازا جاتا ہے۔ سراقہ یہ نوید سن کر نہال ہو رہا ہے اور خوشی سے جھوم رہا ہے۔ جس انعامِ عظیم کا اسے مستحق ٹھہرایا جا رہا ہے اس کے آگے زمین و آسمان کی نعمتیں ہیچ ہیں: "سراقہ! میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔"

کسریٰ کے کنگن پہننے کی نوید انسانیت کے رہبرِ کامل نے اس وقت اپنے جاں نثار کو سنائی جب وہ خود بے یار و مددگار، بے وطن، بے آسرا، اپنے پیارے گھر اور شہر کو چھوڑ کر اپنے ایک رفیق کی معیت میں سوئے یثرب رواں تھا۔ کوئی وسیلہ نہ تھا، کوئی طاقت نہ تھی، کوئی مملکت نہ تھی۔ بس ایک خدا کی ذات پر تکیہ تھا۔ اسی کے بھروسے پر، قریش کے ہاتھوں ستایا ہوا یہ عظیم انسان جائے پناہ کی تلاش میں یثرب جا رہا تھا—— لیکن ذرا رکیئے! ہجرت کے بعد دس سال سے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس محسنِ اعظم نے وہ انقلاب برپا کر دکھایا جس کی دستک قیصر و کسریٰ اپنے دروازوں پر سن رہے تھے۔ جہالت کی تاریکیوں کا جگر چیر کر وہ صبح طلوع ہوئی جس کے اجالوں میں نسلِ انسانیت کا قافلہ ساحلِ مراد تک پہنچا۔ اس صبح کے اجالوں میں تو کیا، رات کی تاریکیوں میں بھی ایسا سکون تھا اور پناہ تھی، کہ زیورات سے لدی پھندی عورت یکہ و تنہا صنعا سے حضرموت تک سفر کرتی مگر اسے کسی رہزن کا ڈر نہیں تھا۔ صحرائے عرب کا ذرہ ذرہ مثلِ آفتاب روشن ہو گیا تھا۔

اس انقلابِ عدل و آشتی کی کامیابیوں کے پھریرے اڑتے تو ہم نے دیکھے لیکن اس کی بنیادیں اٹھانے کے مناظر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس انقلابِ رحمت کے راستے میں، پیغمبرِ انقلابؐ کے قدم کس قدر لہولہان ہوئے اس کے کانٹوں نے قدموں کو کس طرح نگار کیا، اس کی دھول نے جسمِ اطہر کو کیسے غبار آلود کیا۔ یہ سب کچھ ہم نے فراموش کر دیا۔ اس کی کسک ہم نے اپنے دل میں محسوس نہ کی۔ اسی وادیِ بطحا

میں آذر کے موحد بیٹے ابراہیمؑ اور اس کے پیکرِ صبر و رضا لختِ جگر نے، کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے دعا کی تھی:

"ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم ٥

اے ہمارے رب! ان میں، ان ہی میں کا ایک پیغمبر پیدا کیجیو۔ جو ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو زبردست بھی ہے اور دانا بھی۔"

اس شہرِ مقدس میں یہ نبی آخر الزمان، کفر و اسلام کی صبر آزما اور طویل جنگ لڑتے ہوئے پکار اٹھا تھا:

"میں اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا ہوں اور بھوک پیاس کی ایسی تکالیف سے گزارا گیا ہوں کہ خدا کے کسی نبی کو یہ تکالیف پیش نہیں آئیں۔"

جب اس انقلاب کی نیو ڈالی گئی اور پیغمبرِ صادق نے ابو قبیس کی چوٹیوں پر سے یہ آوازہ حق بلند کیا۔ تو گویا

یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی ۔ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ہادی برحقؐ نے جب غفلت کی نیند سے سوتی بستی کو جگانا چاہا تو اس آوازۂ حق کا یوں استقبال ہوا کہ ہر سمت اور ہر جہت سے باطل کے پجاری، خدا کے باغی، طاغوت کے ساتھی، خدا کے اس آخری پیغمبر کا راستہ روکنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔ جب ہدایت کا سورج طلوع ہوا تو ساری دنیا کی تاریکیاں شب خون مارنے کے لئے لپکیں۔ باطل خم ٹھونک کر میدان میں آ گیا۔ مصائب کی بادِ صرصر چلنے لگی۔ مخالفتوں کے طوفان اٹھے۔ غم و حزن کی گرم آندھیاں چلیں۔ اسماعیل کے بسائے ہوئے اس شہرِ امن میں خدا کے نبی کو امان نہ دی گئی۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے ہاتھوں اٹھائی گئی، خدا کے گھر کی دیواروں نے یہ منظر دیکھا کہ خدا کے محبوبؐ کے گلوئے مبارک میں رسی ڈال کر آپؐ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ صحنِ کعبہ نے یہ جاں گداز لمحہ بھی دیکھا جب نبیِ پیغمبرؐ کے سرِ مبارک پر غلاظت سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجھڑی ڈالی گئی، عین اس وقت جب وہ اپنے رب کے حضور جبینِ نیاز جھکائے ہوئے اسلام کی نصرت اور گمراہ قوم کی ہدایت کی دعا مانگ رہا تھا۔ چشمِ آفتاب نے یہ منظر بھی دیکھا اور نہ جانے کس حوصلے سے دیکھا ہو گا کہ خدا کا آخری فرستادہ طائف کے شہرِ خوں آشام سے اس طرح نکلا کہ پورا جسم، منکرینِ حق کے برسائے ہوئے پتھروں سے زخمی ہے۔ لباس خون سے تر بتر ہے، پنڈلیاں لہولہان ہیں، لباس تار تار ہے، جسم فگار ہے، لیکن نبی ہے کہ استقامت کو گراں ہے، ایک

ایک قدم استقلال سے اٹھ رہا ہے۔ رحمت اور خلق سے محبت کا یہ حال ہے کہ زبان سے اس بیدرد قوم کی ہدایت کی دعا نکل رہی ہے۔ ان کے حق میں بارگاہ خداوندی میں سفارش کی جا رہی کہ یہ مجھے نہیں جانتے ورنہ ایسا نہ کرتے، تو انہیں ہدایت سے محروم نہ رکھ۔

طائف میں مقدس خوں ٹپکا مکے میں بھی پتھر کھائے

بس ایک تڑپ تھی کیسی تڑپ، انسان ہدایت پا جائے

ابی طالب کی وہ گھاٹی بھی اب تک چشمِ فلک کو یاد ہوگی جس میں پیغمبرِ خدا نے اپنے خاندان اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ زندگی کے تین برس گزارے۔ تین طویل اور صبر آزما برس۔ ان تین سالوں میں بھوک نے اتنا ستایا، پیاس نے اتنا پریشان کیا کہ خدا کے نبی کا جگر تھا اور اس کے عظیم ساتھیوں کا استقلال تھا کہ مصیبت کے یہ ماہ و سال کٹ گئے۔ یہ مصیبت کسی پہاڑ پر بھی آئی ہوتی تو اس کا سینہ شق کر دیتی۔

یہ چرخِ نیلوفری ان مناظر کا بھی گواہ ہے کہ عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں، عرب کے قافلہ سالار کی قیادت میں بدر کی وادی سے بھی گزرا تھا، احد میں راہ روانِ رہِ حق پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے، جسم فگار ہوا تھا، دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے، خندق میں پیٹ پر پتھر باندھے گئے تھے، تب جا کر جاءَ الحق و زھق الباطل کی منزل مقصود حاصل ہوئی تھی۔

گزرے وہ جس مقام سے طائف ہو یا حنین

اپنے جلو میں رحمت یزداں لئے ہوئے

اسلام کا نظام رحمت غالب کرنے کے لئے پیغمبر انقلابؐ نے کس جانفشانی، کس عرق ریزی، کس درد سے داعیانِ حق کا گروہ تیار کیا، آپؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی شہادت دیتا ہے۔ یہ اس کی ذاتِ برکات کا فیض تھا یہ آپؐ کا فیضانِ نظر تھا۔ یہ اس کے دل پر درد کی اثر آفرینی تھی کہ اسے ایسے جاں نثار فراہم ہوتے گئے جنہوں نے کفر و اسلام کی چومکھی جنگ، اپنے جگر کا خون دے کر جیتی۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ۔

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے کہ خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

یہ صرف محمدؐ کا اعجاز مسیحائی ہے کہ غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم کے اندر سے صاحبانِ ایمان وایقان کا صالح گروہ تیار کیا جو دنیا میں اسلامی انقلاب کے نقیب بنے۔ حکمت ودانائی کے اس خزینہ بے بہا نے علم وایمان اور عمل صالح کے وہ جواہر لٹائے اور اس محبت ودانائی اور خلوص سے اپنے جاں نثاروں کی تربیت کی کہ ان میں سے ایک ایک فرد، دعوت الی الحق کی تصویر بنا۔ محمدؐ کا استقلال، آپؐ کی پامردی اور راہِ حق میں استقامت آپؐ کے جاں نثاروں میں اس طرح سرایت کر گئی کہ ان میں ہر ایک اپنی جگہ استقامت کی چٹان تھا۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة۔

کے مطابق آپؐ کی دعوت، دانائی اور موعظہ حسنہ نے ایک ایک ساتھی کا دل موہ لیا۔ ان کے اندر عشق خدا وندی کی وہ جوت اس پیغمبرِ انقلابؐ نے جگائی کہ ان میں سے ہر ایک نے دعوتِ حق کے راستے کے کانٹے اپنی پلکوں سے چنے جنہوں نے اپنی زندگیوں کا محور، اپنی چاہتوں کا مرکز صرف دینِ حق کی سربلندی کو ٹھہرا لیا۔ ہزار طوفان اور مصیبتیں نازل ہوئیں، غم وآلام نے یورش کی لیکن یہ بندگانِ حق تھے کہ صداقت کے دیئے اپنے جگر کے لہو سے جلاتے رہے۔

ذرا چشم تصور وا کیجیے۔ کیا پر آشوب دور ہے جب مکہ کے گلی کوچوں میں حق وباطل کی زہرہ گداز کشمکش جاری ہے۔ ایک ہنگامہ دار وگیر برپا ہے۔ بھوک ہے، پیاس ہے، غم کی پرچھائیاں ہیں، غربت کی سختیاں ہیں، غلامی کی بے چارگی ہے، کوڑے اور پتھر ہیں، تپتی ریت اور لوہے کی گرم سلاخیں ہیں۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے۔

لیکن جواب میں ایمان ہے، عمل صالح ہے، استقلال ہے، پامردی ہے، حوصلہ ہے — ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین کے نغمہ الہام سے غلبۂ حق کے لئے دلِ مضطرب اور بے قرار ہیں یہی زندگی کا مقصد ہے، اسی کے لئے جینا ہے اور اسی کے لئے مرنا ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاؤکم فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ ۔

جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے، ان لوگوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا میں بھی تمہارے ساتھ ہیں اور آخرت میں بھی۔

حضورؐ کے جاں نثار، داعیانِ حق، قافلۂ اسلام کے اولین مسافروں کو جنہیں آپؐ نے آسمان کے تارے کہا ہے۔ ان سے آسمانِ اسلام اتنا منور و تاباں ہے کہ اپنی جگہ ہر ستارہ روشنی کا ایک منبع ہے۔ ان راہ روانِ راہِ حق نے اسلام کے راستے میں مصائب کے طوفانوں کا مقابلہ اس طرح کیا ہے اور تکالیف اس حوصلے سے برداشت کیں کہ یہ اعزاز صرف انہی کو حاصل رہا کہ وہ انسانیت کے آخری رہبرؐ کے ایسے مخلص اور صادق ساتھی تھے کہ ایسے ساتھی قافلۂ انبیاء میں کسی داعیٔ حق کو فراہم نہ ہوتے۔ اسی چشمۂ حیواں کا فیض ہے کہ اس نے مردہ دلوں کو زندہ کر کے ایک نیا ولولہ عطا کیا اور ایک نئی امنگ ان کے دلوں میں جگا دی، کہ ان میں ہر ایک غلبۂ حق کے لئے عزم و استقامت کا کوہِ گراں نظر آتا ہے۔

ذرا مکہ کے گلی کوچوں میں برپا کشمکشِ حق و باطل کے دور کی طرف تو لوٹ جایئے عظمتِ اسلام کے ان پاسبانوں سے مکہ کے باسی کیا سلوک کر رہے ہیں۔ انہیں تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جا رہا ہے، سینے پر بھاری سلیں رکھی جا رہی ہیں، گرم لوہے سے جسموں کو داغا جا رہا ہے، قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا جا رہا ہے۔ بھوکا اور پیاسا رکھا جا رہا ہے۔ لیکن کیا مجال کہ راہِ استقامت میں ذرا قدم ڈگمگا جائیں۔ استقامت اور استقلال کے ان پیکروں میں بلال حبشیؓ کا چہرہ بھی بار بار نگاہوں میں پھرتا محسوس ہوتا ہے۔ دشمنانِ دین کا سرخیل ابوجہل انہیں تپتی ریت پر لٹاتا ہے سینے پر بھاری گرم پتھر رکھتا ہے، گلے میں رسی ڈال کر بازاروں میں گھسیٹتا ہے مگر بادۂ توحید سے مست و بیخود ہے کہ ہر ضرب پر احد احد پکارتا ہے۔

ذرا چشمِ تصور سے خباب بن ارت۔ پیکرِ صبر و رضا۔ کا احاطہ کیجیے انہیں دشمنِ دینِ حق۔ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتا ہے، پیٹھ کی چربی پگھل پگھل کر دہکتے ہوئے انگاروں کو سرد کر رہی ہے لیکن خباب ہیں کہ ان کے سینے میں ایمان کی بھٹیاں سلگ رہی ہیں۔ یہ وہ آگ ہے جو لگائے سے لگ تو گئی لیکن بجھانے سے نہیں بجھتی۔ رفیقانِ محترم۔ ذرا آلِ یاسر کے بھی ایثار اور قربانیوں کا تذکرہ سن لیجیے۔ سینے کے داغوں کو تازہ رکھنے کے لئے گاہے گاہے ان کا ذکر ہوتے رہنا چاہیئے۔ اس ذکر کے بغیر اسلام کے راستے میں پیش کی جانے والی قربانیوں کا اندازہ نہ ہو سکے گا۔ مظلوم لیکن خوددار گھرانے کے افراد یاسر، ان کے بیٹے عمار، ان کی اہلیہ سمیہ کو ابوجہل کوڑوں سے پیٹتا ہے اور گرم لوہے سے داغتا ہے۔ اس قدر ظلم کہ خود اسلام کے گل سرسبد کا ادھر سے گزر ہوتا ہے تو آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں اور دل سے دعا نکلتی ہے۔ "میرے پروردگار! آلِ یاسر پر بھی آگ کو

اس طرح ٹھنڈا کر دے۔ جس طرح تو نے ابراہیم کے لئے اسے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ سمیہ کے پیٹ میں ابوجہل برچھی اتار دیتا ہے، اس لئے کہ نازک سی جان ابوجہل کی زبان سے آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی برداشت نہ کرسکتی تھی اور اسے برملا ٹوک دیتی تھی۔ صبر و رضا کی یہ تصویریں صرف محمدؐ نے ہی تو تراشی تھیں۔

زیرِ شمشیرِ ستم میر تڑپنا کیسا؟
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہیں جاتا

مکہ کے مرکز میں سولی سے بندھے ہوئے عاشقِ جمال کو بھی ذرا دیکھئے۔ وہ ہجوم طاغوت کا ہر وار کس پامردی سے سہہ رہا ہے۔ لیکن جب ایک دشمنِ نبی آخر میں زبان کا یہ گھاؤ لگاتا ہے کہ اے حبیب! تم تو اب یہ خواہش کر رہے ہو گے کہ تمہاری جگہ محمدؐ ہوتے اور تم بچ جاتے۔ عاشقِ رسولؐ اس جان کنی کی حالت میں اپنی قوتِ گویائی کو مجتمع کر کے کہتا ہے کہ میں ہزار بار اس تکلیف سے مرنا پسند کروں گا لیکن اپنے آقاؐ کے پاؤں میں کانٹا چبھنا پسند نہیں کرتا۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

وہ نوجوان بھی اسی قبیلۂ جاں نثاراں کا فرد تھا جس کے سرہانے خدا کے رسولؐ کھڑے کہہ رہے ہیں "اے مصعب میں نے تمہیں بہترین لباس زیبِ تن کر کے، خوشبو میں بس کر مکہ کی گلیوں میں دیکھا ہے۔ تم سے زیادہ خوب صورت جوان مکہ میں کوئی دوسرا نہ تھا اور آج میں تمہارا سر بھی خاک آلود دیکھتا ہوں۔" اس نوجوان کے لئے مکمل کفن بھی میسر نہ تھا۔ اس نے جان بھی دی تو اس آن سے کہ سپہ سالارِ اسلامؐ کے دیتے ہوئے پرچم کو تھامے ہوئے ہے۔ ابن قمیہ کے ناگہاں وار سے دایاں ہاتھ کہنی سے کٹ جاتا ہے تو بائیں ہاتھ سے پرچم تھام لیتا ہے اور جب بایاں ہاتھ بھی الگ کر دیا جاتا ہے تو ٹنڈ منڈ ہاتھوں سے گردن کا سہارا دے کر پرچم کو گرنے نہیں دیتا اور اس وقت تک اس پرچم کی حفاظت کرتا ہے جب تک سر نہیں کٹ جاتا۔

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ فمنهم من قضٰی نحبهٗ ومنهم من ینتظر۔ اہل ایمان میں سے کچھ لوگ ہیں کہ انہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا۔ ان میں سے کچھ اپنی مراد کو پہنچے اور کچھ اس کے منتظر ہیں۔

یہ ساری جاں نثاریاں، یہ ساری وفائیں، یہ ساری سرفروشیاں، یہ ایثار اور یہ قربانیاں، اس حسنِ عالم تاب کا فیض ہے جو خود خلقِ عظیم کا پیکر تھا جس کی نوازشِ بے پناہ نے کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی تھی اور جس نے خاک کے ذروں کا مقدر چمکایا تھا۔ جس کے کرم کا یہ حال تھا کہ:

ان کے حضور ان کی نوازش کی سن کے دھوم

آئی سحر بھی چاک گریباں لیے ہوئے

جس کی محبت کا فیض ہر سو جاری تھا۔ جو اپنے ساتھیوں کے لیے نرم دل تھا، مشفق تھا اور دل کی گہرائیوں سے ان سے محبت کرنے والا تھا۔ جس کی محبت سمندر کی طرح گہری تھی اور پہاڑوں کی طرح بلند تھی۔ جس کے بارے میں خود خدا نے شہادت دی ہے:

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔

دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے۔ ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق و رحیم ہے ـــــ اس نبیٔ برحق نے لق و دق عرب کی بن کھیتی سرزمین اپنے جگر کا خون دے کر سینچی۔ اسلام کے چشمۂ صافی سے اس کھیتی کی آبیاری کی کہ اس کا ہر نخل آپس میں رحماء بینھم کی تصویر بنا۔

اس ہادیٔ نسلِ انسانیت نے عرب کے صحرا نشینوں کو دولتِ ایمان بھی دی اور ایمان کی حرارت بھی۔ ان کا تزکیہ کردار بھی کیا اور انہیں خدا کے باغیوں اور طاغوت کے خلاف میدانِ عمل میں اتارا اور تاریخ نے دیکھا کہ یہ لوگ جو اہلِ ایمان کے لیے ریشم سے زیادہ نرم تھے، ظلم اور کفر کے مقابلے میں بنیانِ مرصوص بن کر جنگ آزما ہوئے۔ کردار و عمل کے یہ پیکر جو اسلام کے انقلابِ عدل و رحمت کے اولین نقیب بنے پیغمبرِ انقلاب کے ہاتھوں ڈھالے گئے تھے۔

انسانیت کے محسنِ اعظم نے اسلام کے پیغامِ محبت سے خاک کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا۔ خود رحمت کا پیکر بنے اور اہل ایمان میں اس رحمت کا فیض جاری کر کے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور اخوت پیدا کر دی۔ جب جان سے عزیز تر ہادی و رہنما ایثار کا بہترین نمونہ ہو تو اس کے جاں نثاروں میں

ایک دوسرے کے لیئے انس اور ہمدردی کے جذبات کیسے پیدا نہ ہوتے۔ اسلام کے انقلابِ رحمت کی یہ خشتِ اول تھی کہ وہی افراد جہالت اور کفر کے طوفانوں سے ٹکرا سکتے تھے جن کے دل آپس میں جڑے ہوئے ہوتے، جو لوگ دل سے دل ملا کر اور کندھے سے کندھا ملا کر اسلام کی سربلندی کے لیئے جنگ کرتے۔ وہ عرب جو آپؐ کی آمد سے پہلے باہمی انتشار اور افتراق اور قبائلی، لسانی، علاقائی اور نسلی عصبیتوں کی وجہ سے قرآن کی زبان میں آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، آپؐ نے انہیں اسلام کے آفاقی پیغام اور اپنی سیرت کی حلاوت و شیرینی سے اس طرح باہم شیر و شکر کر دیا کہ اب وہی جنگجو، خودسر اور خود پرست عرب ایک دوسرے پر جان دینے لگے۔ محمدؐ نے کفر کے طوفانوں سے، اس گروہ مقدس کو لے کر مقابلہ کیا، جو جسدِ واحد کی صورت ڈٹ گئے اور اسلام کے قافلہ سالار کی قیادت میں "جاء الحق وزھق الباطل" کی منزل طے کی۔ اس منزلِ مراد کا رختِ سفر، رحماء بینھم کی زادِ راہ اور یؤثرون علٰی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ کا توشہ تھا۔ ایک نہتے پیغمبرؐ کے ولولہ تبلیغ، اس کے خدا پر اعتماد، اس کی استقامت، اس کے استقلال اور اس کے عزم بلند نے پھر ساعتِ مبارک بھی ظلم کی چکی میں پسنے والے مجبور و مقہور انسانوں کو عطا کی، جب اس کے جاں نثاروں نے صحرائے عرب سے نکل کر قیصر و کسریٰ کی عظمتوں کو سرنگوں کیا اور ایک سچے خدا کی عظمت و کبریائی اور جاہ و جلال کا سکہ رواں کیا، جب انسانوں پر انسانوں کی خدائی کے بُت پاش پاش کر دیئے گئے اور تمام انسانوں کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کر دیا گیا۔

وہ مبارک ساعت تھی جس کے انتظار میں چشمِ فلک نے روز و شب کی صورت میں گنی بیقرار گھڑیاں کاٹی تھیں، آ پہنچی، جب ہجرت کے سفر میں رواں نہتے اور بے سروسامان پیغمبر اور داعیِ حق نے یہ مژدہ جانفزا اپنے جاں نثار کو سنایا: "سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھتا ہوں"۔ کسریٰ کی سرزمین میں اس کے نام لیوا ایک نئی صبحِ درخشاں کا پیغام لے کر داخل ہوئے۔ کسریٰ کا پایۂ تخت مجاہدینِ اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج رہا تھا، اور فضا خدا کی عظمت کے ترانوں سے لبریز تھی۔ سراقہ کسریٰ کے محل میں داخل ہوتا ہے، کسریٰ کے کنگن تو خود اس کے منتظر تھے۔ سراقہ پر ایک بے خودی کی کیفیت طاری ہے۔ آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ مکہ سے یثرب کے راستے کا منظر دل کی آنکھوں میں اتر آیا ہے۔ آنحضرتؐ کے تعاقب میں اس کا بڑھنا، ٹھوکر کھا کر گرنا، ایمان لانا، امان طلب کرنا — اور — پھر کنگنوں کی نوید کا سننا۔ زمان و مکان کے فاصلے طے کر کے سب کچھ اس کے سامنے موجود تھا۔ سراقہ کا دل اس انعام پر نہال بھی ہے اور فراقِ رسولؐ میں گریہ زار بھی

انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد

یقین جانو ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

یہ کنگن اسلامی ریاست کے پایۂ تخت مدینۃ النبی میں پہنچائے جاتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اپنے ہاتھوں سے یہ کنگن سراقہ کے ہاتھوں میں پہناتے ہیں۔ یہ سراقہ کی منزلِ مراد ہی نہ تھی جس کا رخ زیبا دیکھنے کے لئے سراقہ کے ذوق و شوقِ منزل نے کتنے بے تاب مراحل طے کئے بلکہ یہ تو سارے قافلۂ انسانیت کی منزل تھی۔ جس کو حاصل کرنے کے لئے قافلہ سالارِ حجاز نے اعلان کوہِ صفا سے لے کر اذا جاء نصر اللہ والفتح تک کتنی زہرہ گداز گھاٹیاں طے کیں۔ اسلام کے انقلابِ رحمت کو برپا کرنے کے لئے پیغمبر انقلاب کی حیاتِ مبارک کے یہ جاں گداز لمحے ہر دور میں داعیانِ حق کے لئے سرمہ چشم بصیرت ہیں۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

سراقہ تیرے آقا کی عظمتوں، رفعتوں اور جرأتوں کو ہم گنہگاروں کا سلام پہنچے۔ سلام ہو صلح و آشتی کے پیغمبر انقلاب پر، سلام ہو اس عظیم داعی حق پر جو مکہ کے کوچہ و بازار میں ستایا گیا، جسے شعب ابی طالب میں بھوکا پیاسا رکھا گیا جو طائف کے بازاروں میں لہولہان ہوا، جو بدر و احد میں صف آرا ہوا، جو حنین کی گھاٹیوں میں ثابت قدم رہا۔ قافلۂ انسانیت کے سالار پر ہزاروں درود و سلام۔

اللھم صلّ علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد وبارک وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مظہرِ تکمیلِ نبوت و رسالت

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

★ حکیم محمد یحییٰ خان شفا

تخلیقِ آدم کے سلسلہ میں وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کا فرمانِ الٰہی ایک طرف تو دستورِ تخلیق (METHOD OF CREATION) کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ فاطرالسموات والارض، جلت عظمتہ، نے ایک مادی سالماتی وجود میں اپنی روح (امرِ ربی) پھونک کر اس کا مقصدِ حیات متعین فرما دیا ہے۔ دوسری طرف یہی ارشادہ بانی حضرت آدم (علی انبیاً و علیہ السّلام) کے لئے براہِ راست اور ان کی ذریت کے لئے بالتبع ایک مُہتم بالشان سندِ توقیع اور طغرائے عظمت و امتیاز کا حکم بھی رکھتا ہے۔ اس ضمن میں باریٔ کائنات کا یہ پُرزور اعلان لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (یقیناً ہم نے انسان ہر اعتبار سے بہترین توازن پر پیدا کیا۔ اولادِ آدم کے شرف و وقار کا واضح فرمان (MANDATE) ہے۔

★ معروف طبیب دانش ور

اقبال کے بقول تخلیق آدم' اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا ایک ایسا شاہکار ہے جسے اس کی تمام مخلوق پر امتیاز و اقتدار حاصل ہے فرشتوں نے اپنی معصومیت اور سادگی سے اس کے عناصر ترکیبی پر نظر ڈال کر جملۂ معترضہ تو عرض کر دیا تھا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے خلق و امر (جسد و روح) اور اس کے حسن تقویم کی جلالت شان کا اندازہ نہ کر سکے اور یوں اس نوری مخلوق کو تاریک مٹی کے اس ضعیف البنیان پیکر کے سامنے شکست پندار سے دوچار ہونا پڑا۔

یہ انسان کے اسی حسن تقویم کا نتیجہ ہے کہ سلالۃ من طین اور حماء مسنون کی یہ معجون مرکب، خوبی تعدیل، کمال توازن، دقت تناسب اور لطافت ترکیب کا اس درجہ مکمل نمونہ بنی کہ عالم تخلیق میں اس کی دوسری کوئی مثال نہیں فتبارک اللہ احسن الخالقین

اپنے سالماتی وجود اور عنصری ترکیب کے باعث' انسان احوال و ظروف کے چند در چند تغیرات سے متاثر ہوتا ہے اور حسن تقویم کے باوصف اس کے مزاج و انداز میں بعض غیر فطری رجحانات نشو و نما پانے لگتے ہیں اور صالح اور متوازن طریق عمل کو چھوڑ کر مفسدانہ اور غیر متوازن اسلوب کار سے کام لینے لگتا ہے۔

اس طرح وہ صراط مستقیم سے بھٹک کر سبل متفرقہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور باری فطرت عزاسمہ' نے جو مقصد حیات اس کے لئے متعین کیا تھا۔ اسے یکسر فراموش کر بیٹھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں پر' ہمہ وقت نگاہِ کرم رکھتا ہے۔ اور اسے اپنی اس پسندیدہ اور برگزیدہ مخلوق کا صراط مستقیم اور راہِ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی اور جہالت کی پگڈنڈیوں پر ڈگمگاتے رہنا گوارا نہیں ہے۔ بھولی بھٹکی اور گم کردہ راہ انسانیت کو' پھر سے دین فطرت کی شاہراہ درخشاں پر لانے' شیطان رجیم کی دسیسہ کاریوں سے چھڑانے اور نفس امارہ کی دستبرد سے بچانے کا اہتمام فرما رکھا ہے۔

اسی حسن تقویم میں پیدا کی ہوئی مخلوق' نوع انسانی' میں سے ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ منتخب کر لیا ہے جن کی ترکیب وجود میں تعدیل و توازن کا حسن' اپنے معاصرین کے مقابلہ میں پہلے ہی

بمراتب زیادہ ہوتا ہے اور جو فطرت صالحہ کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں پھر ان کو مکتب الوہیت کی تادیب اور ربانی وحی کی تلقین کے ذریعہ زمانہ اور ماحول کی آلودگیوں سے بچا کر فطری ارتقا اور طبعی اعتدال سے متصف کر دیا جاتا ہے یہ انبیاء و مرسلین کی جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ اولادِ آدم کی اخلاقی اصلاح اور بہبود معاشرہ کیلئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری تفویض فرماتا ہے اور مقدسین کا یہ گروہ اپنی بے لوث اور بیش قرار خدمات کی بدولت' انسانی جمعیت میں نئی تنظیم' خدا پرستانہ اتحاد اور تعلق باللہ کی شیرازہ بندی کر کے آئین پسندی اور عمل بالخیر کا مربوط و مستحکم نظام برپا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں اشرف المخلوقات حضرت انسان کی کھوئی ہوئی عزت و عظمت پھر سے بحال ہو جاتی ہے۔

ہمارے محبوب و مطاع، آقا و مولا، سید ولد آدم، فخر العرب والعجم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انبیاء و رسل کے اسی صفوۃ الصفوہ گروہ کے سرخیل ہیں ؎

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا　　　یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

آپ کائنات انسانیت کی کتاب ارتقا کے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی محدود زمانے یا مخصوص گروہ کی اصلاح و تادیب پر مامور نہیں ہوئے بلکہ پوری انسانی برادری کی ہدایت و راہنمائی کے منصب پر فائز ہیں اور قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کی اصلاح و ارشاد آپ ہی کی نبوت کا فیضان ہے ؎

گشت او مبعوث تا روز شمار　　　از برائے کل خلقِ روزگار

آپ نے بنی نوع انسان کو ظلم و جہل، کفر و طغیان اور نفاق و افتراق کی اضطراب آفریں تاریکیوں سے نکال کر عدل و علم ایمان و اطاعت اور اخلاص و اتحاد کی پُر سکون، روشن اور جگمگاتی ہوئی شاہراہ پر ڈال دیا ہے ؎

امام رسل، پیشوائے سبیل　　　امین خدا مہبط جبرئیل

شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر　　　امام الہدیٰ صدر دیوان حشر

احسن الخالقین نے آپ کو اپنے حسن تخلیق کا مظہر اتم بنایا ہے آپ کا وجود بشری حسن تعدیل کا منتہائے کمال ہے اور آپ کی طینت پاک مرقع جمال بے مثال ہے آپ خلقت کے اعتبار سے ہی پوری نوع

انسانی کے سردار و تاجدار نہیں ہیں بلکہ خلق و فطرت کے لحاظ سے بھی ساری کائنات بشری میں سب سے فائق و یکتا ہیں حسن تقویم اور کمال تعدیل کا اس درجہ کامل و مکمل پیکر تاریخ انسانی میں نہ ان سے پہلے کبھی منصۂ شہود پر آیا تھا۔ نہ آپؐ کے بعد عالم وجود میں آئے گا آپؐ اپنے جسد عنصری کی عدیم النظیر لطافت کی بناء پر شمائل و خصائل ہر دو میں فقید المثال ہیں۔ جسدِ اطہر جمالِ بشریت کا آیئنہ دار تھا۔ تو نفس طیب کمال لطافت کی تنویر ؎

ہر چہ اسباب جمالست رُخ خوب ترا ہمہ بر درجہ کمال اُست کما لا یخفیٰ

آپؐ کے اوصاف و خصائص تکمیل بشریت ہی کے لئے حد کمال تک پہنچے ہوتے نہیں ہیں تکمیل رسالت و نبوت کا مظہر اتم ہونے کی حیثیت سے بھی فوق الآفاق ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد، ہے

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔

کہ میں نے آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین، یعنی دستور حیات اور ضابطۂ زندگی کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔

خود اس حقیقت پر شاہد عدل ہے کہ جس ذات قدسی صفات (علیہ الف الف تحیات) پر دین کو مکمل فرمایا گیا ہے۔ وہ خود کس درجہ کامل و اکمل ہے اور جس وجود، محمود و مسعود (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ نعمت تمام ہوتی ہے وہ آپ کتنی بڑی اتم و افخم نعمت عظمیٰ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ فضائل و اخلاق، بشری پہلو سے بھی اور منصب رسالت کے لحاظ سے بھی اس درجۂ کمال کو پہنچے ہوتے تھے کہ نہ صرف اُن کے فیض سے انسانی دنیا اور عالم بشریت بہرہ مند ہوا۔ زمان و مکاں کی وسعتیں ان کے اوصاف و محامد سے جگمگا اٹھیں ؎

یا رب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک من زانت بہ العصر

چونکہ خالق کائنات باریٔ فطرت، فاطر السموات والارض نے حضورؐ کو ساری کائنات انسانی بلکہ تمام عوالم و دہور کیلئے سراپا رحمت و رافت بنا کر بھیجا تھا، وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین،

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت وطبیعت اور سرشت وطینت میں رحمت ورافت، عفو ودرگزر بخشش ومروّت اور حلم وعطا کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے اللہ تبارک و تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام کی نعمتوں سے نوعِ انسانی کو مالامال کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے کمال رحمت سے آپ کو سراپا رحمت وشفقت اور پیکرِ لطف وعنایت بنا دیا تھا فرمایا فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے آپ کو انسانوں پر رحیم وشفیق، حلیم، بردبار، نرم اور ملائم بنا دیا ہے تاکہ وہ آپ کے پیکر رحمت کے اردگرد جمع ہو جائیں۔ اور آپ ان پر ہماری آیات تلاوت فرمائیں جس سے ان کے مردہ وافسردہ دل زندہ وتابندہ ہو جائیں، جاہل وگمراہ انسان آپ سے کتاب وحکمت کی تعلیم پاکر نہ صرف خود رشد وہدایت سے بہرہ ور ہوں۔ بلکہ دنیا بھر میں اپنے جیسے انسانوں کو دینِ اسلام کی پاکیزہ تعلیم سے روشناس کرائیں۔ اور یوں دنیا کا چپہ چپہ تزکیہ وطہارت کی پاکیزگیوں سے بہرہ ور ہو کر اللہ تعالیٰ کے نور سے جگمگا اٹھے،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری نوعِ انسانی (کافۃ للناس) کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے اور تمام اقوامِ عالم کی قیادت عظمیٰ کا منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا تھا۔ پھر آپ کی بعثت انسانی تاریخ کے اس دور میں ہوئی تھی جب کہ عالم انسانیت اپنے بھرپور شباب کا آغاز کر رہا تھا اور اولاد آدم کا شعور انسانیت پختہ ہو چکا تھا اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب ہدایت اشرف المخلوقات انسان کو عطا کر کے نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس لئے حضور ختمی مرتبت پر فضل وکمال کی تمامتر خوبیاں مکمل کر دی گئیں۔

ہر رتبہ کہ بود درامکان براوست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد براو تمام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ربع صدی سے بھی کم مدت میں دنیا کی جاہل ترین، اجڈ، گمراہ حمیت جاہلیت میں ڈوبی ہوئی انتہائی ضدی اور سرکش قوم کو اس کے گوناگوں جسمانی، روحانی، اخلاقی ہمہ نوع عوارض واسقام سے پاک ومنزہ فرما کر اس درجہ دانا وتوانا کر دیا کہ وہ اقوامِ عالم کی اصلاح وفلاح کا فریضہ انتہائی خوبی اور خوش اسلوبی سے خود ادا کرنے لگے اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے　　　کیا نظر تھی! جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ہم جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کے آغاز و انجام کے حالات و کوائف پر غور و تعمق کی نظر ڈالتے ہیں تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حیرت انگیز اور بے مثال کامیابیوں کا راز، خود آپؐ کی سیرت پاک اُن خصائص و سجایا میں پوری تابناکی کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے جو رب کائنات نے حسن تعدیل کے ذریعہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فطرت سلیمہ میں راسخ کر رکھی تھیں

ان خصائص و فضائل میں آپؐ کا عزم و ثبات، شجاعت و سخاوت، زہد و قناعت، صدق و امانت حلم و تواضع، مروت و حمیت، عفو و تصفح، حکمت و تدبر، تادیب و تربیت فصاحت و بلاغت اور تنسک و تعبد وغیرہ محامد و محاسن کے بے حد و شمار اوصاف آپؐ کی شخصیت عظمیٰ کے حسن و کمال کا آئینہ تھے لیکن حضور رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت اور عفو و عطا کا پلہ ان سب پر بھاری تھا آپؐ کے کردار و عمل میں صبر و حلم، حوصلہ مندی صلح جوئی عفو و درگزر اور امن پسندی کو بنیادی جوہر کی حیثیت حاصل تھی اور کیوں نہ ہو کہ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔

ہم عرب ہم عجم مستخواد　　　نقمہ خواہاں رحمت از در او

فساد انگیزی، خون ناحق اور نقض عہد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناقابل معافی جرم قرار دیتے تھے نظم جماعت کی خلاف ورزی اور افتراق بین المسلمین کو آپ انتہائی معیوب سمجھتے تھے کفار و منافقین اور ان کے حلیفوں، یہود و نصاریٰ نے آئے دن کی سازشوں، بدعہدیوں اور پیمان شکنیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدت العمر پریشان رکھا۔ لیکن قہر و جلال اور غضب و غصہ کے انتہائی مواقع پر بھی نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عفو و رحمت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اصلاحی اور تادیبی مقاصد کے پیش نظر اگر آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے تہدید اور قدرے سختی سے کام لینا ضروری سمجھا، پھر بھی شدت غیظ کا مظاہر کبھی نہیں کیا۔ ہمیشہ آپؐ کی رحمت و رافت اور عفو و مروت کا پلڑا جھکا ہی رہا

لطف و قہر او سراپا رحمت است　　　آں بیاراں، دیں باعدا نعمت است

آں کہ براعدا، در رحمت کشاد　　　مکہ را پیغام لاتثریب داد

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ذاتی دشمنوں سے کبھی انتقام نہیں لیا۔ بلکہ جب بھی ان پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو غلبہ و تسلط عطا کیا۔ آپؐ نے غیر معمولی اور خلاف عفو و درگزر سے کام لے کر اپنے

پرائے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ جن بد باطن اور شقی القلب مشرکوں نے آپ کو آپ کے ساتھیوں کو محض اِن یقولوا ربنا اللہ کے جرم میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا دشمنی اور عناد میں تمام حدود سے تجاوز کر گئے اور وطن عزیز سے دُور و مہجور کر کے بھی مطمئن نہیں ہوتے بلکہ سراپا رحمت و برکت انسانوں کی اس برگزیدہ جماعت کو ہجرت کے بعد بھی کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی غرض سے آخر دم تک ساز باز کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نصرت نے جب آپ کو ان ظالموں کے مقابلے میں فتح و کامرانی عطا فرمائی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان رحمت کا یہ کمال دیکھئے کہ ہر طرح کا تسلط و اقتدار اور قبضہ و اختیار رکھنے کے باوجود آپ نے اپنے ان شوریدہ سر اور غلیظ القلب دشمنوں کو نہ صرف یہ کہ ان کے کئے کی سزا نہیں بلکہ لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا انتم الطلقاء۔ آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو! کا رحمتوں اور بخششوں بھرا اعلان فرما کر ان کانپتے لرزتے اور اپنی ناکردنیوں پر، خوف و اضطراب میں مبتلا انسانوں کے جم غفیر کو دامن عفو و رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اور ظلم و سرکشی کے پیکروں کو عمر بھر کی فساد انگیزی کے باوجود امن و عافیت سے شاد کام فرمایا

طینتش زینت جہاں آمد ساختش راحت رواں آمد

رحمت آب و گل دریں عالم رحمتش نام کردہ فضل قدم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت کا مظاہرہ یوں تو آپ کی مطہر و منور زندگی کے شب و روز میں ہر آن ہوتا رہتا تھا۔ لیکن فتح مکہ کے عظیم الشان تاریخی موقع پر آپ کی رحمۃ العالمینی کا جو بھرپور اور ہمہ گیر مظاہرہ ہوا ہے۔ اس نے اپنے پرائے ہر شخص کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و عنایت اور عفو و درگزر کی اس بے مثال فراوانی پر مبہوت و متحیر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ مدت العمر کے ستم پیشہ دشمنوں کے جور و جفا کو انتہائی بلند حوصلگی اور بے مثال فراخ دلی سے معاف فرما دیا۔ بلکہ دشمنوں کے سرخیل ابوسفیان کی نخوت و انانیت پر اپنی بے پایاں رحمت کی بوچھاڑ سے اتنی زوردار نفسیاتی ضرب لگائی۔ کہ اعلان فرما دیا۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزین ہو جائے گا۔ اُسے

بھی بارگاہ رسالت و نبوت سے حفظ و امان کا پروانہ مل جائے گا۔ اور حق یہ ہے کہ ابو سفیان کے علاوہ

★ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں جا چھپے اسے بھی امان ہے۔
★ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے۔ وہ بھی محفوظ ہے۔
★ جو شخص اپنے ہی گھر میں بیٹھ رہے اسے بھی کوئی خطرہ نہیں ہے
★ اسی طرح زخمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا نہیں جائے گا۔
★ قیدیوں کی جان نہیں لی جائیگی اور
★ بھاگنے والوں کا تعاقب بھی نہیں کیا جائے گا۔

تہذیب و تمدن کی ترقی کے اس بلند بانگ دور میں کہ احترام آدمی اور انسان دوستی کے کھوکھلے نعروں سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ بیسویں صدی کی چھوٹی بڑی بیسیوں جنگوں اور جھڑپوں کے کوائف ملاحظہ فرمایئے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ کسی ایک معرکہ میں بھی فاتح گروہ نے مفتوحین کے ساتھ اس درجہ لطف و رحمت کا برتاؤ اور اتنی فراخدلی اور رواداری کا سلوک کیا ہے۔ ؟

پیغمبر صلح و آشتی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انسان دوستی اور عاجز نوازی کے قربان جایئں جان کے لاگو شورہ پشت دشمنوں کو بھی عفو و رحمت کے سحاب بخشش سے سیراب کر دیا گیا جس نے ہتھیار اٹھائے اور زخمی ہو گیا اور اس کی جاں بخشی ہو گئی۔ مغلوب اور اسیر جنگ ہوا تو دامن تحفظ کی چھاؤں میں آ گیا۔ چنانچہ آپ دیکھیئے فتح مکہ کی معرکہ آرائی میں کل دو مجاہدوں نے جام شہادت نوش کیا اور دشمن کے اٹھائیس افراد کھیت رہے یہ تھا پیغمبر اسلام کی ایک اہم جنگ کا (DEATH - RATE) ساری انقلابی اور دعوتی زندگی کے پورے تئیس سالوں میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ستر ہ غزووں اور تینتیس سرایا کل پچاس چھوٹی بڑی معرکہ آرائیوں میں صرف چودہ سو افراد کے نقصان جان پر (جن میں ایک ہزار کفار اور چار سو صحابہ شامل ہیں) اسلامی انقلاب کو پروان چڑھایا ہے۔ اتنے کم نقصان میں اس درجہ کامیابی کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے ؟

یا ربّ صَلِّ وَسَلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسوۂ حسنہؐ اور ہم

★ سید داؤد احمد جیلانی

جب مجھ سے کسی کانفرنس میں تقریر کرنے یا مقالہ پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ اس کے عنوان سے میرا کہاں تک تعلق ہے اور میری تعلیم و تربیت اور میرا علم اس عنوان کے ساتھ کہاں تک انصاف کر سکے گا۔ اور کیا میرے پاس کچھ ایسے تجربات، احساسات، خیالات موجود ہیں جو شرکاء کے لئے قابلِ اعتناء ہو سکیں چنانچہ یہی کچھ میں آج کا مقالہ پیش کرنے کے لئے سوچتا رہا۔ اپنے بچپن اور طالب علمی کے زمانہ سے لیکر موجودہ زندگی تک ایک اطائرانہ نظر ڈالی اور بچپن کا وہ زمانہ یاد آیا، جب گھر گھر وعظ اور میلاد کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ خدا اور اس کے رسولؐ کا ذکر کس محبت و خلوص اور انہماک سے سُنا جاتا تھا۔ لوگ اس لئے یہ ذکر سنتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسُول کے بتائے ہُوئے رستہ پر چلیں۔ اپنے اعمال کو احکامِ الٰہی اور اسوۂ حسنہ کے ڈھانچہ میں ڈھالیں اور اسلامی برادری میں محبت و اخوت کا وُہ جذبہ پیدا کر سکیں جو اسلام کا مقصدِ حیات ہے۔

گھر ہو یا سکُول، محلہ ہو یا گاؤں بچوں سے سب محبت و شفقت سے پیش آتے تھے: بچّہ آنکھ

★ ڈائریکٹر پلاننگ اینڈ رورل ڈیولپمنٹ ڈویژن اسلام آباد

کھول کر ایسا ماحول پاتا تھا کہ اس کا کردار اسی ڈھانچہ میں ڈھلتا جاتا تھا جو اس کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ اگر اس کے کان میں آواز پڑتی تھی کہ نماز فرض ہے تو وہ دیکھتا تھا کہ اس کے والدین نماز پڑھتے ہیں۔ استاد بھی نماز پڑھتے ہیں۔ سکول میں نماز ہوتی تھی دیکھتا کہ سارے بچے بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس کے استاد بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسے یقین ہو جاتا تھا کہ واقیموا الصلوٰۃ کا حکم سب کے لئے ہے چھوٹے بڑے غریب، امیر، افسر اور ماتحت کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ حکم نہیں ہے۔ یہی حال دوسرے ارکان اور احکام کا تھا حقوق اللہ اور حقوق العباد کا درس اس طرح دیا جاتا کہ بچہ ہوش سنبھالتے سنبھالتے اسلام کے زریں اصولوں سے نہ صرف شناسا ہو جاتا بلکہ ان اصولوں کے مطابق اس کا کردار بن جاتا۔

ہمارا ایمان ہے اور عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مکمل دین اور ایک مکمل کتاب اور آخری نبیؐ سے نوازا ہے۔ یہ عقیدہ ہمارے ہر فعل و عمل میں ہمارے ساتھ ہو تو ہم اپنی زندگی اور اعمال میں ایک توازن پیدا کر سکیں۔ اور "تجرباتی" تضیع اوقات سے گزر کر "عملی" دنیا میں قدم رکھ سکیں۔

مجھے اچانک اپنے اس مضمون کا خیال آگیا جو میں نے دسویں جماعت میں ایک انعامی مقابلہ میں بعنوان "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے" لکھا تھا۔ پہلا۔ دوسرا اور تیسرا انعام تو مجھ سے زیادہ ذہین بچوں کو گیا تھا۔ مجھے خصوصی انعام ملا تھا لیکن اس ماحول، اس مدرسہ اور اس تربیت کا اثر تھا کہ جو باتیں اس مضمون میں لکھی گئی تھیں۔ آج بھی میرے لئے اتنی قیمتی اور میرے لئے اتنی ہی راہِ ہدایت ہیں جتنی کہ اس وقت تھیں لیکن زندگی بھر مجھے یاد رہیں اور زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں۔

مثال کے طور پر میں نے اس مضمون میں یہ نہیں لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ شرافت، رحم دلی، خوش خلقی اور سچائی کو اپنا شعار بناؤ بلکہ یہ لکھا تھا کہ

"عرب میں جبکہ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جاہلیت پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ جانوروں سے بہتر نہ تھے۔ اس وقت ایک ایسے سراجاً منیرا کی جو اس اندھیرے کو اجالے سے، تاریکی کو روشنی سے، ظلمت کو نور سے بدل دے۔ لوگوں کو سچا مذہب بتائے ضرورت تھی۔ مکہ میں یہ چراغ روشن ہوا یعنی ہمارے نبی جناب حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان میں تشریف لائے اور اپنی شرافت، اپنی رحم دلی، اپنی خوش خلقی اور اپنی سچائی کے اعتبار سے ساری دنیا کے لئے اسوہ حسنہ یعنی اچھا نمونہ بن گئے"۔

"آپ وعدہ کے بہت پابند تھے" آگے واقعہ لکھا ہے جو آپ سب کو معلوم ہے آگے لکھا ہے۔

"حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیکسوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے، غریبوں اور محتاجوں کو صدقہ دیتے، یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کرتے، عزیزوں کے ساتھ احسان کرتے، کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ بیوہ عورتوں کے ہاں آپ خود پانی بھرتے تھے اور ان کا سودا لاتے تھے۔"

"ہم کو آپؐ کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور ہمیشہ تکبر اور غرور سے الگ رہنا چاہیئے۔ جب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کام کرنا بے عزتی نہیں سمجھتے تھے تو ہم کو بھی کام کرنے سے اجتناب نہیں کرنا چاہیئے۔" آگے چل کر بس نے اسی مضمون میں لکھا کہ

"آنحضرت بڑے ہنس مکھ، نرم مزاج تھے۔ طبیعت میں سختی نام کو نہ تھی۔ کبھی کوئی سخت کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ دوسروں پر عیب لگانا بہت برا سمجھتے تھے۔ عمر بھر کسی کو برا نہیں کہا۔ برائی کے بدلہ میں کبھی برائی نہیں کی ہمیشہ معاف کر دیتے تھے۔ کبھی کسی غلام۔ لونڈی۔ مرد عورت یہاں تک کہ جانور کو بھی اپنے ہاتھوں سے نہیں مارا اور آخر میں اپنے ساتھیوں کے لئے ایک مختصر سا پیغام تھا جو اب بھی میرے ساتھیوں کے لئے اتنا ہی مفید ہو سکتا ہے جیسا کہ پہلے تھا:

"میرے دوستو! آنکھیں کھولو۔ وقت کی نزاکت پر غور کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے سامنے رکھ کر اس پر عمل کرو پھر تم میں (انشاء اللہ) وہی جذبہ اسلامی اور جوش پیدا ہو جائے گا۔ اور پھر تم بھی آج سے تیرہ سو برس پہلے کے مسلمانوں سے ہرگز کم نہ ہو گے۔"

"اٹھو اور جلدی اٹھو۔ اور ان مسلمانوں کے دل و دماغ بیدار کرو اور پھر دیکھو دنیا کی دوسری قومیں تمہارے نام سے کانپیں گی۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

دیکھنے میں یہ واقعہ آپ جیسے علماء، مشائخ اور دانشوروں کے لئے چھوٹا سا واقعہ معلوم ہو لیکن فلسفہ منطق اور نفسیات کی رو سے اس واقعہ کا تجزیہ کیا جائے اور اس کی روشنی میں ریسرچ اور تحقیق کے اصولوں پر سفارشیں مرتب کی جائیں تو پوری ایک کتاب بن سکتی ہے جو ہمارے مذہبی اور اخلاقی انحطاط کا ازالہ کرنے اور ہمارے معاشرہ کو ایک اسلامی اور فلاحی معاشرہ بنانے کے لئے کارگر ہو سکتی ہے۔

مختلف علوم کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان کو یقین آجاتا ہے کہ آنحضرت مظہر تکمیل نبوت و رسالت اسی لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کل کائنات کا خالق ہے اس نے انہیں اپنا آخری صحیفہ اور آخری دین دے کر ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام علوم کو قرآنِ مجید میں سمو دیا جو سارے جہانوں میں موجود تھے۔ اور جن تک ادراک انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دینِ مبارک سے وہ نفسیاتی، معاشرتی، معاشیاتی اور عمرانی علوم ہم تک پہنچا دیئے جن پر مغرب کے بڑے بڑے علماء فضلاء ساری زندگی تحقیق کرنے کے بعد ان ہی نتائج پر پہنچ سکے جو آپؐ نے فرما دیئے تھے مسلمانوں یہ مسئلہ عمل کا ہے۔ ہم ارکانِ اسلام پر جب تک صحیح معنی میں کاربند نہ ہوں گے اور جب تک ہم احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنی زندگیوں میں انقلاب نہیں لائیں گے۔ ہمارے مسائل حل نہ ہونگے۔

ہمارے زوال کے اسباب مسدس حالی اور علامہ اقبالؒ کے شکوہ اور جواب شکوہ سے آگے تو نہیں بڑھے ہم نے بہت کچھ کیا۔ مادی ترقی میں کافی آگے بڑھ گئے لیکن روحانی ترقی اور عمل کی رفتار سست کر دی۔ لیکن یہ دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی ہے کہ آج ہم پاکستان میں ساتویں سیرت کانفرنس میں ان مسائل کی طرف سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، لیکن اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لئے ہمیں ان خیالات کو جو علماء اور دانش وروں نے اس مبارک اور اہم محفل میں ایک دوسرے کو پہنچائے، کسی نہ کسی طرح عوام تک پہنچانا ہوگا۔ اور ایک ایسے گروہ کی تشکیل دینی ہوگی جو ان زریں اصولوں پر عمل کرتا ہو اور ہماری نوجوان نسل کے سامنے ایک مثالی کردار یا نمونہ بننے کا اہل ہو۔ گروہ سے میرا مطلب کوئی منظم جماعت نہیں بلکہ ہمیں من حیث القوم، ہم جہاں بھی ہوں یہ کوشش کرنی ہوگی کہ نیکی کو نیکی سمجھیں، بدی کو بدی سمجھیں، خیر اور شر میں تمیز کر سکیں۔ صاحبِ خیر کو معاشرہ میں اچھا جانیں۔ صاحبِ شر کو برا جانیں۔ اور "لِمَ تقلون ما لا تفعلون" کی تعبیر بن کر ایسے معاشرہ کو جنم دیں جو ہمارا مقدر ہے جو ہمارا حق ہے اور جسے ہم نے ایک دوسرے پر ٹالنے کی کوشش کی ہے عوام نے یہ کہہ کر یہ حکومت کا کام ہے اور حکومت نے یہ کہہ کر یہ عوام کا کام ہے۔ حکومت میں معاشرہ کے نمائندے ہی کارندے ہوتے ہیں۔ اچھے مسلمان بننا اور اچھے مسلمان بنانا ہم سب کا اہم فریضہ ہے۔

حکومت کی ہمت افزائی کو سراہتے ہوئے جو آنحضرتؐ کی سیرت کے سلسلہ میں کی گئی ہے۔ اور خاص طور پر آنحضرت کی سیرت پر تحقیقی کتابیں لکھنے کے سلسلہ میں، میں تجویز کروں گا۔ بہترین کتابوں پر حکومت اتنا انعام مقرر کرے جو مکمل معاوضہ کے برابر ہو، ان کتابوں کے حقوق نشر و اشاعت اور طباعت خود حاصل کرکے اور ان کتابوں کا کم سے کم ہدیہ رکھ کر ان کی اور ان کے ساتھ قرآن مجید مع ترجمہ یا صرف اردو ترجمہ کی تقسیم کی ایک ملک گیر مہم شروع کرے تاکہ وہ طلبا اور وہ لوگ جن کی رسائی ان کتب تک نہیں ہوسکتی۔ اس سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوسکیں۔

ایک اسلامی فلاحی معاشرہ میں حقوق العباد کی بجاآوری غربت و ناداری کو دور کردیتی ہے۔ جب تک حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مطابقت نہ ہوگی ایک متوازن معاشرہ جنم پذیر نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ صاحب نصاب کو دینا اور حکومت کا وصول کرنا اور جمع کرنا حقوق اللہ ہے۔ اسلام کا رکن ہے لیکن ان رقوم کا مستحقین تک پہنچانا حقوق العباد ہے۔ زکوٰۃ و فطرہ اور خیرات اسلام میں ایسے ادارے ہیں جن سے ہم تمام ضرورت مندوں اور مستحقین کی ضروریات پوری کرسکتے ہیں۔ اور جدید تقاضوں کو جو معاشرتی بہبود یا سوشل ویلفیئر کی شکل میں موجود ہیں۔ بیت المال یا سوشل ویلفیئر یا حقوق العباد کے محکمہ بناکر نہایت سائنٹیفک اصولوں پر چلائے جاسکتے ہیں۔ اور یہ کام منظم طریقہ پر وزارت مذہبی امور میں ہی ہوسکتا ہے۔ ہمارے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے تاکہ عوام رضاکارانہ طور پر حکومت کا ہاتھ بٹا سکیں اور اس اہم نظام کے تحت معاشرہ سے غربت، ناداری، جہالت اور پسماندگی کو دور کرکے صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی معاشرہ کو جنم دے سکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبیِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

* کرنل (ریٹائرڈ) محبوب حسن خان لودھی

ابتدا

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کے طریقے کو پسند کیا" (المائدہ۔۳)

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں" (احزاب۔ ۴۰)

انسانی زندگی کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ کوئی اسے وہ راستہ بتائے جسے ہم راہ راست کہتے ہیں۔ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیا کرام کا سلسلہ جاری کیا۔ سب سے پہلا انسان جسے اللہ نے پیدا کیا اسے نبوت سے بھی سرفراز فرمایا: ان اللہ کے برگزیدہ بندوں نے باری تعالیٰ کا

* دانش ور

پیغام نہ صرف انسانوں تک پہنچایا بلکہ خود عملی نمونہ پیش کر کے لوگوں کی رہنمائی کی۔ انہوں نے بتایا کہ انسان اور کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اسے دنیا میں سامانِ زیست کس نے دیا ہے اور کیوں دیا ہے؟ اسی بارے میں قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ نے انسانوں اور جنوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ درخت۔ نباتات۔ چرند۔ پرند۔ زمین۔ ستارے۔ سورج۔ چاند سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ پیغمبروں نے بھی انسانوں کو یہ بتایا کہ خالقِ کائنات اللہ ہے۔ اسی کی عبادت کرنی چاہیئے اسی کے آگے سر جھکانا چاہیئے۔ اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ اسی کی مرضی کے مطابق دنیا میں نیکی کی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ جو لوگ اللہ کے احکام پر عمل کریں گے ان کے لیے اجرِ عظیم ہے اور جو انکار کریں گے ان کو سزا دی جائے گی۔

انبیاء کی دعوت

انسانی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کی دعوت پر تھوڑے ہی لوگوں نے عمل کیا۔ دوسرے لوگوں نے گمراہی کا راہ اختیار کی۔ لیکن پیغمبروں کا سلسلہ جاری رہا اور یہ اللہ کے بندے پیغامِ حق پہنچانے میں ہر مشکل اور آزمائش کا سامنا کرنے کے لیے سینہ سپر رہے۔ اس طرح ایک سٹیج ایسی آئی کہ اکثر قوموں میں خدا اور آخرت کی زندگی کا تصوّر کسی نہ کسی صورت میں پھیل گیا۔ وہ اصول جو تمام دُنیا میں مانے جاتے ہیں، مثلاً سچائی۔ بردباری۔ انصاف بلکہ معروف کی ہر شکل تسلیم کر لی گئی۔ ایسے ان انبیائے کرام کی کوششوں سے قومیں اس طرح تیار ہو گئیں کہ دنیا میں ایک ایسے دین کی تعلیم عام کی جا سکے جو ساری انسانیت کی بھلائی چاہتا ہو۔ انبیائے کرام نے معاشرے کی اصلاح کے لیے جو بھی کوششیں کیں، ان میں اوّلیت اس دعوت کی طرف تھی کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ اور یہ تسلیم کرو کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں جوابدہی کے لیے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ عقیدہ توحید و آخرت کو بار بار ہر نبی نے پیش کیا اور دعوت دی کہ پورا نظامِ زندگی اسی بُنیاد پر قائم کیا جائے۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ

"یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔"

غلبۂ دین

غلبۂ دین کی جد وجہد کرنا انبیائے کرام کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ مثلاً:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبہ - ۳۳)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔"

بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انبیائے کرام کا سلسلہ جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خطۂ عرب کو منتخب کیا۔ آج سے چودہ سو سال پیشتر کے حالات تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔ اس وقت ذرائع آمد و رفت محدود تھے۔ نہ تار تھا نہ ٹیلیفون نہ ریل نہ ہوائی جہاز۔ عوام کی معلومات محدود تھیں۔ ان دنوں میں عرب کے ارد گرد ایران، روم اور مصر میں علوم و فنون اور تہذیب کی روشنی پائی جاتی تھی۔ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ جنگل کا قانون چلتا تھا۔ اخلاقی اعتبار سے اہلِ عرب کچھ اچھی شہرت نہ رکھتے تھے۔ ایسے حالات میں اللہ نے محمد مصطفیٰ ؐ کا انتخاب فرمایا کہ ان کو خطۂ عرب میں مبعوث کر کے دنیا میں آخری نبی کی حیثیت سے بھیجا جائے۔ خطۂ عرب یورپ افریقہ اور ایشیا کے قریب واقع ہے۔ عرب گو متمدن نہ تھے لیکن ان میں کچھ خوبیاں پائی جاتی تھیں جو ایسی

قوم میں ہو سکتی ہیں جس کو تمدن کی ہوا نہ لگی ہو۔ عرب بہادر، بے خوف، فیاض، عہد کے پابند اور آزاد قوم سے تعلق رکھنے تھے۔ عربی زبان میں یہ خاصیت موجود ہے کہ اس میں اعلیٰ خیالات ادا کیے جا سکیں اور قرآن کے لیے ایسی ہی زبان کی ضرورت تھی جس میں زور بھی ہو شیرینی بھی ہو۔

یہ اللہ کی کرم نوازی تھی کہ عرب میں رسولِ مقبولؐ کو بھیج کر انقلاب کا آغاز کیا۔ حضورؐ کی کوششوں سے دینِ حق ۲۳ سال کے مختصر سے عرصہ میں عرب کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔

نبیؐ کا کارنامہ

لیکن آپؐ صرف ایک داعیِ حق نہیں تھے بلکہ آپؐ تو انبیائے کرام کے اس سلسلے کی آخری کڑی تھے جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا۔ اس طرح یہ ایک عظیم ذمہ داری تھی جو اللہ نے نبی اکرمؐ کے سپرد کی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر ہر روز تو پیدا نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں نبی بھیجے تاکہ ہدایت کا فریضہ انجام دیں اور جب تک ان کی تعلیم اور ہدایت زندہ ہے اس وقت تک گویا پیغمبر خود زندہ ہے۔ رسول اکرمؐ سے پہلے جو انبیائے کرام تشریف لائے ان کے پیروکاروں نے ان کی اصل تعلیم کو بدل دیا۔ جو کتابیں اور صحیفے اللہ کی طرف سے ان پیغمبروں پر نازل ہوئے تھے۔ ان میں آج ایک بھی اصل حالت میں موجود نہیں ہے بلکہ جب نبیؐ تشریف لائے اس وقت بھی اصلی حالت میں موجود نہ تھے۔ ان کی زندگیوں کے حالات اور دیگر تعلیمات کا بھی یہی حال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبرِ برحق احمد مجتبیٰؐ کا انتخاب فرمایا۔ آپؐ کو عرب میں مبعوث فرمایا آپؐ کے ذریعے مختصر سی مدت میں ایک عظیم انقلاب برپا کر کے دکھا دیا۔ آپؐ کی زندگی کے حالات، اقوال اور افعال سب تاریخ میں موجود ہیں۔ وہ آسمانی کتاب جسے قرآن حکیم کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اپنے اصلی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ چودہ سو سال کے بعد بھی ہماری آنکھوں کے سامنے نبیؐ کا ایسا نقشہ اُبھرتا ہے کہ جیسے آپؐ ہمارے سامنے موجود ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دُنیا میں کسی انسان کی زندگی بھی اتنی محفوظ نہیں ہے جتنی سیرتِ پاک۔

آخری ہدایت

پھر ہدایت کی یہ حالت ہے کہ وہ تعلیم جو رسول اللہؐ لائے تھے۔ آج بھی اتنی ہی مؤثر ہے جتنی چودہ صدیاں پہلے تھی اور آئندہ بھی ہر زمانے، ہر ملک اور ہر قوم کے لیے ہدایت موجود ہے۔ اس طرح سے نبوت و رسالت کی تکمیل ہو گئی۔ اللہ نے اپنے آخری رسولؐ کے ذریعے اپنے پیغام کو دُنیا تک پہنچایا۔ اس پیغام کو نبیؐ نے عملی طور سے نافذ کیا جو کتاب آپؐ پر نازل ہوئی۔ وہ اصلی صورت میں موجود ہے آپؐ کی سیرت اور زندگی کا ہر لمحہ سیرت کی کتب میں محفوظ ہے دُنیا جس دور سے گزر رہی ہے اس میں پیغام الٰہی حاصل کرنے کے لیے تمام آسانیاں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپؐ کی تعلیم محدود نہیں تھی۔ یعنی وہ کسی خاص قوم یا قوموں کے لیے نہ تھی بلکہ آپؐ کی تعلیم تمام انسانیت اور تمام زمانوں کے لیے تھی۔ آپؐ کو تو اللہ نے تمام زمانوں کے لیے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ ایک اور بات کا ذکر ضروری ہے کہ جو تعلیم نبی آخرالزماںؐ لے کر آئے تھے۔ اس میں کچھ گھٹانے بڑھانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی نقص ہے کہ دوسرے نبی کے آنے کی ضرورت محسوس کی جائے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس طرح سے حضورؐ خاتم النبیین ہیں۔ یعنی نبوت کے سلسلے کو ختم کر دینے والے۔ اب دُنیا کو ان لوگوں کی ضرورت ہے جو ان تعلیمات پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کرائیں اور اس مقصد کے لیے جدوجہد کرتے رہیں جس کے لیے آنحضرتؐ تشریف لائے تھے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سبا - ۲۸)

"اے نبیؐ ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔ (الاعراف - ۱۵۸)

■ اے نبی کہدو کہ اے انسانو۔ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"

مختلف احادیث میں بھی حضورؐ نے اسی مضمون کی وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً

۱۔ "میں گورے اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔" (مسند احمد)

۲۔ "میں عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔" (مسند احمد)

۳۔ "پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

علم و عمل

نبیؐ نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارشادات بلا کم و کاست دنیا تک پہنچائے۔ لوگوں کے اخلاق درست کیے۔ لوگوں کو اللہ کی کتاب کا حقیقی مدعا سمجھایا اور ان کے اندر وہ بصیرت پیدا کی کہ لوگ اپنی زندگی کتاب اللہ کے مطابق ڈھال لیں۔ تکمیلِ دین کے ذریعے لوگوں کے لیے صحیح تعلیم مہیا کی۔ ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا اور اصل دین پیش کیا تاکہ لوگ اللہ کی رضا تک پہنچ سکیں۔

عملی طور سے رسول اللہؐ نے نیکی کا حکم دیا۔ برائیوں سے روکا۔ حرام و حلال کی حدود مقرر کیں۔ اور انسان کو اللہ کی عائد کردہ پابندیوں میں رہنے کی تلقین فرمائی۔ حق اور انصاف سے فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور اللہ کے دین کو اس طرح قائم کر دیا کہ انسانی زندگی کا پورا نظام اسی کے تابع ہو۔ اور دین حق ہی غالب رہے۔

تا ابد ثبوت

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبوتِ محمدیؐ تمام زمانوں کے لیے یعنی عالمگیری ہے۔ ہمیشہ رہنے والی یعنی تا ابد اور دین مکمل ہو گیا ہے۔ حضورؐ کی نبوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے۔ آپؐ

کے ذریعے وہ کام تکمیل کو پہنچ گیا جس کے لیے انبیائے کرام کے آنے کی ضرورت تھی۔حضور اکرمؐ کی وہ حدیث بیان کر دی جائے تو مناسب ہو گا جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک خوب صورت مکان بنایا اور تمام عمارت بنا کر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ اب جو لوگوں نے اس کے گرد چکر لگایا تو وہ خالی جگہ انہیں کھٹکنے لگی اور وہ کہنے لگے کہ اگر یہ آخری اینٹ بھی رکھ دی جاتی تو مکان بالکل مکمل ہو جاتا۔ سو وہ آخری اینٹ جس کی جگہ نبوت کے محل میں باقی رہ گئی تھی۔ میں ہی ہوں۔ اب میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔"

اس عظیم مثال سے ختم نبوت کی وجہ صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ جب دین کامل ہو چکا۔ آیاتِ الٰہی پوری وضاحت سے بیان ہو چکیں۔ اوامر، نواہی، عقائد، عبادات۔ گویا زندگی کے ہر شعبے سے متعلق پورے اور واضح احکام بیان کر دیئے گئے۔ دُنیا کے سامنے اللہ کا کلام اور اس کے پیارے رسولؐ کی سیرت اس طرح موجود ہے کہ ہر قسم کے نقص سے پاک ہے اور ہر زمانے میں ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے۔ نبوت کی ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ تجدید و تذکیر علمائے حق و مومنین کی جماعت کی ذمہ داری ہے۔

تحریکِ اسلامی کی کامیابی

تحریکِ اسلامی کو جو کامیابی حضورؐ کی رہنمائی میں ملی اس میں سب سے اہم چیز حضورؐ کی شخصیت کردار۔ مالی ایثار۔ عزمِ صمیم۔ شجاعت۔ عالی ظرفی۔ قول اور عمل میں مطابقت۔ تمام تعصبات سے پاک ہونا شامل ہیں۔ قرآن حکیم کی قوتِ تسخیر۔ حضورؐ کے جاں نثاروں کی قربانی۔ انصارِ مدینہ کی امداد نے بھی اسلام کے فروغ میں تاریخی کردار ادا کیا ہے۔

نبی اکرمؐ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پیشتر فرمایا تھا کہ "مسلمانو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی سنت یعنی عملی زندگی۔" ظاہر ہے کہ آپؐ کی

وفات کے بعد بھی قرآنِ حکیم اپنی اصلی شکل و صورت میں ہدایت کا سرچشمہ ہے اور رسول اللہؐ کی عملی زندگی۔ سنت۔ سیرتِ پاک قائم و باقی ہے اور ہماری ہدایت کا ذریعہ ہے۔ آپؐ کی تعلیمات کو ہمارے بزرگوں نے کتابوں میں محفوظ کر لیا ہے۔

دوسرے مذاہب کے تاثرات

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ تو سب مسلمانوں کو پتہ ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو دُنیا کے بڑے بڑے ادیان میں جو پیشن گوئیاں نبی اکرمؐ کے بارے میں موجود تھیں یا ہیں۔ ان میں بھی آپؐ کو پیغمبر آخر الزماںؐ یا بعد میں آنے والا۔ کہہ کے مخاطب کیا گیا ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی الفاظ ہوتے تو غلط فہمی کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اس طرح سے حضورؐ کی رسالت و نبوت تکمیلِ ہدایت و دین ہے۔

مختصراً یہ کہ ہمیں تو حکم ہے کہ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر۔ اور نبیؐ کی تعلیمات اور قرآن کو آخری ہدایت نامہ مانتے ہوئے ان تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ ہمیں کہا گیا ہے کہ تم وہ بہترین اُمت ہو جو بھلائی کا حکم دیتی ہو اور برائیوں سے روکتی ہو۔ دینِ حق کے پیغام کو دُنیا کے کونے کونے میں پہنچانا اب ہمارا کام ہے۔ یہ کام ہم تقریر سے۔ تحریر سے اور اپنے عمل سے پہنچائیں۔ تب ہم دنیا میں امامتِ عالم کے حق دار بنتے ہیں۔ اسلامی تحریک کی کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ ہم خود اسلام کے داعی بن کر دُنیا میں پیغامِ حق پھیلائیں۔ یہ دین کامل ہے۔ اللہ کی امداد سے ہم پھر انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

مظہر تکمیل نبوت و رسالت

٭ سید شاکر حسن

عامۃ المسلمین کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ان کے عقیدہ کے مطابق پیغمبر آخرالزماں کی ہے۔ اگر اس عقیدے کو تسلیم کرنے میں ان کے دل اور زبان ہمنوا نہیں تو ان کے اسلام میں شبہ ہے۔ اکثر غیر مسلم دانشوروں نے آپؐ کی اس حیثیت کو تسلیم نہ کرنے کے باوجود آپؐ کو دنیا کا عظیم ترین انسان مانا ہے۔ غیر مسلم محققین نے ان تواریخ کی روشنی میں جو مسلم محققین اور مؤرخین نے لکھی ہیں حضور اکرمؐ کی مختلف حیثیتوں کا مطالعہ کیا ہے اور آپؐ کے اخلاق، اوصاف، کردار اور صلاحیتوں سے متاثر ہو کر یہ اخذ کیا ہے کہ انسانی تاریخ نے اب تک اتنا عظیم رہنما پیدا نہیں کیا۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہم مسلمان حضورؐ کی ان صفات پر ایمان رکھتے ہوئے بھی تضاد و اختلافات کا شکار ہیں اور ہمارا انفرادی اور اجتماعی کردار حضور اکرمؐ کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بارہ ربیع الاول کی تقریب کے انعقاد کا سب سے بڑا مقصد عامۃ المسلمین میں ایسا شعور بیدار کرنا ہونا چاہیئے جس سے ان کا کردار حضور اکرمؐ کے اوصاف کے مطابق ہو اور جتنی جلد ایسا ہو سکے اتنا ہی امت اسلامیہ کے مفاد میں ہوگا۔

٭ صدر انجمن شہریان اسلام آباد

آخر کیا وجہ ہے مسلم امہ ہی انفرادی اور اجتماعی طور پر کردار کے ان اوصاف سے جو نبی اکرمؐ میں موجود ہیں بے بہرہ ہے۔ آج قرآن موجود ہے۔ احادیث بھی ہیں ان سے تمام انسانیت بلا استثنا متاثر ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن مسلمان اپنے عقیدے کے باوجود ان سے متاثر دکھائی نہیں دیتا۔ ایک طرف عقیدے کا تو یہ عالم ہے کہ حضور اکرمؐ کی شان میں ذرا بھی تضحیک کا پہلو ہو تو مسلمان اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہ اس کو بھی برداشت نہیں کرتا کہ کسی اخبار یا کتاب میں آپؐ کا خیالی عکس بھی چھپے وہ اس پر بھی اٹھ کھڑے ہوتا ہے۔ اگر کسی غیر مسلم ملک کے اخبار، جریدے یا کتاب میں حضورؐ کے متعلق کوئی ایسی بات چھپے جس میں اہانت کا پہلو ہو۔ یہ باتیں اس کے عقیدے کو متاثر کرتی ہیں اور وہ اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ دوسری طرف اطاعت جس کو قرآن فرض قرار دیتا ہے مفقود ہے وہ اطیعو اللہ واطیعو الرسول کا کھلا باغی ہے۔ اور جتنا نقصان اس تفاوت کی وجہ سے عامۃ المسلمین نے اٹھایا ہے۔ اور دنیا بھر میں رسوائی مول لی ہے شاید ہی اس سے بڑی کوئی تاریخی اور حقیقی وجہ ہو۔

مسلمان نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے حج کرتا ہے زکوٰۃ اور خیرات دیتا ہے۔ اور نا انصافی بھی کرتا ہے، دوسروں کے حقوق سلب کرتا ہے، کم تولتا ہے کاروبار تجارت اور لین دین میں بے ایمانی کرتا ہے اپنے مفاد میں ہر وہ کام کرتا ہے جس کے لئے منع کیا گیا ہے اور جس کو کسی بھی مہذب معاشرے میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی اس کا ضمیر مطمئن رہتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس نے نماز پڑھ لی ہے۔ اور روزہ رکھ لیا ہے۔ حج کر لیا ہے اور زکوٰۃ دے دی ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا کوئی مسلمان شعوری طور پر نبی اکرمؐ کا باغی ہو سکتا ہے؟ ایسا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ عملاً ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آخر غیر مسلموں میں بہت سی ایسی باتیں کیوں ملتی ہیں جن کی بنیاد نبی اکرمؐ کے ذاتی کردار سے مطابقت رکھتی ہے۔ آج کروڑوں غیر مسلم ایسے ہیں جو انصاف کرتے ہیں اپنے مفاد میں دوسروں کے حقوق سلب نہیں کرتے تجارتی معاملات، لین دین اور سیاست میں دیانت دار ہیں کیا کوئی مسلمان اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے کہہ سکتا ہے کہ۔۔ اک کروڑ مسلمانوں کی آبادی میں لاکھوں مسلمان بھی ایسے ہوں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے نبی اکرمؐ کو امت مسلمہ کے ساتھ اس طور سے متعارف نہیں کرایا جس طرح کروانا چاہیئے تھا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم حضورؐ کی سیرت طیبہ کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ بامقصد انداز کے ساتھ کریں۔ الحمداللہ آپ کی حیات طیبہ پر مسلمان مؤرخین سیرت نویسوں، تذکرہ نگاروں کے علاوہ غیر مسلم دانشوروں نے بھی بھرپور انداز سے لکھا ہے۔ ان نگارشات کی روشنی میں حضورؐ کی ذات اقدس کا مکمل تعارف، کتاب مبین کی طرح تابندہ ہے اور زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق انسان اس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر آپ کے وصال تک کسی دور کا مطالعہ کریں۔ بنی نوع انسان کے لئے ہزاروں روشن مثالیں ملیں گی جن سے وہ اپنی زندگیاں سنوار سکتے ہیں نزول وحی کے بعد آپؐ کا پہلا خطبہ ہی لیجیے۔ آپؐ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنے کردار کے متعلق ان الفاظ میں ان سے گواہی طلب کی "تم نے میرا بچپن دیکھا، تم نے میری جوانی دیکھی، تم نے میرے معاملات دیکھے، تم نے مجھے کیسا پایا؟" لوگوں نے عرض کیا ہم نے ہمیشہ آپؐ کو سچا پایا آپ کو امین پایا۔ حضورؐ نے فرمایا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن ہے جو تم پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے تو تم یقین کرو گے؟ لوگوں نے کہا آپؐ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اس لئے ہم اس پر یقین کریں گے اس خطاب سے یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ آپؐ نے لوگوں کے سامنے اپنے کردار کو پیش کر کے اپنے کردار کی سچائی کو تسلیم کرایا۔

دوسرا اہم واقعہ حضور اکرمؐ کا خطبہ حجتہ الوداع ہے۔ قرآن اور اسلام کو آپؐ سے بہتر نہ کوئی سمجھ سکتا ہے نہ ہی پیش کر سکتا ہے اس خطبہ کا اہم ترین حصہ یہ ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں سوائے اس کے کہ جو متقی ہے۔ گویا ہر شخص جس میں تقویٰ کی خوبیاں موجود ہیں ان لوگوں سے برتر ہے جن میں یہ خوبیاں نہیں ہیں اور تقویٰ کا صحیح تصور وہی ہے جس کی بنیاد آپ کا پہلا خطاب تھا۔ جس میں آپ نے لوگوں کے سامنے اپنے بچپن جوانی اور معاملات پر گواہی چاہی تھی۔

آپؐ کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک عمل تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ آپؐ سے پہلے انبیاء کرام کے متعلق جو کچھ علم ہے وہ وہیں تک محدود ہے جہاں تک ان انبیاء کرام کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔ لیکن حضور اکرمؐ کا ہر عمل اور ارشادات و فرمودات تاریخ میں مندرج ہیں۔

ان اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اُن کی نبوت منوانے کے لیے معجزے سے نوازا لیکن حضور اکرمؐ چونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور انسانی دماغ کا ارتقائی دور قیامت تک طویل ہے اور معجزے کو دماغی ارتقاء کے دورِ عروج میں ثابت کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے یہ مشیت ایزدی تھی کہ حضور اکرمؐ کو ایسا کردار (خلق عظیم) عطا کیا جائے جو دین کی بنیاد ہو۔ اس لئے کہ اچھا کردار ہی تہذیب معاشرے کی بنیاد ہے اور انسانی ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور فرشتوں کو جو معصوم ہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا جس سے انسان کی برتری متعین ہوتی ہے۔ مشیتِ ایزدی اسی میں تھی کہ انسان اپنی دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ترقی کی معراج پر پہنچے۔ ایسا تب ہی ممکن ہے۔ جب معاشرے میں امن و امان ہو جس کی بنیاد انسانی کردار کے وہی اوصاف ہیں جن پر حضور اکرمؐ نے اپنے پہلے خطبہ میں لوگوں سے گواہی چاہی تھی۔ حضور اکرمؐ کی شخصیت کو اس انداز سے پیش کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم مسلمانوں کا ذاتی اور اجتماعی کردار حضور اکرمؐ کے احکامات کے مطابق نہ ہو۔

یہ تاریخی حقیقت یاد رکھنی چاہیئے کہ رسالت مآب کے خلق عظیم نے مسلمانوں کو ایسی اخلاقی قوت عطا کی تھی کہ تھوڑے ہی عرصے میں یورپ کی بازنطینی اور ایشیا کی ایرانی اور اس وقت کی سپر طاقتیں سرنگوں ہو گئیں اور ایک صدی کے قلیل عرصہ کے اندر مسلمان بحراوقیانوس سے کاشغر تک پھیل گئے۔ جس نے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا اور جس رفتار سے خلق عظیم کو اپنا کر مسلم اثر پھیلا تھا اسی رفتار سے اس کو ترک کر کے روبہ زوال ہوا جو اب تک جاری ہے۔

دوسرا اہم پہلو جس نے انسانی تاریخ میں سب سے بڑا انقلاب پیدا کیا۔ حضور اکرمؐ کا نظام حکومت ہے۔ آپؐ کی زندگی میں ایسا دور آیا جب آپؐ نے محسوس کیا کہ جو کچھ آپؐ نے انسانی کردار کو تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اس کے دفاع کے لئے ایک ریاست اور اس کا نظام ہونا چاہیئے۔ اس کے

نتیجہ میں مدینے میں حضور اکرمؐ نے معاشرتی طبقات میں ہمواری پیدا کی۔ آپ نے بادشاہت شہنشاہیت اور آمریت کو بھی ختم کر دیا۔ ریاستی امور اور حکومتی معاملات کو طے کرنے کے لئے مشاورت کا اصول دیا اور سیاست میں ذاتی اور اجتماعی اخلاق کو اپنے عمل کی صورت میں بنیاد بنایا۔ آپ نے قانون کی حکمرانی اور بالادستی قائم کی اور یہاں تک فرما دیا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کی مرتکب ہوئی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جیسا کہ بعد میں خطبہ حجتہ الوداع میں اہل قریش کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ آپ روزِ قیامت ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور صرف ان کے اعمال ان کے کام آئیں گے۔ اس سے یہ اصول بھی واضح ہو گیا کہ آپؐ کی رشتہ داری یا برادری کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اہمیت انسان کے اپنے کردار اور اعمال سے ہے۔

آپؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہ بنا کر نظام حکومت کا یہ اصول طے کر دیا کہ امت جس کو چاہے تقوے کی بنیاد پر سربراہ مملکت بنا سکتی ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے ایسی ریاستی حکمت عملی جمہوری ہے جس کو اپنا کر کوئی بھی قوم ترقی کی راہ میں دنیا کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ آج جن اقوام نے ریاستی حکمت عملی کے ان اصولوں کو اپنایا ہے وہی ترقی یافتہ کہلاتی ہیں۔ ہم ان میں لاکھ خرابیاں نکالیں کہ ان کی زندگی مشینی ہے۔ ذہنی سکون نہیں ہے۔ ان کی عورتیں بے پردہ ہیں اور شعائر اسلامی کی پابند نہیں لیکن اس بات کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ آج وہی اقوام سیاست، تجارت اور معاملات میں جس کردار کی حامل ہیں اور جو مثالیں پیش کرتی ہیں وہ کم از کم پچھلی چند صدیوں سے اسلامی تاریخ نہیں پیش کر سکی۔

مسلمان سکالروں اور ادیبوں نے جس قدر حضور اکرمؐ کی تعریف اور توصیف میں لکھا اور کہا ہے اگر اس کا عشر عشیر بھی آپ کے کردار (خلق عظیم) کو اس طرح پیش کرتے پر توجہ دیتے کہ پڑھنے اور سننے والے کا کردار تبدیل ہو تو صدیوں سے خاص طور پر آج ہم سیاست، تجارت اور لین دین میں جس اخلاق کے فقدان کا مظاہرہ کر رہے ہیں نہ کرتے اور جس کے نتیجہ میں امتہ اسلامیہ کو جو نقصان پہنچا ہے اور رسوائی ہو رہی ہے نہ ہوتی۔

عصرِ حاضر کا سب سے بڑا تقاضا ہے کہ ایسا واضح لائحہ عمل مرتب کیا جائے جس کے نتیجہ میں امت اسلامیہ کا ہر فرد بچپن سے لے کر پیری تک سیاست، معاشرت، تجارت اور معاملات میں خلق عظیم کا نمونہ پیش کر سکے اس تبدیلی سے ایک زبردست انقلاب پیدا ہوگا۔ جس کی بنیاد رسالت مآب نے اپنے کردار سے رکھی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرتؐ بحیثیت مظہر تکمیل نبوّت و رسالت

* عنایت اللہ

کہنے کو ہم اکثر یہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو اپنی روزمرہ زندگی سیرت محترم سے کسب فیض کرتے ہیں۔ یقیناً آپؐ کا احترام ہمارے دلوں میں ہے۔ مگر اپنی عام زندگی میں کتنے ہیں جو آپؐ کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں اس بابرکت ذات سے ہمیں اپنا رشتہ استوار کرنا ہے تو پھر یہ لازم ہے کہ آپؐ کی شخصیت کے ہر پہلو سے ہم آگاہی حاصل کریں اور اپنی زندگیوں کے نشیب و فراز میں آپؐ کے ارشادات اور عمل کو جانتے ہوئے اپنی سمت صحیح رکھیں اور سیدھے راستہ پر گامزن ہونے کی سعی کریں۔

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپؐ کی پیغمبرانہ حیثیت کو مانتے ہوئے آپؐ کی انسانی اور بشری زندگی اور تجربات کو نگاہ میں رکھے ہوئے تو ان کا تجزیہ کرے اور دیکھے کہ کس طرح آپؐ نے مختلف حالات میں اپنے آپؐ کو صراط مستقیم پر گامزن رکھا۔ انسانی تاریخ میں کون بشر ایسا ہے جس نے اپنے فرائض کو اتنی خوبی سے نبھایا ہو، جس سے جو کہا ہو کر دکھایا ہو۔ جس نے انتہائی کامیابی سے مخلوق خدا کو سیدھی راہ پہ لگایا ہو۔ اور اس طرح خدا کا پیغام اور احکام لوگوں کے ذہن نشین کئے ہوں کہ جاہل اور ظالم عالم اور عادل بن کر دوسروں کے لئے نمونہ ہو جائیں۔

---

* چیئرمین، کمیشن برائے خواندگی و تعلیم عامہ، حکومت پاکستان

یہ صحیح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور تائید حاصل تھی مگر اس تائید وہدایت کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کس طرح ایک انسان مشکل اور صبر آزما ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوا۔ کس طرح اس نے مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کامیابیوں میں علم اور عفو کا مظاہرہ کرکے دشمنوں کو سب کی ذلت سے بچایا اور اُن کے دل جیت لیئے۔

آپؐ نہ صرف قرآن کے نزول کا ذریعہ بنے اور ۲۳ برس تک آپؐ نے اللہ کا پیغام من وعن دوسروں تک پہنچایا اسے خود سمجھا اور دوسروں کو سمجھایا اسے اپنی ذات اور اپنے معاشرے میں جاری وساری کیا بلکہ یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ یہ پیغام یہ احکام یہ اصول قابل عمل ہیں اور کس طرح مشکلوں اور مصیبتوں کے باوجود ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کامیابیاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ آپؐ کی زندگی پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم یوں ہوتا ہے کہ ایک مثالی کردار ہمارے سامنے ہے جو اصولوں اور احکامات کی روشنی میں ہر مرحلے اور مشکل سے بخوبی گزر رہا ہے۔ گھر کے معاملات ہوں یا باہر کا کاروبار مسجد کا اجتماع ہو یا میدان کارزار غریبوں یا ناداروں کی فلاح وبہبود کا مسئلہ ایک ایسی شخصیت اُبھر کر سامنے آتی ہے جو شفیق بھی ہے اور کامیاب بھی۔

آپؐ کی زندگی کے مکی دور پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تنہا شخص اپنے قول وفعل سے سب کو کس طرح متاثر کرتا چلا جاتا ہے۔ جن باتوں پر اسے یقین ہے کس طرح اوروں تک پہنچاتا ہے اور ایسا کرنے میں اگر دوسرے ناخوش ہیں کہ اس کی باتوں سے ان کے مقام ومرتبہ پر حرف آتا ہے تو بڑی خوش اسلوبی سے وہ اپنے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے ثابت قدم اور مطمئن دن رات گزارتے چلا جاتا ہے۔ دھمکیاں ایذا اور تضحیک وتحریص سے بے نیاز وہ حقیقت سے دوسروں کو روشناس کراتا ہے اور عزم واستقلال ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اس کا ایمان ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے صحیح ہے اور مناسب ہے کہ اور بھی اسے قبول کریں تاکہ ان کی زندگیوں اور معاشرے میں اصلاح وفلاح کا دور دورہ ہو اور اس کٹھن اور مشکل کام کے لئے وہ ترغیب وتحریص کو رد کرتے ہوئے اپنے لئے کوئی اجرت نہیں مانگتا کوئی صلہ نہیں چاہتا اس کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے اور دشمن تک اس کے حسن اخلاق کے قائل ہیں۔

جو اصول وہ پیش کرتا ہے اس سے بڑے بڑے لوگوں کی بڑائی معتبری اور اجارہ داری پر ضرب پڑتی ہے اس لئے وہ اسے ناپسند کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ یہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ہر

* [illegible]

ممکن ایذا دی جائے اور یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ وہ خندہ پیشانی سے حالات کا مقابلہ کرتا ہے اور حکمت و تدبیر سے اپنا راستہ تراشتا ہے۔

ہجرت کے بعد اگر آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے شب و روز کا مطالعہ کریں تو ایک نہایت فعال اور متحرک شخصیت سامنے آتی ہے۔ قریبی قبیلوں اور علاقوں سے رابطہ پیدا کیا جا رہا ہے، سرایا اور غزوات کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ انصار اور یہودیوں سے باہمی زندگی گزارنے کے خطوط متعین کئے جا رہے ہیں یہ دن بڑے سخت ہیں بے سر و سامانی کا عالم ہے نئی جگہ آباد ہونے میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں وہ بھی حل کئے جا رہے ہیں اور اس شبانہ روز تگ و دو میں اللہ سے رشتہ بھی استوار ہے۔ عبادت کا عمل جاری ہے اپنے گھر کے ساتھ ساتھ کھلی جگہ پر تعلیم و تدریس کا انتظام ہے۔ غرضیکہ مختلف نوع کے کام ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ نوبت جنگ کی آجاتی ہے۔ ایک معرکہ ہوتا ہے پھر دوسرا، پھر تیسرا، کامیابیاں قدم چومتی ہیں، ناکامیاں سر پر منڈلاتی ہیں، دوست اور عزیز و اقارب شہید ہو جاتے ہیں یا قضائے الٰہی سے فوت ہو جاتے ہیں، مگر رسول کی شخصیت ہے کہ ایک متوازن انداز سے صبر و استقامت کا مجسمہ بھی ہے اور حرکت و شجاعت کا مظہر بھی تکمیل نبوت بھی ہو رہی ہے اور بشری معراج کا سامان بھی ہو رہا ہے۔

۱۱ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ حُبِّ رسول کو ہم محض عقیدے اور درود و سلام تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیاب زندگی کا راز دروں یعنی وحدتِ فکر و عمل اپنے دلوں اور زندگیوں میں اتارنے کی کوشش کریں اگر ہم کہیں کچھ اور کریں کچھ اور اگر ہم قرآن حکیم کو محض تلاوت، وعظ یا مذاکروں تک ہی استعمال میں لائیں اور روز مرہ زندگی میں ہمارے اعمال اسی قرآن کی تعلیمات سے مختلف یا منافی ہوں تو ظاہر ہے کہ ہم اپنے رسول سے وفا تو نہیں کر رہے بلکہ ان کے پیغام اور ان کی سیرت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

آج پاکستان میں انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر ہمیں منافقت کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ ہمارے دکاندار کم تولتے ہیں یا ملاوٹ کرتے ہیں۔ ہمارے کئی ایک سرکاری محافظ لوگوں کو تنگ کرتے ہیں اور ناجائز پیسے وصول کرتے ہیں۔ بہت سے افسر دلجمعی سے کام نہیں کرتے، سفارش یا رشوت لیتے ہیں، اگر سیاستدان صرف اقتدار ہی کا بھوکا ہو اور لوگوں کی خدمت اور فلاح و بہبود کے کام نہ کرتا ہو مولوی یا خطیب مسجد تک ہی اپنے فکر کا پرچار کرتا رہے اور عملی زندگی میں اللہ کے دیئے ہوئے اصول اور احکام کو نظر انداز کر دے۔ اگر بحیثیت مسلمان ہم غلط کام کرتے ہوئے دیکھتے رہیں اور انہیں روکنے کے لئے کچھ نہ کریں اور اپنی کمزوریوں، خود غرضیوں اور

خامیوں کے باوجود یہ سمجھتے رہیں کہ ہم بحیثیت مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار ہیں تو یہ محض ایک غلط فہمی ہے اور اگر ہم واقعی دل سے رسول اکرم کو اپنا آقا اور رہنما مانتے ہیں تو پھر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے ہمیں اُن کی ذاتِ ممتاز کا ہر پہلو اور ان کی زندگی کے مختلف ادوار میں ان کا فکر اور انداز اور عمل پیشِ نظر رکھنا ہوگا تاکہ ہم بحیثیت مسلمان کامیابی سے زندگی گزار سکیں اور ایک ایسا معاشرہ پیدا کر سکیں جس میں قرآنی اقدار اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی بھرپور عکاسی ہوتی ہو۔ اس کے لئے ایمان چاہیئے اور حوصلہ اور محنت اور قربانی یہ کام محض تلاوت وحمد ونعت و وعظ سے ممکن نہیں۔

رسولِ مقبولؐ نے تو اپنا کام بحسن وخوبی کر دکھایا۔ پیغمبری میں بھی کمال اور اعمال و کردار میں بھی مثال۔ وہ خاتم النبیین بھی ہوئے اور آنے والی دنیا کے لئے پیش رو اور پیشوا بھی، جن کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر ہر قدم انسان کی وقعت وعظمت اور فلاح کے لئے وقف تھا۔

انہوں نے اپنے عمل میں حق کی شہادت دی۔

اور ہم آج اپنے قول وفعل سے کس بات کی شہادت دے رہے ہیں؟

an ideal Prophet reformer, administrator, Judge, and military Commander, peace-maker, teacher, business man, husband, friend and sympathiser of the poor and distressed person and ideal in all other aspects of life.

Thus it was the perfect life and Personality of Prophet Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم and perfect Teachings of the religion of Islam presented through him that Allah, inspite of all adversities, made him successful in his mission in the shortest duration of 23 years of his Prophet-hood. Holy Quran Says:

« هو الذی ارسل رسولہ بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون (سورة توبه : 33)

"It is He who has sent His messenger with the guidance and the true faith, that He may cause if to be on the top of all faiths, though the pagans dislike it." (9:33)

The above mentioned details of the conversion of a great Christian Scholar and priest and also of the conversion of many other priests and bishops and experts of other religions, the detailed account of whose have been given in Arnold's said book, reveal the authenticity of the University of the Prophethood of Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم But due to the prejudicism, Jealousy and wordly gains the scholars and experts of the various religions kept this fact hidden from the common people.

No Need of Coming any Prophet after Hazrat Muhammad

Rationally speaking, this modern age is the age of evolution and inventions and man has made tremendous progress in the field of Science and Technology, and in his way of living he prefers changes from old to new things — in case of his food, dress, shelter, modes of conveyance etc. As such common sense suggests that these should have been still the evolution and innovation in the institution of Prophethood and the appearance of the series of Prophets should have continued with the Progress of time and age. But this hypothesis is baseless and imaginary.

In fact it is the progress of material objects but the values of life are divided. In spite of the enormous comforts of life man has lost his peace of mind. Every class of people is afraid of other class of people. Similarly one nation and country is afraid of other nation and country. Chaos appears throughout the world. The spiritual and moral life of man seems to be even worst of life at the advent of Holy Prophet Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم Man has downgraded himself even to the extent of beasts. The remedy lies in the recognition of Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم as the world Prophet and in following his teachings in every walk of life. Because Allah Himself has declared that the Prophet Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم has been sent as a model for every man of every profession in the world, and with the last revelection Allah Proclaimed about the perfection the religion Islam. The practical life of Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم followed in true sense by millions of his companions and Muslim Divines, scattered throughout the world is perfect and an ideal in all respects. It has been proved by not only the Muslim but even non-muslim scholars that he was

to embrace Islam. Again on the enquiry of this student as to what hindered him from embracing Islam, he replied: "My son, God has revealed to me the truth of what I have just told you with regard to the superiority of the religion of Islam and the greatness of the Prophet of Islam, only in my old age. Now I am burdened with years and my body is weak. I do not mean this can serve as an excuse; On the contrary, the argument of God is strong against me. If God had guided me to this path when I was your age, I would have given up everything and embraced the true religion. But love of the world is the source of all sin. You know what a high Position I hold among Christians and the respect and consideration they show me. Now, if they were once to perceive how things really stoved and my tendency towards Islam, they would all unite to slay me atonce. But let us suppose that I suceeded in escaping them and in making my way safely to the Muslims, this is what would happen; I should say to them, "I have come to live among you, as a Muslim," and they would answer: "In entering into the true faith you have done good to yourself but you have conferred no benefit on us. For by entering into the religion of Islam you have escaped the chastisement of God." Then I should remain among them, an old man of seventy years, poor, ignorant of their language and doomed to die of hunger, while they would know nothing of the high position I had held. Well, thanks be to God, I have remained faithful to the religion of Jusus and the revelation he brought, God be my witness."

Thereafter, on the advice of his Professor, this student left for Muslim Countries and reached Tunis. There first he remained with Christians and with his knowledge and piety he left good impressions upon the Christians. At last he reached in the court of Sultan Abdul Abbas Ahmad and professed Islam in the presence of the Christian army and the merchants. In the words of the Sultan he embraced Islam in the same manner [redacted] Abdullah Ibn Slam had accepted Islam at the hands of Holy Prophet صلى الله عليه وسلم T.N. Anrold: The Preaching of Islam; Lahore 1965, pp: 454—459.

in the famous University of Bologna, which was at that time at the zenith of its fame and popularity. There he lived in the house of an aged priest who was highly respected and occupied a very high position in Bologna on account of his learning, piety and his ascetic life, in respect of which he was the surpassed by any of the christians of his time. Difficult points of theology were continually submitted to him for solution from all parts by kings and others. His name was Nicolas Martil. By his hard work, devotion and service for ten years, the student became favourite of this priest. One day this priest fell ill and was unable to go to Lecture hall, and in his absence, there was discussion among the students upon the words that God spoke by the mouth of His Prophet, Jesus: "There shall come after me Prophet whose name is the "Paraclete". There was heated discussion about the name of the Paraclete without any solution, when this student informed his Professor Martil what happend in his absence, he replied: "No one of you has arrived at the true meaning of word Paraclete and no one can rightly interpret this illustrious name except those who are deeply versed in knowledge and so far, none of you have made such progress in knowledge." On the repeated appeals and entreaties from this very dear and favourite student, the old Professor began to weep and said: "My son, of a surety you are very dear to me, for your devotion and for (the services you have rendered me. Assuredly, there is great advantage to be gained from the knowledge of this illustrious name, but I fear that if I reveal it to you, the Christians will at once put you to death..... My son when you first came to me, I asked you for information about your native land, for I wished to know whether it was near to the Muslim country, whether your fellow country-men went to war with them or they with you. In fact I wanted to find out what hatred you felt towards Islam. Then know my son, that the Paraclete is one of the names of the Prophet of the Muslims, Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم to whom has been revealed the fourth book of which the Prophet Daniel speaks when he announces that this would be revealed to him. Of a surety, his religion is the true religion and his doctrine is the glorious doctrine of which the gospel speaks." Thereafter he advised him

Holy Quran also mentions the fact the Torah and the Injil (the Bible) contain prophecies about Hazrat Muhammad · صلی اللہ علیہ وسلم

الذين يتبعون الرسول النبي الا مى الذى يجدونه مكتو با عند هم فى التوراة و الا نجيل

Those who follow the Apostle the unlettered Prophet – whom they find written down in the Torah and the Injil (Gospel) (7:157)

In fact, even in the scriptures for the coming Prophet (Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم the word Paraclete has been used, and this word is a translation from a Hebrew word meaning the spirit of Truth or one who distinguishes between truth and falsehood. This actually means to the coming of Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم after Jesus the Christ and his Prophethood will also be for the people of Book (Jews and Christains).[1]

In Holy Quran also, repeatedly the people of the Book and the mankind have been directly invited to accept the true faith—the religion Islam. For them the words الناس ' بنى اسرائيل ' اهل الكتاب have been used.

Sir Thomas Arnold, in his famous book Preaching of Islam has narrated in details one of the most remarkable and circumstantial account of the conversion of a christian scholar and priest to Islam, when he learnt from his teacher that Paraclete i.e. فارقليط meant the Prophet of Islam. Since this story is very strange one, I am reproducing below some of its details :

"The convert (new Muslim) named Abdullah ibn Abdullah was born in Majorca (an island near Spain) destined for the priesthood from his childhood. At the age of six years, he learned gospel by heart. He devoted his full time for the study of Theology first in the University of Lerida in Catalonia and then

"O ye people of the Book! Surely our messenger has come to clarify for you, after a pause of messengers, lest you say, there came not to us a bringer of glad tidings and a warner, Now, indeed, there has come to you a bringer of glad tidings and a warner." (5:19)

Prophecies about the advent of
Hazrat Muhammad صلى الله عليه وسلم

Before the advent of Hazrat Muhammad صلى الله عليه وسلم all other Prophets were national Prophets and almost all these national Prophets prophesied about the advent of Hazrat Muhammad to be the world Prophet. This is also attested by Holy Quran as will be seen from the following Quranic verse :

واذ قال عيسى ابن مريم يبنى إسرآئيل إنى رسول الله اليكم مصد قالما بين
يدى من التوراة و مبشراً برسول ياتى من بعدى اسمه احمد فلما جاء هم
بالبينٰت قالو هٰذ اسحر مبين

"And when Jesus, son of Mary, Said: Surely I am the Apostle of Allah to you, verifying that which is before one of the Torah and giving the good news of an Apostle who will come after me, his name being Ahmad (praised one), but when he came to them with clear arguments, they said: 'This is enchantment." (61:6)

Since there was no Prophet between Jesus (Hazrat Isa A.S.) and Hazrat Muhammad صلى الله عليه وسلم hence this Quranic verse predicts for the latter to be the world Prophet.

Holy Quran also mentions about the prayer of Hazrat Ibrahim (A.S.) for raising among his off-spring a Muslim of action and an Apostle who should teach them the Book and wisdom and purify them (2:128-129).

Prophethood of Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم
For whole Mankind and for all time

Holy Quran, which is the last revealed Book, complete and perfect in all respects, guaranteed its anthenticity and Protection from the side of Almighty Allah Speaks at various Places that Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم has been sent as a Prophet not only for the people of Arabia, but he has been sent for the whole mankind and for all the times to come, as will be seen from the following Quranic verses :—

(1) وما ارسلنٰک الا رحمة للعٰلمین

"And we have not sent thee (O, Muhammad!) save as a mercy for the worlds" (21:107).

(2) وما ارسلنٰک الا کافة للناس بشیراً و نذیراً و لٰکن اکثر الناس لا یعلمون

"And we have not sent thee but towards all mankind as a bringer of glad tidings and as a warner, but most men know not." (34:28)

In both these verses the verses quoted below; the same words العالمین and الناس are used for Hazrat Muhammad (S.A.S.) as are for Allah Himself viz. رب العالمین ؛ رب الناس

(3) قل یآ ایها الناس إنی رسول الله الیکم جمیعا
Say: "Oye mankind, ! Surely I am the messenger of God towards you all" (7:158)

(4) تبٰرک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرا

'Blessed is He who has gradually sent down this discrimination (in. Quran) upon His servant, (i.e. Hazrat Muhammad
that he may be a warner to the people of the world" (25:1)

وماهو الا ذکر للعٰلمین

"And it (the Quran) is nothing but a reminder for the people of the world." (68:52)

(6) یاهل الکتٰب قدجاء کم رسولنا یبین لکم علی فتره من الرسل ان تقولوا ماجآء نا من بشیر و لانذیر فقد جآء کم بشیر و نذیر

the same was continued and ended upon the Prophet of Islam Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم . Allah raised a large number of Aposthles and Prophets, who appeared from time to time in every part of the world. But all excepting in the last Prophet Hazrat Muhammad were meant for respective nations, tribes countries and regions.

انا ارسلنک بالحق بشیراً و نذیراً ؕ وان من آمة الا خلافیها نذیر

"Surely we have sent thee with the truth as a bringer of glad tidings and as a warner. And every community has had its warner." (35:24).

Even at one time there were many Prophets at different places for different nations, for instance, the angles sent for the punishment of the people of Hazrat Lot علیہ السلام first remained guests of Hazrat Ibrahim علیہ السلام They said to Hazrat Ibrahim "Be not afraid, surely. We have been sent to the people of Lot" (11:70). Holy Quran says:

قالو الا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط

In Surah Yasin, there is a mention of sending two Rusuls (Messengers) to the people of same place, who were later on supported by third one.

Appearance of Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم

But when Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم appeared, there was no Prophet surviving. On the contrary, there was hardly any person in the world practising the teachings of the earlier Prophets in true sense. Even the followers of the great Prophet. Jesus the christ, who had preceeded Hazrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم had ignored the teachings of his Prophet and had even introduced changes and modifications in the Holy scriptures. The darkness and the vicious life prevailed throughout the world. The Holy Quran attests this fact in the following verse

«ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذ یقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون» (30:41)

"Evil has appeared on land and sea for what the hands of mankind have earned; That He (Allah) may cause them to taste some of what they have done in order that they may return".

UNIVERSALITY OF THE PROPHETHOOD OF HAZRAT MUHAMMAD صلی اللہ علیہ وسلم

Dr. Muhammad Hajjan Sheikh*

Position of Man in the Universe

Almighty Allah has created this Universe and man as the main agent and the motivating force in the Universe. Everything of the Universe One day will presh, but man has to last for ever. He has to only migrate from one stage or place to another, till he reaches his original place i.e. paradise, wherefrom he had been driven out for committing only one act of disobedience, or its opposite i.e. Hell, which would be the result of his continuous disbelief and disobedience of the commandments of his creator in Allah in this transitory life. Allah has declared in His Holy Book, the Quran:

الذی خلق الموت والحیلواۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً 0

"He who made life and death in order to discipline you 'which of you is the best in deeds? (67:2)

A Muslim in his fivetimes daily prayers in its each Rakaat has to recite surch 'al-Fatihah' which ends with the prayer for Divine Guidance :

«اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین . . . . . . الضالین »

"(O, Allah!) Guide us on the Right Path, The Path of those upon whom be they blessings, Not of those upon whom be (They) wrath, Nor of those who are led astray"

Institution of Prophethood

Thus for the Devine guidance of mankind, the creator introduced the institution of Prophethood from the very time of Hazrat Adam, and

Principal, Govt. College, Hyderabad.

In conclusion, here is my apology for a poem :—

"Doubt thou the Sun rises in the East
And the romantic Moon shines at night;
Doubt though the stars relay a glittering feast
In heavens above, of twinkling light.
Doubt thou the earth revolves and rotates,
And the seasons around blow hot and cold;
Doubt thou the Momin prays and prostrates
Before Almighty Allah for favours untold.
Doubt thou the precious time is running fast
Without any halt, or pause or rest;
But never doubt Mohammad (Peace be upon him) is the last
And of all the Prophets very best.
Popular among his enemies as Al-Amin,
And for the worlds atlarge 'Ramatul-lil-Aalmin,'
A live commentry on Quran, a fountainhead of good,
And sterling embodiment of the end of Prophethood."

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

He predicted :—

> "The Hour of Doom will not come until about thirty imposters and liars have arisen: all of them will claim to be Messengers of Allah" (Bokhari, Muslim).

And finally there is the verdict of the Holy Quran :—

> "And who can be more wicked than one who forges a lie against Allah or says :— 'This has been revealed to me', when nothing has (ever) been revealed to him". (Al-Quran-VI:93).

No wonder the companious and the followers of Muhammad, peace be upon him stricIty adhered to the irrevocable belief in the finality of Prophethood, and have unanimously decalred all imposters as kafirs, irrespective of their manipulations and interpretations. Indeed every such effort was a gigantic fraud against which the Muslim Ummah was duly warned. If such incredible interpretations were not rejected outright, they would undermine the very foundations of the Islamic edifice, and the fundamental doctrines of this glorious religion could not remain intact and unadulterated.

With the advent of the Holy Prophet, peace be upon him, the Islamic code of conduct was completed leaving no room whatsoever for any additions and alterations. The Divine Dispensation of the life called Islam was perfected. Muhammad (peace be upon him) was the very ideal, very peak and pinnacle of glory, the ultimate climax. He practised what he preached. In words thoughts and deeds, he was a perfect example of the Islamic way of life, without any fault or failure. In character and conduct, in virtue and piety he was indeed the last word, human yet divine, an inspiring example for the Ummah to emulate. Each one of his companions was thrilled with the joy of holy companionship and was inspired to sacrifice his all voluntarily in the cause of Islam. Hazrat Abu Bakr Siddique, the first Khalifa of Islam, one of the closest associates of the Prophet, thus expressed his admiration of him :—

پروانے کو چراغ اور بلبل کو پھول بس   صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

deeds over fresh and fragrant, Al-Quran confirms agains :— "Muhammad, peace be upon him, is not father of any of you men, but he is a Prophet of God and the last of all Prophets". What greater proof is needed for the manifestation of finality of prophethood?

And finally, for laying the utmost emphasis on this eternal truth, the Holy Quran poses one and the same question over and over again to those gone astray, to those incorrigibles who pretended to be deaf dumb and blind :— "And now what are you waiting for"? That is there was nothing or none to wait for after Muhammad, peace be upon him, and no more source of any inspiration and guidance. To put it in popular terminology, it is indeed a billion-dollar question which should enlighten & convince any one with even an iota of intelligence and seal all doubts about Finality of Prophethood.

Every since its creation, the world has always been a battle ground for good and evil, truth and falsehood. The human nature being what it is, and the human beings, being what they are, there has never been a dearth of imposters through out history. There have been many Namroods and Pharoahs who had the cheek to claim themselves to be God Almighty. And there have been many who have claimed to be the prophets of God. Musailama, Tulaiha, Harith and many others are well known examples. Posing as true muslims they contrived ingenious arguments to misguide the masses through cunning interpretations, distorting even the very obvious. Some justified the coming of minor prophets and apostles. Sajah made the fantastic claim that the door of Prophethood was closed for men only and that women could still be Prophets. In recent history Mirza Ghulam Ahmed of Quadian advanced incredible interpretation by splitting prophethood into legislative and non-legislative. It is as absurd as saying that there could be no major God except Allah but some minor gods could still exist. Praise be to Allah all these imposters together with their followers met the same fate and were excommunicated from the fold of Islam.

The Holy Prophet (peace be upon him) had cautioned the Ummah against such frauds. Forwarned is formarmed. He prophesied :—

> "Verily thrity liars will be born in my Ummah; every one of them will claim to be a prophet, though I am the last of the Prophets, and there will be no Prophet after me." (Sahih Muslim).

inspiration that could be a source of law in Islam. Scores of Quranic verses and hundreds of sayings of the Prophet Muhammad, (Peace be upon him), can be quoted in support of this belief which is an Irrevocable article of faith in Islam. The whole Muslim Ummah the world over has cherished this belief faithfully for the last fourteen years, and shall Inshaallah stick to it till eternity.

All Prophets who preceeded Muhammad, peace be upon him, were commissioned only for their times and their respective regions, and only for those partiular tribes and communities amidst which they lived. They preached and endeavoured only for their salvation, leaving a large chunk of humanity without guidance. Prophet Issa, peace be upon him, had himself declared that he was a shephard of Israel sheep only. Muhammad, peace be upon him, on the other hand, was a divine blessing and complete guidance for the whole of human race all over the world and for all times to come. His message is universal valid till eternity and complete in all respect admitting of no change or amendment, addition or alteration whatsoever. With him Prophethood achieved its full measure of maturity and bloom in every respect. He was, as it were, the very ocean in which the waters of various streams, rivers rivulets and reservoirs sought ultimate rest and relief and found their consummation.

All Prophets were very dear to Allah but Muhammad was the dearest enjoying priority & precedence over all others including Prophet Ibrahim, peace be upon him. What a unique expression of eternal love by Allah — only the name of Muhammad, peace be upon him, is associated with His in Kalima and Azan so often repeated and heard daily with reverence by all Muslims the world over. If Prophet Ibrahim, peace be upon him, was blessed with Prophethood down to three generations of his, Ishaque (Issak), Yaqoob (Jacob) and Yusuf (Joseph), peace be upon them all, all being Prophets, Muhammad, peace be upon him, by obvious and natural reasoning would have enjoyed greater privilege by being blessed with Prophethood for many generations more if not till eternity. But by the Wisdom of Allah, All-knowing and All-Powerful, none of his sons survived to ensure the end of Prophethood and bestow upon Muhammad, peace be upon him, the unique honour and signal distinction of being the final and last of the Prophets, keeping his words and

Every Prophet was great and conspicuous for one or the other attribute or distinction, but Muhammad (Peace be upon him) was great on all counts, communicating comprehesively and effectively the total and final divine message in all its perfection. If man was the best of all creation, Muhammad peace be upon him, was the best of all men, human yet Godly — indeed a Divine darling, superb in every from and fashion. A Prince of all Prophets, how can any surpass him as a man and as a Prophet? If no painter sculptor or artist would tolerate any flaw or failure, how could the Divine Archetect in the making of the best of mankind? And how can any man surpass or follow him as a Prophet, he being the last and final word of Almighty Himself? The very idea is idiotic and ridiculous, and the very thought unrealistic and abnoxious. This then is the basis of our faith in the absolute and unqualified finality of Prophet Muhammad, peace be upon him, confirmed by the Prophet himself. While giving to the world the first Charater of Human Rights in his Jumat-tul-Wida address at Arafat, fourteen centuries ago, he declared among other things :—

> "O people listen carefully to my words, for I may not be with you next year nor ever address you from this pulpit. . . . I am the last Prophet and no Prophet will come after me. . . ."

And again there is the unquestionable and unambiguous Divine Declaration :—

> "This day have I perfected for you your religion and completed my favour on you and chosen for you Islam as a religion."(V.3)

The verse is a clear testimony to the perfection of religion in Islam, no such claim being made by any other book or religion. Thus religion having been completed, no Prophet was needed after Muhammad (Peace be upon him) who was the last Prophet. Praise be to Allah, Lord of the worlds, and peace be upon His Messenger, the last of the Prophets, who is indeed a sterling embodiment and a full manifestation of the fanality of prophethood.

In addition to the two basis tenets of Islam, Oneness of Allah and belief in the Hereafter, the other fundamental doctrine of Islam is the "Finality of Prophethood", signifying the end of revelation and

mercy for mankind, [redacted] Ramat-ul-lil-Almeen, a blessing to the worlds, popular even among his enemies as 'Al-Amin' — the trustworthy. Through him, Allah in His begin beneficence, blessed mankind with the Holy Quran — a final and complete code of conduct for the human race, valid till eternity. This indeed was the completion and full consummation of the Divine message beginning with Adam, peace be upon him. It demanded worship of and obedience to one and the only God thus ushering in an [redacted] of Islamic way of life based on peace, justice, equality, and universal brotherhood. Islam is [redacted] multi-facet splendour — a majestic fountainhead of all virtues. There is no good which is not Islamic, and there is no evil which is not un-Islamic.

Although unlettered, Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم was the most educated, drawing his inspiration and knowledge from the Creator Himself. Endowed with [redacted] rich and multi-dimentional personality, there was hardly a role he did not play, and he played no role which he did not play gloriously. A wizard of versatility, he set a personal example of perfection in every human field. In fact, there was nothing he did not touch and he touched nothing that he did not adorn. As an orphan, he was more of an asset than a liability; [redacted] youth very reliable and enterprising; and as a man, custodian of all human virtue. Again as a general, he was courageous and far-sighted, commanding confidence, obedience and respect; as a conqueror, humable and magnanimous in victory, forgiving the very enemies who had made his life miserable and sought his blood. As [redacted] judge, he was ruthlessly impartial administering a stern warning even to his own dear daughter. He was [redacted] one man court, always in session, always open to all who sought redress. In this court, all were equal irrespective of rank caste colour and creed. He lived as simply and austerily in the days of his greatest glory as in the days of worst adversity. But his bounty was boundl[redacted] as the sea, giving always away all he had to the poor and needy.

A paragon of peace and piety, and a perfect example of all human virtues, he was, as it were, all Prophets rolled into one.

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاداری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

first Disobdience', since explusion of Adam and Eve from the Garden of Eden. The conflict between their two sons, Qabeel (Cain) and Habeel (Abel), culminating in the first murder on earth, as if lit the spark and highlighted the need of Divine Guidance for the human race. Thus a long line of prophets followed at various intervals for communicating the Message of God to mankind for Its wellbeing. "We verily sent our messengers with clear proofs, and revealed with them the Scripture and the Balance, that mankind may observe the right measure. Allah knows him who helps Him & His messengers, though unseen." Al Quran (57:25).

Prophet Moosa (Moses) peace be upon him, received the Torat (Torah) the first written law of God, generally knwon as the Ten Commandments. According to the Quran, it was mercy and guidance for those who feared their Lord. Prophet Issa (Jesus) peace be upon him, the last of the Bani Israel prophets, was blessed with the heavenly book Injeel (Gospel). His teachings were recorded from time to time and the Bible was compiled and recompiled in different editions.

Prophet Jesus, peace be upon him, had proclaimed thus :—

"O children of Israel I am the apostle of God (sent) to you, confirming the law (which came) before me, and giving you glad tidings of an Apostle to come after me, whose name shall be Ahmad". (61:16).

Earlier, while building the holy Ka'aba, Prophet Ibrahim

(Abraham) peace be upon him, had thus beseeched God :—

"Our Lord send amongst them an Apostle of their own who shall rehearse Your Signs to them and instruct them in Scripture and Wisdom and sanctify them: For you are the Exalted in Might, the Wise" (2:129).

The prayer of Ibrahim, peace be upon him, was granted and his wish was fulfilled. The good news given by Jesus, peace be upon him, was substantiated. God, in His benign mercy, sent Prophet Muhammad, peace be upon him, to grace and glorify the earth and to guide mankind on to the path of truth, righteousness and peace. He came at last as

MUHAMMAD AS THE MANIFESTATION OF THE FINALITY OF PROPHETHOOD

Prof. B.K. Shaikh

The universe is a unique creation of divine dexterity. It all came into being instantneously just on one word command. The sun, the moon, the stars and our earth, comprising the galaxy and many others yet unknown to man, were created. Their complexion, character and courses, with their respective oribits, were set with divine precision. Who would not feel bewildered and spellbound at the mysteries and marvellousness of His art?

What a variety of plants and flowers — ariot of tastes, colour and fragrance, all sprouting up from a filthy mixture of earth manure and water. It is indeed a grand conglomeration of throbbing and pulsating life, infinite creatures, big and small, with man as the prince of this glorious panorama. Born of a clot of blood, man himself is a wonderful piece of work. He is a masterpice of mechanism and engineering skill, physically perfect in every detail. He is blessed with conscience, a builtin device to distinguish between good and evil, between right and wrong. Endowed with a miracle mind, his "thoughts can wander through eternity" and his "mind can make heaven of hell and hell of heaven". The sub-conscious part of it is a world in itself — a vast reservoir of power more potent and effective than anything yet discovered. If hernessed properly, it can be a wonderull remedy for many ills.

It would be ridiculous to believe that the Divine Being, so meticulous in the making of man and his surroundings, be so oblivious as not to prescribe for him a code of conduct, a way of life, to fulfill His mission on earth. Indeed He has done it right from the day of 'Man's

Retired Director of Education, Sind.

and above all the constant labour, of (in the words of the Quran)

> "an Apostle among you, heavily weighs upon him what hurts you, full of concern for you, full of compassion and mercy towards believers".
>
> (Q 9.128)

The Prophet was ■ person with immense understanding and sympathy. He gave each companion qualitatively ■ type of understanding which can only be the result of ■ sensitivity which reaches the innermost care of each soul that it encounters. It encampases the whole world of man and yet has place for more. It rejects nothing but evil. It accepts the rest of the world but on its own terms. The Prophet declared in the words of Quran

> "Say, who has made unlawful (unto the slaves of Allah) the adornment of Allah which He has produced for them and the good things of his providing ? (Q 7.32)

He reached out to encampass all, and to transform all that he encountered. No part of world and whatever it contains was outside his universe of discourse.

It is obvious that Ummah in its journeys through time missed following part of his teaching. What all and to what extent might be disputed. But some parts are disputed. The Ummah lost in field of Science and Technology. It lost its initiative in the field of scientific method. It lost its universalism. It lost its capacity for electic synthesis. It lost it self-confidence. It lost its will to struggle. Talk of struggle for thousands of years has taken place of real will or preparation for struggle. Instead of remaining future oriented it became past oriented. It was progressively pushed aside from the centre of the world-stage.

The biographers of the Prophet if they understand his personality, must pin point the way to the new vistas and the way to develop the will for them. The written word must reveal and not provide yet another cover to hide that which was meant to shine till the Day of Judgment comes.

foremost stalwarts of faith is not in issue nor can it be in issue. There is no debate on that on which Allah has given His verdict. What is being suggested is that the field for showing moral excellence is the human society. To achieve best results in the hereafter we have to make the best effort here and now. The struggle between good and evil continues. To win the battles on behalf of good, one has to be strong (Q 8.60) and wise (Q 2.269). These qualities compliment true faith and reinforce it. Reason too is a gift of Allah (Q 16.78). Some would, Quran says, land up in Hell for not using it (Q 67.10). In the struggle against evil faith and trust in Allah are essential, but the means available for this struggle and wisdom in carrying on the struggle are not to be discarded. Our discourse neglect these aspects and seeks to fill up the gap in power and prosperity by denigrating the world and what ever it contains. Faith is sought to be proved as sufficient in its own right.

The insistent search for the miraculous in the life of the Prophet صلی اللہ علیہ وسلم is basically non-rational in approach. Rational demur is often dismissed as handiwork of Satan. This approach flies in face of the basic thrust of Quran (Q 17.93) and its approval of scientific method. Luckily for Muslims, they never had to go through the excruciating experience of struggle between reason and religion that West went through. What was validly said about the reconcilability of the two by the early sages holds true even today. The complaint is that the average biographer insists of putting the rationality and credulity of the reader to serious strain on every page of his work.

The purpose of a good biography is to capture the inner dynamism of the personality under study. To introduce the reader to the greatness and nobility of the person under study in perceiving the problem, and in opting for the solution actually chosen out of the many available, a truely great biography must attempt a transfer of methodology of perception and conceptulization of problems, the breadth of vision, the universality of the approach.

The intense loyalty that the Prophet excited in every soul needs explanation, understanding. It was not the result of mere gifts (Q 8.63). It was Divine mercy, a response to the suffering, the yearing, the prayers

about the manner in which Noah (عليه السلام) built the first of the sea-going vessels; (Q 11.37) repeatedly mentioned as one of the signs of Allah (Q 22.65). Abraham's inductive method of reaching God is mentioned more than once with approval (Q 6.77-78). Quran speaks of completion of Divine favours to prophet David for he was given the knowledge of making coats of arms (Q 21.79). Solomon was blessed with capacity to undertake mining metallurgy and heavy construction (Q 34.12.13). The Holy Prophet himself adopted the most effective technology in war and peace; where he found it. He advised his companions to use Iranian bows and arrows and other implements of attack and defense. He used all strategies useful for Islam, and not in conflict with its high moral principles. The list is very long. Unlike the wordly revolutionaries who start their revolutions, by cursing their predecessors, the prophets of Allah preserve and bless what good they received from their predecessors but they welcome change with open arms. In fact, they themselves act as the greatest catalysts for revolution of the whole social order. The contemporaries of the Prophet could find no fault with him except that he was completely revolutionalizing the time honoured traditions of the Arab society. He was denying validity to the time honoured distinctions and superiorities. Birth, language, colour, sex, wealth and tribal relationships and loyalties were all declared to be of no consequence. For him, a poor born black slave was equal or superior of a rich notable if his faith was more pristine and deeds morally superior. The meanest of the believers, without regard to his origin was given a status higher than Ka'aba itself, and the opportunity to compete with the best (Ibn Maja 3932).

The point is that change, itself a sign of Allah, was welcome to the Prophet. Our current discourse about the life of the Holy Prophet is entirely past oriented. It is designed to tell that what is past will always be superior to what is yet in the womb of future. This again not being fair to the last Prophet's mission or to the promise to Allah.

It might be said in retort that there is considerable material available in Hadith to prove that the Prophet considered his companions to be superior to those who became their companions and so on in descending order. Surah 56, might be cited to prove to higher status of the 'foremost in faith'. It is submitted that the moral greatness of the

catch up with and surpass the other nations. Positive steps are necessary to remove the chains and to free the people for creative effort. Was it not, according to Quran one objective of the Prophet's mission that he 'remove the chains around the necks of people' (Q.7.157), which bind them to ■ life unworthy of a true believer in Islam. The universe of ■ *mumin* is equal to the Divinely created universe.

One of the unfortunate results of the classical approach is production of a proto-type of religious person limited in outlook, preoccupied with ritual of cleanliness and prayer, unqualified and unsuited to lead a community whose destiny was to be 'the vanguard of humanity' in its ascent towards the next higher stage of life (Q.3.110).

To the orthodox, the above criticism appears unjustified. They justify their preoccupations by a quick retort that did not the Prophet say :

"You know more (than me) about the affairs of your world."

It is submitted that the justification is inadequate. The above quoted response was on a point about teachniques of agriculture. The criticism now being made is that our self-prescribed pre-occupations in the name of Islam leave us inadequate for important, in fact crucial fields of endeavour wherein excellence is prescribed by Islam itself. Modern age is one of Science and Technological power. Muslims have to be overpowering in these fields also. The task of leading mankind to its salvation will continue to remain unattended unless the Muslims learn to catch up and surpass in these fields also.

If the work of all the prophets had to find culmination in the mission of the Prophet Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم) (Q. 3.81) then we would be failing his mission if we restrict to a particular space-time era, what was meant to be universal. He also denies Divine blessings who denies their variety, and their universality.

Allah in His infinite mercy has blessed mankind with enormous knowledge and power, made available through exercise of reason and scientific method. Quran approves of both. Approvingly Quran mentions

Of course, it would be said in defense of the orthodoxy, that even a second rate writer knows the distinction between a prophetic practice i.e. the sunnah proper, and the things the Prophet did as an Arab living in the first century Hijra. Without doubt on a theoretical plane this is true; but when search for detail assumes proportions that one notices even in some of the leading biographies of the Prophet maintaining of the distinction becomes difficult.

Even the early Hadith collections can be faulted on this account. Take as an example the chapter on *Taharat* or Cleanliness in any of the leading works of Hadith to find out if the distinction pointed above is maintained. Let us even assume that the compiler did keep in his mind the requisite distinction. But did the original or any other relator in the long chain of authorities have this distinction in mind? He was merely relating an incident he had seen, or noted or heard. Can we seriously except a modern reader, separated as he is by a long chasm of time and different cultural setting to discover the universal from the local and the particular?

Quran wants the Muslims to follow the example of the Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) (Q. 33.21). When so much detail is presented with such emphasis, and every new scholarly work adding a few, the message is clearly translated into a signal that 'duplicate the detail, or you are not likely to get closer to the Divinely chosen model. This creates precisely the sort of burdens which the Jews and the Christians had created for themselves, and against which Quran had warned (Q. 57.27). In the oscillations between excesses of both types, the believer is not allowed to carry only the burden of the Divine covenant which alone is his obligation. He is forced to carry the constantly increasing load of guilt feelings for not being able to duplicate in his personal life practices of a past cultural milieu. These might have been excellent responses within the field of action available in that milieu, but needs of today are different. The good examples were never meant to limit freedom or field of action or to be treated as part of the revealed *Din* completed during the life time of the Prophet and which Allah had Himself promised to preserve. This distinction is very important in a fast changing and shrinking world. Ummah must no more be deprived of freedom, time and motivation to

The result in the final analysis for one wanting to make a morally meaningful study of the life of the Prophet is that he either suspects and quietly rejects this material as being contrary to reason and to the Quran, or if he has neither the knowledge nor the courage to do so, he proceeds to treat the Prophet as ■ being of such a superior class who suffered neither temptation nor selfdoubt, nor fear, and who for that reason could not be an example for emulation for a man The would be seeker first loses heart and progressively loses interest. Thereafter the Prophet generally remains only ■ subject for panygerics bordering on *shirk*. Surely this is not ■ result which a true believer in the mission of Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم would ever want. If such results are to be avoided, our approach to the theme must change.

Allah has said clearly in the Quran that He sends human beings to be guides and examplers for human beings, and that He would send angles if angles were inhabitting the earth (Q.17.95).

Yet another tendency is to search for and report every meticulous detail of Prophet's life, and except every person to emulate each one of them in his own space-time situation. This is again an unjustified and a daunting demand. Being the last of the prophets, he had to be the most universal model for mankind to be an example to every person till the Day of Judgment. To particularise him within a bedouin setting and to demand ■ detailed duplication as the ultimate call of virtue, is not being fair to him or to his mission. Before him Jesus had rejected the literal legalism of the Jews in the strongest of terms (Mt.22.36) to which the New Testament is ■ witness (Mt. 22.40) Jesus taught that internalization of the objectives of law, love, and charity lead to fulfilment of law (Mt. 22.36). The stage was thus set for establishment of the final balance through the last of the Prophets about whom Christ had prophesized.

Jesus' mission according to New Testament was to recover the lost sheep of Israel (Mt. 2.6). The mission of the Prophet of Islam was to be mercy unto the whole mankind (Q.21.107). It is, therefore, necessary for anyone who undertakes the onerous responsibility of introducing Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم to makind to keep unsullied the merciful as well as the universal elements of his mission. Doubtless forms are important, but not at the cost of the spirit.

AN APPROACH TO SUNNAH OF THE PROPHET (SAWS)

Mr. Khalid M. Ishaq*

There is no human being, nor has ever been one in the history of mankind, whose life has been more avidly read, reread, researched and written about than the Prophet of Islam. Unfortunately the love and admiration that he has inspired has not always remained within the bounds clearly stated by Allah in the Quran. One disturbing aspect has been that notwithstanding the Quranic teaching in this behalf, that he was a human being (Q. 18. 110) to be an example for the rest of humanity (Q. 34. 28), in their exhubrance many commentators about the life of the Prophet paint him in absolutely angelic terms devoid of all elements which constitute a human being. The result is that it becomes impossible for an ordinary person effectively to relate himself to him. This is not all. Over the centuries, sirah writers to prove him superior to every other prophet have attributed powers and innumerable miracles to him for which there is no authority. This has been the general trend inspite of the fact that Quran had prohibted the believers from making comparsions between prophets (Q. 3.84) and had also provided him with a clear answer for those who were demanding miracles from him (Q.17.90-95), as they had demanded from his predcessors. In fact in their desire to depict the Prophet as superior to every other human being whatever a Sirah writer finds admirable in any one he tries to show that the Prophet had greater share of that quality. This is done with all good will but without regard for the contradictions and the problems they create for their readers of other lands and in other times. Allah has warned the Muslims against this tendency which they have started sharing with the people of the book (Christians & Jews) by saying: "O'people of the Book! Do not overstep the bounds of (truth) in your religious beliefs" (Q.5.77).

Advocate and renowned Scholor of Islamic Thought.

LIST OF CONTENTS

			Page
1.	An Approach to Sunnah of the Prophet (SAWS)	*Mr. Khalid M. Ishaque*	1
2.	Muhammad (SAWS) as the Mainfestation of the Finality of Prophethood	*Prof. B. K. Sheikh*	9
3.	Universality of the Prophethood of Hazrat Muhammad (SAWS)	*Dr. Muhammad Hajjan Sheikh*	17



مقالاتِ سیرت

ساتویں قومی سیرت کانفرنس

۱۲، ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ — ۲۹-۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ء

وزارت امور مذہبی — حکومت پاکستان

اسلام آباد